متاعِ جاں ہے تو
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
فرحت اشتیاق
www.Paksociety.com

فرحت اشتیاق

"فاروق ایسوسی ایٹس پلانرز اینڈ کنسلٹنگ انجینئرز"
اس نے نظریں اٹھا کر ان حروف کو پڑھا۔ شاہراہ فیصل سے نزدیک پی ای سی ایچ ایس بلاک 6 میں دو ہزار گز کے اس ڈبل اسٹوری بنگلہ میں فاروق ایسوسی ایٹس کا شاندار آفس تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو فرم کا جیسا تصور اس کے ذہن میں تھا' اسے سب کچھ ویسا ہی دیکھنے کو ملا۔ گیٹ پر باوردی مسلح سیکورٹی گارڈ کے سامنے سے گزرتی وہ اندر داخل ہوئی تو بائیں جانب گیٹ سے لے کر بنگلے کے مرکزی حصے تک ہر طرف سرسبز و شاداب درخت اور خوشنما پھول پودے اپنی بہار دکھلاتے نظر آئے۔ اور دائیں جانب پارکنگ ایریا جہاں فرم کے ملازمین کی گاڑیاں پارک ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پھولوں اور پودوں کی تراش خراش اور قطع برید کے انداز میں جاپانی رنگ جھلک رہا تھا۔ وہ اسے سراہتی مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ریسپشن پر دو خوش پوش لڑکیاں ٹیلی فون اور کمپیوٹرز کے ساتھ مصروف نظر آرہی تھیں۔
"السلام علیکم۔ یس میم!" وہ ان میں سے جس کے

مکمل ناول

سامنے جا کر رکی تھی اس نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا۔

"میں ہنیا سجاد ہوں۔ میں نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ میں آپ کے ہاں اپنی CV دینے آئی ہوں۔" اس نے سفید لفافے میں بند اپنی CV اس کے سامنے رکھی۔

اس فرم نے جاب کے لیے اخبار میں کوئی ایڈ نہیں دیا تھا' مگر اچھے اداروں میں تو لوگ بغیر اشتہار کے بھی اپنی CVs دینے آیا ہی کرتے ہیں اور وہ یقیناً" اس طرح کی CVs بکثرت وصول کرتے رہنے کی عادی تھی' سو اسی مسکراہٹ کے ساتھ پروفیشنل انداز میں بولی۔

"آپ کی CV ہم اپنے پاس ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں۔ جب ہمارے پاس کوئی ویکنسی۔ نکلی ہم یقیناً" آپ کو کال کریں گے۔"

"کیا میری عزیز فاروق صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟ میں جانتی ہوں وہ یقیناً" بہت مصروف ہوں گے اور بغیر اپائنٹمنٹ کے ان کا مجھ سے ملنا مشکل ہو گا۔ لیکن اگر وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں؟"

وہ پُراعتماد تو ہمیشہ سے تھی اور اس کا پُراعتماد انداز اس وقت بھی بے حد نمایاں تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے لے کر اس کے گفتگو تک کے انداز میں کہیں وہ مخصوص گھبراہٹ جو ملازمت کے حصول کے لیے آئے افراد میں اکثر پائی جاتی ہے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گھٹنوں سے کچھ اونچی سبز رنگ کی قمیص' دوپٹہ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ قمیص اور دوپٹہ ہلکے سبز رنگ کا تھا اور ان پر ہلکی ہلکی سی ہم رنگ دھاگے سے کڑھائی کی ہوئی تھی جبکہ ٹراؤزر گہرے سبز رنگ کا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی بہت چھوٹی سی ہیل کی سینڈل پہن رکھی تھی مگر بغیر اونچی ایڑی کی سینڈل کے بھی وہ سرو قامت تھی۔ اس کے بال شانوں سے کچھ نیچے آتے تھے' اوپر سے بالکل سیدھے اور نیچے آ کر قدرتی طور پر کرلی سے ہوتے بال' ایسے جیسے اس نے رولر سیٹنگ کر رکھی ہے۔ وہ نظر انداز کرنے والی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ ریسپشنسٹ جو اس سے معذرت کرنے والی تھی۔

اچانک ہی اس کی اچٹتی سی نگاہ اس کی CV میں اس کی اکیڈمک کوالیفکیشن پر پڑی تھی۔ اور کولمبیا یونیورسٹی کے الفاظ پڑھتے ہی وہ کچھ چونکی تھی۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی اس کے اردو تلفظ میں انگریزی لہجہ جھلکتا تھا مگر یہ کوئی چونکنے والی بات یوں نہ تھی کہ یہاں جاب کرنے والی اور جاب کے حصول کے لیے آنے والی ماڈرن لڑکیاں اسی انگریزی تلفظ میں اردو بولا کرتی تھیں۔ گویا کسی بدیسی زبان میں بات کر رہی ہوں۔ بہرحال اب معاملہ مختلف تھا۔

اسے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے پُراعتماد انداز کا سبب بھی یکدم ہی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"میم! آپ تشریف رکھیے۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے سامنے کچھ فاصلے پر رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلاتی سامنے ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے سامنے سے گزرتے' مختلف کمروں میں داخل ہوتے' وہاں سے نکلتے' سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے اور سیڑھیوں سے نیچے آتے مختلف افراد کو دیکھنے لگی تھی۔

"آپ آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتی ہیں؟ سر کے پاس ابھی کچھ کلائنٹس آئے ہوئے ہیں۔"

ریسپشنسٹ نے قدرے بلند آواز میں اسے مخاطب کیا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اور صوفے کے سامنے رکھی میز پر موجود مختلف پروفیشنل جرنلز اور میگزینز دیکھنے لگی جو سب کے سب سول انجینئرنگ سے متعلق تھے۔

وہ Soil investigation کے حوالے سے ایک نئی تحقیقاتی رپورٹ پڑھ رہی تھی جب ریسپشنسٹ نے اسے اپنی فرم کے بانی و CEO عزیز فاروق صاحب سے ملنے کی اجازت دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس ایئرکنڈیشنڈ آفس کے خاموش اور پُرسکون ماحول میں عزیز فاروق اسے اپنی میز پر بیٹھے نظر آئے۔ انہوں نے ریڈنگ گلاسز لگا رکھے تھے' ان کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ رکھی تھی جس کا وہ بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گلاسز آنکھوں پر سے اتارتے انہوں نے اسے اندر آنے اور کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ وہ ان کی میز کے سامنے رکھی خوبصورت دو بیئر کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے اپنے سامنے رکھی ڈرائنگ ہٹا کر اس کی CV اپنے سامنے رکھ لی۔

"اچھا تو۔۔۔" انہوں نے اس کی CV پر نظریں دوڑائیں۔ CV کے سب سے اوپر ہی اس نے اپنا مکمل نام' پتہ اور ای میل ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ سو انہیں نام تلاش کرنے میں نہ دقت ہوئی نہ وقت لگا۔

"تو مس ہنیا سجاد! کچھ اپنے بارے میں مجھے بتایئے۔" ان کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان تھی۔

انہوں نے گرے پینٹ' لائٹ بلیو شرٹ اور ڈارک بلیو ٹائی پہن رکھی تھی جبکہ ان کا کوٹ پیچھے رکھے اسٹینڈ میں ہینگ ہوا نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کیا تھا اس لیے سیاہ بالوں کے ساتھ سفید بالوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان کی شخصیت کے لیے کیا لفظ موزوں تھا۔ بارعب' باوقار' کرشماتی' مقناطیسی' کوئی ایک لفظ نہیں بلکہ ان سب کا مجموعہ۔ وہ انتہائی شاندار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ہالی ووڈ کے کسی ہیرو کی طرح روایتی ہینڈسم نہیں مگر اپنی شخصیت کے گریس اور ایلیگنس کے سبب اپنے مقابل پر چھا جانے والی شخصیت کے مالک۔ اور ان کا آفس بھی انہی کی طرح تھا۔

ان کی میز کی دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بک شیلف تھا جس میں سول انجینئرنگ سے متعلق بے شمار قیمتی کتابیں موجود تھیں۔ کئی طرح کے بلڈنگ [illegible] دوسری جانب [illegible] تھے۔ کمرے کی چاروں [illegible] بلڈنگ اور برج وغیرہ کی تصاویر [illegible] اور ان کی فرم نے بنائے تھے۔ ان [illegible] کنسائنٹس کمپیوٹر' کئی طرح کے جدید ٹیلی فون سیٹس کے علاوہ کمرے کے ایک طرف رکھے اسٹینڈ میں [illegible] ساری ڈرائنگز بھی رول ہوئی رکھی نظر آ رہی تھیں۔

وہ پاکستان کی چوٹی کی چند مشہور ترین فرمز' جنہوں نے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی اپنا نام بنایا تھا' ان میں سے ایک فرم کے CEO کے سامنے بیٹھی ہے' یہ سوچ نہ اسے نروس کر رہی تھی نہ کنفیوژ۔ وہ بالکل ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی۔ اس نے سکون سے ان کا سوال سنا' ان کی خود کو جانچتی مکمل پروفیشنل نظروں کی جانب ہلکا سا مسکرا کر دیکھا اور پُرسکون لہجے میں بولی۔

"سر! آپ میری CV میں دیکھ چکے ہوں گے کہ میں نے کولمبیا یونیورسٹی SEAS سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ اور۔۔۔"

"میں نے آپ کی CV نہیں دیکھی مس ہنیا! میں لوگوں کو ان کی CVs (سی ویز) سے نہیں ان کی حقیقی قابلیت سے پرکھنے میں یقین رکھتا ہوں۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میں ہر روز بے شمار CVs (سی ویز) دیکھتا ہوں اور ان CVs میں لوگوں نے اپنی جو جو خصوصیات اور خوبیاں لکھی ہوتی ہیں انہیں پڑھ کر بے اختیار ذہن میں آتا ہے کہ اتنا قابل، لائق اور باصلاحیت بندے کو ہائر نہ کر کے تو ہم اس کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے ساتھ زیادتی کریں گے۔ مگر جب ان سے ملو تو... میں کسی بھی ورک شاپ، سیمینار یا کانفرنس میں لیکچر دینے جاتا ہوں تو تمام ینگ گریجویٹس سے یہی کہتا ہوں کہ CV میں وہ لکھیں جو آپ ہیں، جو آپ بن چکے ہیں، وہ نہیں جو آپ بننا چاہتے ہیں۔ ویسے یہ بات یونہی برسبیل تذکرہ تھی۔ آپ اپنے بارے میں مجھے بتا رہی تھیں۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ پروفیشنل انداز میں مسکرائے۔

"سر! لیکن مجھے اگر آپ نے اپنے پاس جاب نہ دی تو واقعی اپنے ساتھ بہت بڑی زیادتی کریں گے۔"

انہوں نے اس کی اس درجہ صاف گوئی اور اعتماد پر چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ کس طرح؟" وہ مبہم سا مسکرائے تھے گویا اس کے پُراعتماد انداز کو پسند کر رہے تھے۔

"وہ اس طرح سر! کہ میری CV میرے بارے میں وہ سب مکمل طور پر بتا نہیں پا رہی جو میں ہوں۔ آپ نے اسٹرکچرل انجینئر کی جاب کے لیے کوئی ایڈ نہیں دیا تھا مگر ماشاءاللہ آپ کی فرم کا اتنا نام ہے۔ پھر میں نے انٹرنیٹ پر آپ کا کمپنی پروفائل بھی پوری توجہ سے دیکھ رکھا ہے۔ کتنے سارے مشہور، بڑے اور internationally recognized (بین الاقوامی تسلیم شدہ) پروجیکٹس آپ کی فرم کے کریڈٹ پر ہیں۔ اور ایسی کسی reputed فرم کا حصہ بننا یقیناً میرے لیے ایک آنر کی بات ہو گی لیکن اگر آپ نے مجھے اپنے پاس جاب نہ دی تو ظاہر ہے، میں کسی دوسری فرم میں جو آپ کی competitor بھی ہو گی، وہاں چلی جاؤں گی۔ اور definitely ہائر (hire) بھی کر لی جاؤں گی تو اپنے پاس خود چل کر آئے ایک ایسے ٹیلنٹ کو آپ کسی competitor کو handover کر دیں گے سر!

آپ مجھے ایسے لگتے تو نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اتنے جوہر شناس تو ہیں ہی کہ ٹیلنٹ اور قابلیت کو ایک نظر میں پرکھ سکیں۔"

وہ سنجیدگی و متانت سے یوں بولی گویا کسی universal truth (آفاقی سچائی) سے انہیں آگاہ کر رہی ہو۔ انہوں نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔ ان کے لبوں پر محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے پتہ ہے سر! میرا یہ کہنا آپ کو immodesty لگ رہا ہو گا۔ لیکن میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ آدمی کو اپنی خوبیاں اور خامیاں سب پتہ بھی ہونی چاہئیں اور ان کا واضح اظہار بھی کرنا چاہیے۔

میں competent ہوں، talented ہوں، ambitious ہوں۔ سول انجینئرنگ کی صرف ڈگری ہی نہیں لی میں نے بلکہ سول انجینئرنگ میرا passion ہے۔

I want to build buildings, bridges, houses

جب میری عمر کی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں، تب میں بچوں کے کھیلنے والے بلاکس سے (بلڈنگز) بنایا کرتی تھی، نئے نئے ڈیزائنز کی۔ اسکول میں آرٹ کی ٹیچر سینری بنانے کو کہتیں تو دوسرے بچوں کے برخلاف میری سینری میں آسمان، پہاڑ، پرندوں اور جھیل سے زیادہ فوکس مکان اور جھیل پر سے گزرتے پل پر ہوتا تھا۔ مکان اور پل کی چھوٹی چھوٹی ڈیٹیلز پر بھی میں نے پوری توجہ دی ہوئی تھی۔"

" competent، talented اور

ambitious میں میری طرف سے confident کا اضافہ بھی کر لیں۔" وہ ریلیکس سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"ویل مس سجاد! آپ کا خود پر اعتماد مجھے پسند آیا ہے۔"

وہ اس بار ذرا کھل کر مسکرائے تھے اور انہوں نے کھل کر ہی اسے سراہا بھی تھا۔

"اچھا تو مس ہنیا سجاد! مجھ پر ذرا یہ ثابت کر کے دکھا دیجیے کہ آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کر دینے سے میرا کتنا بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

وہ بولتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھے، پیچھے اسٹینڈ میں سے چند ڈرائنگز نکالیں، واپس مڑے، اپنی میز پر آئے، ان ڈرائنگز کو اس کے سامنے رکھا اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یہ ایک رہائشی بلڈنگ ہے جو کراچی میں بنے گی، اس کی ڈرائنگز ہیں۔ ذرا ان پر اپنے کمنٹس دیجیے۔"

وہ ایک کثیر المنزلہ رہائشی بلڈنگ کی اسٹرکچرل ڈرائنگز تھیں۔ اس نے انہیں مکمل توجہ اور سنجیدگی سے دیکھنا شروع کیا۔

"یہ کس نے ڈیزائن کی ہے؟"

چند منٹوں بعد اس نے سر اٹھائے بغیر جیسے خود سے کہا تھا۔ اس نے احمق کا لفظ غالباً سنسر کر دیا تھا ورنہ اس کے بولنے کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ پوچھنا یہ چاہتی تھی کہ "یہ بلڈنگ کس احمق نے ڈیزائن کی ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر عزیر فاروق کو دیکھا۔

"آئم سوری ٹو سے سر! لیکن اس ڈیزائن میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ سب سے پہلے تو اس میں Seismic factor کو مدنظر رکھا ہی نہیں گیا ہے۔ میں نے پاکستان کا (سیزمک) رسک زون میپ دیکھ رکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کراچی seismic زون میں آتا ہے۔ یہاں زلزلے کے خطرات موجود ہیں۔ ارتھ کوئیک زون میں جو شہر آتا ہو وہاں اس طرح کے اسٹرکچر ڈیزائن کرنا اور وہ بھی ایک ہائی رائز ریذیڈینشل بلڈنگ؟ جہاں کئی سو افراد رہیں گے۔ ہم کئی سو افراد کی زندگیوں کو صرف اس لیے داؤ پر نہیں لگا سکتے کہ اس طرح ہماری لاگت کم آئے گی۔ لوگوں کی زندگیاں زیادہ اہم ہیں یا ہماری cost؟ اس کے علاوہ بھی ڈیزائن میں ٹیکنیکلی کئی خامیاں ہیں سر! میری صاف گوئی کا برا مت مانیے گا سر! مگر یہ کسی انتہائی ڈفر آدمی نے ڈیزائن کی ہے۔"

وہ جواباً یوں مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی تائید یا تردید کے بغیر وہ ڈرائنگز اس کے سامنے سے ہٹا کر میز پر قدرے دور کھسکا دیں۔ وہ اب انٹرکام پر اپنے پی اے یا سیکریٹری سے مخاطب تھے۔

"شوکت! دو کپ چائے۔" بولتے بولتے انہیں جیسے دھیان آیا تو ریسیور کان سے لگائے لگائے اس سے پوچھا۔

"آپ کیا لیں گی مس ہنیا؟ چائے، کافی یا کولڈ ڈرنک؟"

"کولڈ ڈرنک۔" اس نے بلاتکلف انہیں اپنی پسند بتائی۔ وہ اس کی بلاتکلف گفتگو کو انجوائے کر رہے ہیں۔ یہ ان کے چہرے پر پھیلی مدھم سی مسکراہٹ بتا رہی تھی۔

"ایک ڈائٹ کوک اور ایک کپ چائے۔" انٹرکام سے فارغ ہو کر وہ پھر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تو مس ہنیا سجاد! آپ مجھے اپنے بارے میں بتا رہی تھیں۔ آپ نے کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری لی ہے۔ آپ نے گریجویشن کب کی؟ اس سے پہلے کہیں اور جاب کی؟ امریکہ پڑھنے کے لیے گئی تھیں یا..."

اس نے ان کی بات کاٹ کر خود اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

"سر! میں امریکہ ہی میں پیدا ہوئی تھی اور ہمیشہ وہیں رہی ہوں۔ میری پوری فیملی بھی وہیں سیٹلڈ ہے۔ میرے پاپا تو پیدا بھی وہیں ہوئے تھے۔ ان کی فیملی

Late 40s میں امریکہ مائیگریٹ کر گئی تھی جبکہ ممی کی فیملی کا معاملہ مختلف تھا۔ میرے نانا ڈپلومیٹ تھے، ممی ان کے ساتھ ملکوں ملکوں گھومتی تھیں۔ ویسے وہ پیدا پاکستان میں ہوئی تھیں۔ وہ شادی کے بعد امریکہ آئی تھیں۔ میرے پاپا (لائر) تھے۔ نیویارک کی ایک Law firm شاید آپ نے نام سن رکھا ہو۔ J T & R وہ وہاں "Partner" تھے۔ ممی بھی ایک کیریئر وومین تھیں۔ وہ ایک اکاؤنٹنٹ تھیں اور ایک مالیاتی ادارے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ میرے پیرنٹس کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ میرے تین بھائی بہن ہیں۔ دو بڑے بھائی اور ایک بڑی بہن۔ میرے ایک بھائی ہارورڈ یونیورسٹی میں ہسٹری کے پروفیسر ہیں، ایک بھائی سائیکاٹرسٹ ہیں اور بہن میری ہی طرح سول انجینئر۔"

"گویا آپ کی پوری فیملی اعلا تعلیم یافتہ ہے۔"

اس وقت ٹرے ہاتھ میں لیے پیون اندر داخل ہوا تھا۔

"جی سر! ہمارے گھر کا ماحول بھی اس طرح کا تھا پھر ہم سب بھائی بہن پڑھائی کے شوقین بھی تھے۔"

پیون ان کے ڈرنکس ان کے سامنے رکھ کر جا چکا تھا۔

"جب آپ کی ساری فیملی وہیں ہے پھر آپ پاکستان کیوں آگئیں؟" انہوں نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"سر! جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ بھائی بہن میرے سارے dedicated پروفیشنلز ہیں۔ اپنی اپنی جابز کی وجہ سے وہ لوگ ممی، پاپا کی زندگی ہی میں الگ الگ شہروں میں رہ رہے تھے۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ اپنی پروفیشنل اور گھریلو لائف دیکھنے کے بعد ان تینوں ہی کے پاس بالکل وقت نہیں بچتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ روز روز مجھ سے ملنے نیویارک آسکیں۔ تو اب ممی، پاپا کے بعد میں نیویارک میں بالکل تنہا تھی۔ میں نیویارک میں جاب کر رہی تھی پھر میں نے سوچا اس طرح تنہا رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اس ملک چلا جائے جہاں میری جڑیں ہیں۔ میں لاکھ پیدائشی امریکن سہی پر اپنے پیرنٹس کے حوالے سے پاکستان سے میرا تعلق ہے تو سہی۔ پھر یہاں کراچی میں میرے سگے ماموں رہتے ہیں۔ میں نے سوچا نیویارک میں تنہا رہنے اور مشینی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ کراچی ماموں، ممانی کے پاس چلی جاؤں وہ دونوں ہمیشہ مجھے یہاں بلاتے بھی بہت تھے۔ ممی، پاپا کے بعد تو اکثر وہ دونوں مجھ سے کہتے تھے۔ پھر ہائی اسکول کے دنوں میں میں ایک بار اپنے ماموں زاد بھائی کی شادی میں کراچی آ بھی چکی تھی۔ تب مجھے پاکستان اچھا لگا تھا۔ میں نے سوچا پاکستان جانے میں کیا حرج ہے۔ اگر یہاں نہ سیٹ ہو سکی تو واپس لوٹ جانے کا آپشن بہرحال میرے پاس ہمیشہ موجود رہے گا ہی۔"

اس نے کوک کا سپ لیتے ہوئے انہیں تفصیلاً بتایا۔

"خوش ہیں اپنے فیصلے سے؟ پاکستان اور امریکہ میں بہت فرق ہے۔ وہاں رہنے والوں کے لیے یہاں سیٹ ہونا کافی مشکل ہوتا ہے۔"

"سر! ابھی تو ابتدائی مرحلہ ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں کچھ وقت گزرنے کے بعد پتہ چلے گا۔ ویسے جب میں یہاں آ رہی تھی تو میرے بھائی بہن، دوست اور کولیگز سب ہی کہہ رہے تھے کہ میں بہت بڑی غلطی کر رہی ہوں بلکہ نیویارک میں میری فرم سی ای او نے یہاں تک پیشن گوئی کر دی تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ 5 یا 6 مہینوں بعد نیویارک واپس آجاؤں گی لہٰذا وہ میرا ریزائن بھی قبول نہیں کر رہے۔ انہوں نے بڑے کھلے دل سے مجھے آفر دی تھی کہ چند مہینوں بعد جب میں پاکستان سے مایوس ہو کر واپس نیویارک پہنچوں گی تو ان کی فرم کے دروازے تب بھی مجھ پر کھلے ہوں گے۔"

عزیر فاروق اس کی بات پر ہنسے تھے۔ پھر چائے کا

سب لیتے کسی قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"آپ وہاں کب سے جاب کر رہی تھیں؟"

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا سر! ان فیکٹ مجھے گریجویشن کیے ہوئے ہی ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے۔"

"آپ کی اردو ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔" چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے انہوں نے تعریف کی۔

"شکریہ سر! اصل میں ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا تھا۔ ہمارے پیرنٹس اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ ہم بھائی بہن گھر میں ایک دوسرے سے انگلش میں بات کریں۔ ہمارے پیرنٹس ہم سے ہمیشہ اردو میں بات کرتے تھے۔ ہمارے یہاں مشرقی روایات اور ویلیوز کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔"

وہ بھی اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ ساری گفتگو ہو چکی تھی' رسمی بھی' پیشہ ورانہ بھی' تعارفی بھی' فیملی بیک گراؤنڈ پر بھی' اب مزید بات کرنے کے لیے کوئی موضوع بچا نہیں تھا' سوائے یہ جاننے کے کہ آیا وہ فاروقی ایسوسی ایٹس میں ملازمت کی حق دار قرار پائی ہے یا نہیں۔ وہ بھی اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو سمجھ چکے تھے لہٰذا سنجیدگی سے انہوں نے بات شروع کی۔

"ویل مس ہنیا سجاد! ہمارے پاس اس وقت کوئی ویکنسی نہیں ہے۔" انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو مسکرا کر دیکھا' پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

"ہمارے پاس اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں مگر ہم آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کرنے کو بھی تیار نہیں۔"

"یعنی؟" اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"یعنی یہ کہ آپ کے لیے جگہ تو ہمیں نکالنی ہی پڑے گی اور یعنی یہ کہ آپ کو میں اپائنٹ کر رہا ہوں اور یعنی یہ کہ آپ کو فاروقی ایسوسی ایٹس میں جاب مل گئی ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر اس سے کہا۔ وہ بھی طمانیت بھرے خوشگوار انداز میں مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ آپ نیویارک میں کیا سیلری پیکج ڈرا کر رہی تھیں اور یہاں ہم سے کیا expect کر رہی ہیں' بہر حال ہم آپ کو جو پیکج آفر کر رہے ہیں وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اپنے پروفیشنل انداز پر لوٹ گئے تھے اور اسے اس کی تنخواہ اور دیگر مراعات کے متعلق بتانے لگے تھے۔ اس نے اس پیکج پر فوراً" آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

"آپ کب سے جوائن کرنا چاہتی ہیں؟"

"کل سے۔" وہ اس جواب پر مبہم سا مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید رکھتے تھے پھر انٹرکام پر اپنے سیکریٹری سے اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرنے کو کہا۔ جتنی دیر میں اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر تیار ہوا۔ اتنی دیر وہ اس سے اس کے سول انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران پڑھائی کا حصہ بننے والے پروجیکٹس' اور پھر نیویارک میں جاب کے دوران وہ کن کن پروجیکٹس میں شامل رہی' سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ابھی اس نے اپنا اپائنٹمنٹ لیٹر وصول کیا ہی تھا کہ ان کے آفس میں انہی کی عمر کے ایک صاحب داخل ہوئے۔

"آیئے ہلگرامی صاحب! ان سے ملیے۔ مس ہنیا سجاد' کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کر کے آئی ہیں' انہیں میں نے ہمارے ہاں اپائنٹ کر لیا ہے۔ مجھے امید ہے یہ ہمارے ہاں موجود انجینئرز میں ایک بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی اور مس ہنیا! آپ جاوید ہلگرامی صاحب ہیں۔ ہمارے سب سے سینئر اور تجربہ کار اسٹرکچرل انجینئر۔ ہمارے 90 فیصد پروجیکٹس کو ہلگرامی صاحب ہی ہینڈل کرتے ہیں۔ آپ ان ہی کے انڈر کام کریں گی۔"

عزیز فاروقی نے دونوں کا تعارف کروایا۔ ہلگرامی صاحب لباس اور چال ڈھال میں عزیز فاروقی جیسے ہی تھے مگر ان کے چہرے پر سختی نمایاں تھی۔ انہوں نے

ی سے انداز میں سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس ہنیا۔"

وہ اسے ایک روایتی باس کے تصور پر پورے اترتے ائی دے رہے تھے۔ اب باس چاہے جتنا بھی ٹیڑھا تا' وہ باس کے بھی باس کو متاثر کرنے میں کامیاب کی تھی لہٰذا فکر کس بات کی تھی۔

ایک کامیاب انٹرویو اور جاب کے حصول میں یابی کے بعد مطمئن اور آسودہ سی گاڑی میں آ کر بیٹھ ی۔ وہ آج اپنے ماموں فیاض احمد کے ڈرائیور کے تھ آئی تھی۔ چونکہ ابھی اسے کراچی کے راستے و اچھی طرح ازبر نہ ہوئے تھے اس لیے فی الحال ہر ڈرائیور کے ساتھ آنا جانا مجبوری تھی۔ ورنہ وہ نے تمام کام خود کرنے کی عادی تھی۔ جس ملک کی ی تھی' جہاں سے آئی تھی وہاں اپنے ذاتی کاموں کے دوسروں پر depend کرنے کا کوئی رواج یں تھا۔ ابھی اسے نیویارک سے کراچی آئے محض 20 دن ہی تو ہوئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہاں راستوں اور ٹریفک کے طور طریقوں سے جلد از جلد واقفیت حاصل کر کے اپنی ذاتی گاڑی خریدنے کی ہ ہر جگہ خود آ جا سکے اور اپنے تمام کام خود انجام دے

وہ گھر پہنچی تو اس کی ممانی شمسہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی ی تھیں۔

"السلام علیکم ممانی! ماموں کہاں ہیں؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! ابھی نکلے ہیں یاور صاحب کی ف۔ گھر میں اکیلا بیٹھا بندہ عاجز بھی تو آ جاتا ہے۔"

اس کے ماموں' ممانی نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔ پوری زندگی نے بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور تنہا ی گزار دی تھی۔ ماموں سعودی ایئر لائن میں جاب ہ سے جدہ میں اور ممانی بچوں کی تعلیم کی وجہ سے چی میں۔ بچے پڑھ لکھ کر کسی قابل ہوئے تو کوئی جہان تسخیر کرنے امریکہ روانہ ہو گیا تو کوئی کینیڈا و نڈ۔ رہ گئے تنہا بوڑھے ماں باپ۔ ماموں ریٹائر

ہونے کے بعد کراچی واپس لوٹ آئے تھے اور اب پوری جوانی بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور گزارنے والے وہ میاں' بیوی دوبارہ ساتھ ہوئے تھے تو بڑھاپے میں' جب روپے پیسے کی ریل پیل تھی مگر نہ صحت باقی بچی تھی نہ دل اور شوق۔

بہت بڑا سا گھر تھا ان کا اور اس گھر میں ان دو افراد کی تنہائی ہنیا کو اپنے کزنز پر اکثر بڑا شدید غصہ آتا تھا۔ آخر امریکہ' کینیڈا اور انگلینڈ میں ایسا کیا مل رہا تھا جو والدین کے پاس رہنے سے زیادہ قیمتی تھا۔ ہنیا کے اپنے پاس آ جانے سے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ اس کے آنے سے کم از کم ان کے گھر کی تنہائی اور خاموشی کچھ تو کم ہوئی تھی۔

اس نے خوشی خوشی شمسہ کو اپنے جاب کے حصول میں کامیابی کی خبر سنائی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز اس کا آفس میں پہلا اور تعارفی دن تھا۔ وہ ہلگرامی صاحب سے جا کر ملی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے یہاں کا working environment مختصراً" بتایا' اسے اس کے چند کولیگز سے متعارف کروایا۔ اس کے بعد اس کے کیبن میں بھجوا دیا تھا۔ وہاں لڑکیاں اور خواتین کم اور مرد حضرات زیادہ تعداد میں تھے۔ اس کی طرح کی انجینئر لڑکیاں جو ابھی ینگ اور فریش گریجویٹس کے زمرے میں آتی تھیں صرف دو تھیں' شیریں منہاج اور جویریہ ابصار' جبکہ سینئر اسٹرکچرل انجینئرز میں ایک خاتون شامل تھیں۔ بنیادی طور پر یہ کنسلٹنگ فرم سول انجینئرنگ سے متعلق تھی مگر یہاں آرکیٹکٹس اور پلانرز بھی کافی تھے۔ نیچے عزیز فاروقی کے ساتھ دیگر سینئر انجینئرز و architects کے دفاتر' اکاؤنٹس کا شعبہ وغیرہ تھے جبکہ اوپر ڈرائنگ سیکشن اور جونیئر انجینئرز' آرکیٹکٹس کے کیبنز موجود تھے۔ لائبریری بھی اوپر ہی تھی۔ میٹنگ روم

بھی اوپر ہی تھا۔ ڈرائنگ سیکشن اوپر ہونے کی وجہ سے تمام ڈرافٹس مین بھی تمام وقت اوپر ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ ڈرائنگ سیکشن دو بڑے بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک ہال میں یہاں سے وہاں تک ہر طرف کمپیوٹر ہی کمپیوٹر تھے اور ان پر ڈرافٹس مین پوری مہارت سے ڈرائنگز بنانے میں مصروف تھے جبکہ دوسرے ہال میں ڈرائنگ بورڈز لگے ہوئے تھے۔ وہاں بھی ڈرافٹس مین، انجینئرز، آرکیٹکٹ مصروف ہی نظر آئے تھے۔ یہاں ڈرائنگ کا بیشتر کام کمپیوٹر کے ذریعے کیے جانے کے باوجود ابھی manual ڈرائنگ کی اہمیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ بیسمنٹ میں ریکارڈ روم وغیرہ تھے۔

پہلے دن دوستی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ اس پورے دن آفس کے ماحول کو سمجھنے اور تمام کولیگز کے ناموں کو یاد رکھنے میں مصروف رہی۔

"آپ نے PEC میں رجسٹریشن کروالی؟"

ہلگرامی صاحب نے اپنے آفس میں بلا کر چند ڈرائنگز مطالعے کے لیے اس کے سپرد کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔ ہلگرامی صاحب کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے اس چیز کا دھیان تھا۔ ظاہر ہے پاکستان میں بطور سول انجینئر کام کرنے کے لیے اسے پاکستان انجینئرنگ کونسل میں خود کو رجسٹر کروانا تھا۔ وہاں سے رجسٹریشن مل جاتی تب ہی وہ پاکستان میں ایک پروفیشنل انجینئر کے طور پر کوئی کام اور کوئی پروجیکٹ کرنے کی قانونی طور پر مجاز ہوتی۔ وہ اس اہم معاملے میں پوری طرح مستعد تھی۔ اس نے کل یہاں سے ملازمت کے حصول میں کامیابی کے بعد رات ہی PEC سے رجسٹریشن کے لیے وہاں کا فارم انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کرلیا تھا۔ وہ اسے فل بھی کرچکی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ تمام درکار دستاویزات منسلک کرنے کے بعد وہ اسے کل ہی PEC میں جمع کروا دے گی۔

ہلگرامی صاحب کے بارے میں اس کا ابتدائی اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی ایک ٹیپکل باس تھے۔ کم مسکرانے والے، ڈسپلن قائم رکھنے اور ماتحتوں پر رعب برقرار رکھنے کے لیے وہ مختصر اور ٹو دا پوائنٹ بات کرنے والے ایک سخت مزاج باس تھے۔ نیئر اور جویریہ نے اس کی معلومات میں اضافے کے لیے اسے بتایا تھا کہ ان کا یہ رویہ صرف اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ سینئرز کے ساتھ وہ باآواز بلند قہقہے لگاتے اکثر و بیشتر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس سے تعارف حاصل کرنے والے اس کے تمام کولیگز اس بات پر حیران تھے کہ وہ نیویارک میں ایک اتنی اچھی جاب چھوڑ کر پاکستان کیوں چلی آئی۔ land of opportunities امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلے آنے میں ایسا کیا چارم تھا؟ یہاں تو ہر دوسرا پاکستانی چاہے وہ پاکستان میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سیٹل ہو، معاشی اعتبار سے کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو، خواب امریکہ جانے ہی کے دیکھا کرتا ہے۔ اور وہ نیویارک جیسے بڑے شہر میں اپنی اتنی اچھی جاب کو ٹھوکر مار کر پاکستان چلی آئی تھی؟

وہ ان لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ ایک پیدائشی امریکن ہونے اور وہیں پلنے بڑھنے کے باوجود شاید وہ اندر سے اس خود غرض مادہ پرست اور مشینی ماحول کی عادی نہیں ہو سکی تھی جہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی، جہاں کوئی کسی کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا، جہاں سب اپنی اپنی زندگی اپنے اپنے من چاہے انداز میں اپنی ذمہ داری پر گزارتے ہیں۔ جہاں زندگی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے سب اندھا دھند دوڑ رہے ہیں، سب بے پناہ مصروف ہیں، لوگوں کے پاس اپنے خونی رشتوں کو دینے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ اسے تو یہ پاکستانی ماحول پرکشش لگتا تھا جہاں فیملی کے افراد ایک دوسرے سے اتنے زیادہ اٹیچڈ ہو کر رہتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بہن۔ اس کی توجیح سب کی سمجھ میں آگئی تھی، سب اسے مان بھی رہے تھے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثریت کی نظریں اسے یہ کہتی نظر آرہی تھیں کہ مشرقی و پاکستانی ماحول کی تلاش میں 'اپنا پن'

چانسز پانے کے خواب لیے یہاں آئی وہ لڑکی بہت جلد یہاں سے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائے گی۔

وہ وہاں واحد فارن کوالیفائیڈ انجینئر نہیں تھی۔ جتنی بڑی وہ فرم تھی اتنے ہی قابل دماغ اس کے ساتھ منسلک تھے۔ عزیز فاروق نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن اور ماسٹرز امریکہ سے کر رکھا تھا۔

جاوید ہلگرامی بھی امریکہ ہی سے ایم ایس کرکے آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے سینئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں سے کئی ایک فارن کوالیفائیڈ تھے۔ گریجویشن پاکستان سے کی بھی تھی تو آگے اپنے پروفائل کو سجانے سنوارنے کے لیے بیرون ملک سے ڈگریز، سرٹیفکیٹس اور ڈپلومے لے کر آئے ہوئے تھے۔ اپنے قابل اور لائق انجینئرز و آرکیٹکٹ کو فرم خود بھی آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتی تھی۔ ان کی مزید اعلا تعلیم کے اخراجات اٹھاتی تھی۔ ان دنوں فرم ہی کی طرف سے یہاں کے ایک انجینئر ایم ایس کرنے کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ ہنیا کو جو چیز آغاز میں ہی سب سے نمایاں کررہی تھی، وہ یہ تھی کہ جونیئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں وہ واحد تھی، جو فارن کوالیفائیڈ تھی اور وہ بھی ایک اتنے نامور تعلیمی ادارے کی۔ ابھی وہ اپنی کارکردگی سے کسی پر بھی کچھ ثابت کرکے دکھا نہیں سکی تھی مگر کولمبیا یونیورسٹی کا نام سننے کے بعد اسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کرسکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر....!" وہ ہاتھوں میں ایک ڈرائنگ لیے سیڑھیوں کی طرف جارہی تھی تو جب اس کی عزیز فاروق سے ملاقات ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"

جوائن کرنے کے بعد پہلے دن اس کی ان سے ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا کر اپنی فرم کا ماحول اور یہاں کام کا طریقہ کار مختصراً سمجھایا تھا۔ اس مختصر ملاقات کے بعد پچھلے تین دنوں میں اس کی ان سے سرے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ وہ بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔

"ٹھیک ہوں سر!"

"کام سمجھ میں آنا شروع ہوا؟"

وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اپنے آفس کی طرف جارہے تھے۔

"جی سر! سمجھ میں آرہا ہے۔ لوکل بلڈنگ کوڈز اور یہاں کام کرنے کا طریقہ کار آہستہ آہستہ سمجھ رہی ہوں۔"

"آپ کو امریکہ سے یہاں پر سب کچھ بالکل ڈفرنٹ ملے گا۔ ویسے میں کسی فارنر سے اپنے ملک کی برائیاں کرنا کبھی پسند نہیں کرتا مگر آپ چونکہ امریکن کم اور پاکستانی زیادہ لگتی ہیں اس لیے کہہ رہا ہوں، ہمارے ہاں آپ کو بہت سی وہ برائیاں ملیں گی جو بحیثیت مسلمان ہم میں ہونی نہیں چاہئیں۔ جھوٹ، دھوکا، بے ایمانی اور وقت کی بے قدری۔ اس مادہ پرست معاشرے میں جتنی بھی برائیاں ہوں مگر یہ برائیاں نہیں۔ یہی ان کی ترقی کا سبب ہے اور ہمارے ہاں ہر شخص جھوٹ اور بے ایمانی کے بل پر جلد سے جلد اوپر چڑھنا چاہتا ہے، آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی شخص نے آپ سے ملاقات کے لیے پانچ بجے کا وقت طے کیا ہے تو آپ اسے پانچ سے چھ تو از خود ہی کرلیجیے کہ وہ پانچ بجے تو وہاں ہرگز موجود نہ ہوگا۔"

افسوس بھرے لہجے میں بولتے وہ اپنے آفس تک پہنچ گئے تھے۔

"آیئے!" انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے بلیک پینٹ اور کریم کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے ٹائی کی ناٹ کچھ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا لیں گی آپ؟" ان کے ساتھ تکلف تو اس نے پہلی مرتبہ نہیں برتا تھا پھر آج کیوں برتتی؟

"کولڈ ڈرنک۔"

"آپ چائے اور کافی بالکل نہیں پیتیں یا کم پیتی ہیں؟" انٹرکام پر چائے اور سوفٹ ڈرنک کا کہنے کے

بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔

"چیتی ہوں مگر بہت کم۔"

چائے اور سوفٹ ڈرنک آگئی تب وہ اس سے اس کی پی ای سی میں رجسٹریشن کے متعلق پوچھنے لگے۔

"جی سر! میں نے فارم فل کرلیا ہے۔ میرا آج ہی وہاں جانے کا ارادہ ہے۔"

"ارے تو آپ میرے ساتھ چلیے۔ مجھے بھی پی ای سی ایک کام سے جانا ہے۔"

انہوں نے اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کردیا تھا۔ اس نے جویریہ سے پی ای سی کے کراچی میں واقع برانچ آفس کا پتا اچھی طرح سمجھ کر اس کا باقاعدہ نقشہ تک بنوالیا تھا مگر چونکہ اس کے ماموں کے ڈرائیور نے پی ای سی برانچ آفس کبھی دیکھا ہوا نہیں تھا اس لیے اسے لگ رہا تھا کہ آفس ڈھونڈنے میں تھوڑی وقت ہوگی۔ اس نے جتنی دیر میں اپنا گلاس خالی کیا انہوں نے انٹرکام پر اپنے سیکریٹری شوکت سلطان کو کچھ ہدایات دیں پھر کرسی پر سے کھڑے ہوگئے۔

وہ ان کے ساتھ کہکشاں کلفٹن پر واقع پی ای سی کے برانچ آفس آگئی تھی۔ اگر وہ ایک عام انجینئرنگ گریجویٹ کی حیثیت سے یہاں آتی تو پہلے اس ای طویل مرحلے سے گزرنا پڑتا۔ مگر وہ یہاں عزیر فاروق کے ساتھ آئی تھی۔ مختلف لوگوں سے ان کے نام لے کر سلام دعا کرتے اور خیریت دریافت کرتے انہوں نے ڈپٹی رجسٹرار کے متعلق دریافت کیا تھا۔

"درانی صاحب اندر ہیں نا؟ مصروف تو نہیں؟"

اپنے سوال کا جواب لیتے وہ اسے ساتھ لیے سیدھے ڈپٹی رجسٹرار کے آفس میں آگئے تھے۔ وہاں ان کا بڑا گرم جوش استقبال ہوا تھا۔ پھر چائے پیتے ہوئے ان دونوں کے درمیان پی ای سی ہیڈ آفس اسلام آباد میں پی ای سی کے عن قریب ہونے والے الیکشنز پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ چائے کے بعد درانی صاحب نے اس کی اسناد دیکھیں اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے ہی دیگر تمام فارمیلٹیز بھی ہوگئیں۔ پی ای سی کے ساتھ اس کی رجسٹریشن کے لیے فیس متعلقہ بینک میں اس کے جائے بغیر ہی بھروادی گئی۔ اس کے ہاتھ میں فیس جمع کرانے کی تصدیق کے لیے بینک واؤچر کا ایک حصہ آگیا تو درانی صاحب نے اسے بتایا کہ اندازاً" ایک مہینے کے اندر اندر اسے رجسٹریشن کارڈ و سرٹیفکیٹ مل جائیں گے۔ عزیر فاروق اپنے جس کام سے پی ای سی آئے تھے وہ بھی ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مزید کچھ دیر اور درانی صاحب کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی جس میں وہ بھی شامل ہوگئی تھی۔ وہ اب واپس جاتی بھی تو آفس پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد چھٹی کا ٹائم ہوجاتا تھا چنانچہ عزیر فاروق نے اسے اس کے گھر ڈراپ کردیا تھا۔ اس نے انہیں اندر آنے کے لیے بہت کہا مگر وہ پھر کبھی آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہلگرامی صاحب کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے ایک ینگ، فریش اور تجربہ کار انجینئر سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس نے نیویارک میں اپنی فرم میں جو چند ماہ جاب کی تھی وہاں بھی اسے فریش اور ناتجربہ کار سمجھ کر دفتر کے اندر بیٹھ کر کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ڈرائنگز بنائے ڈرافٹس مین کی نگرانی کرے یا کبھی کوئی چھوٹی موٹی چیز اسے ڈیزائن کرنے کو دے دی جائے تو سائٹ پر جائے بغیر اسے دفتر کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی کیلکولیٹر اور پین ہاتھ میں لے کر یونیورسٹی میں آر سی سی اور اسٹیل اسٹرکچر میں پڑھے مختلف فارمولے لگا لگا کر اسے ڈیزائن کردے۔ کاغذ اور قلم کے ذریعے یہ حساب کتاب نکالتے کہ کولمز میں اتنا سریا ڈلے گا اور بیم میں اتنا اسے لگتا جیسے وہ سول انجینئر نہیں بلکہ ریاضی داں ہے۔ اور ریاضی کا کوئی سوال حل کررہی ہے۔

وہ اندر سے ایک مکمل انجینئر تھی اور ایک مکمل انجینئر سائٹ پر جائے بغیر، دھول مٹی کھائے بغیر سریے کو کاغذ پر نہیں اصل میں لگتا دیکھے بغیر کالمز کو اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتا دیکھے بغیر بنیادوں کو کھدتا دیکھے بغیر خود کو مکمل انجینئر تصور نہیں کرسکتا۔ ایسا ہی

سب کچھ اس کے ساتھ یہاں ہو رہا تھا۔ بلگرامی صاحب سخت گیر باس تھے' وہ ان سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔

نیویارک میں اس چیز کو اس نے برداشت کیا تھا مگر یہاں الجھن سی ہو رہی تھی۔ نیویارک میں وہ کسی کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہاں وہ عزیر فاروق کو اپنے کام' اپنی ذہانت اور اپنی پیشہ ورانہ قابلیت سے متاثر کرنا چاہتی تھی۔

اس روز وہ ڈرائنگ سیکشن میں کمپیوٹر کے پاس کھڑی ڈرافٹس مین کو حسین آرکیڈ کی بیسمنٹ کی ڈرائنگز میں کچھ سمجھا رہی تھی جب عزیر فاروق' بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین جو یہاں سینئر موسٹ آرکیٹکٹ تھیں' ایک ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں داخل ہوئے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ جس دن ان کے ساتھ پی ای سی گئی تھی اس کے بعد تو بس آتے جاتے یونہی سامنا ہو جانے پر سلام دعا اور مختصر خیر و عافیت ہی دریافت ہو پائی تھی۔

"کیسی ہیں مس ہنیا؟" انہوں نے اس کے پاس رک کر اس کی خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہوں سر" ان سے ملاقات ہمیشہ اسی انداز میں ہوتی تھی جب وہ اپنے دل کی بات اتنے سارے لوگوں کے بیچ ان سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی سو "ٹھیک ہوں سر" کے علاوہ اور کیا جواب دیتی۔

اسے یہاں جاب کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ پی ای سی میں بطور پروفیشنل انجینئر رجسٹرڈ ہو چکی تھی اس کے پاس رجسٹریشن کارڈ آ چکا تھا۔ کراچی کے بے ہنگم ٹریفک اور راستوں سے کچھ مانوس ہو جانے کے بعد اس نے اپنی ذاتی گاڑی خرید لی تھی اور اب گزشتہ ایک ہفتے سے وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے آفس آ رہی تھی۔ ان دو کاموں کے علاوہ اس کے پاس تیسرا ایسا کوئی قابل فخر کام اور کارنامہ نہیں تھا جسے وہ بتا سکتی کہ اس نے ایک مہینے کے دوران اسے انجام دیا ہے۔

عزیر فاروق اس سے خیر خیریت پوچھتے فوراً" ہی بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین کے ساتھ آگے طالب کی طرف بڑھ گئے تھے۔ طالب زیدی عزیر فاروق اور بلگرامی صاحب سے کئی سال جونیئر مگر بہا سے کافی سینئر اسٹرکچرل انجینئر تھا۔ کافی Competent اور Dedicated طالب ان تینوں کو کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ دکھا رہا تھا۔ کسی High Rise بلڈنگ کے کولز کی سیکشن ڈرائنگ دیکھتے وہ چاروں کولز کی لمبائی اور چوڑائی پر آپس میں بحث کرنے میں مصروف تھے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ ڈرافٹس مین کو ڈرائنگ میں پیش آنے والے مسئلے کے متعلق سمجھانے لگی۔ اس کے سامنے ہی وہ تینوں وہاں سے نکل کر چلے بھی گئے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد ڈرائنگ سیکشن سے نکل کر اپنے کیبن میں آکر بیٹھی تھی اور ابھی اس نے ان ڈرائنگز کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا جو بلگرامی صاحب نے اسے چیک کرنے کے لیے کہا تھا کہ اسے انٹرکام پر اطلاع ملی عزیر فاروق صاحب اسے یاد کر رہے تھے۔

"جی سر؟" وہ دروازہ کھول کر ان کے آفس میں داخل ہوئی۔

"آیئے مس ہنیا!" وہ کمپیوٹر پر کچھ کر رہے تھے انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"میں نے سنا ہے آپ اپنی جاب سے خوش نہیں" انہوں نے چھوٹتے ہی کہا۔

"سر! آپ نے کس سے سنا؟" اس نے ہکا بکا انہیں دیکھا۔

آخر یہ مخبر کون پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس کے دل کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا۔ اس نے اس طرح کی بات تو کسی کولیگ سے نہیں کی تھی' جاب سے مطمئن نہ ہونے کی بات تو اس کے اپنے دل کی بات تھی' کسی سے اس کا اظہار تو اس نے ہرگز نہ کیا تھا۔

"کسی نے بھی کہا' بات سچ ہے کہ نہیں؟" وہ اسے الجھن میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"سر! بات اس حد تک سچ ضرور ہے کہ یہاں جو کام

ل میں کر رہی ہوں وہ تو ایک ڈرافٹس مین بھی
کتا ہے۔ میں ایک کوالیفائیڈ انجینئر ہوں۔ میں
س پر جانا چاہتی ہوں۔ میں کسی پروجیکٹ کا مکمل
ر حصہ بننا چاہتی ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ
تھوڑی بہت ڈیزائننگ کرلینا' ڈرائنگز بنالینا'
نگز چیک کرلینا its not my idea of civil engineeri میں
ٹس پر جانا چاہتی ہوں' میں کسی پروجیکٹ کی
نگ کے ابتدائی مرحلے سے لے کر اس کی
Construction کے آخری مرحلے تک اس
شامل رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے ڈیزائنز کو اپنی
کھوں کے سامنے بنتا دیکھنا چاہتی ہوں' میں
کیٹکٹ' بلڈر' Contractor سب کے
ے Interact کرنا چاہتی ہوں۔"

انہیں اس کے اندر کی بات کیسے پتا چلی اس پر مزید
ر یا ان کی بات کی تردید کیے بغیر اس نے اسی صاف
ی اور اعتماد سے انہیں جواب دیا۔

"آپ نے یہ بات مجھ سے آکر کبھی کیوں نہیں؟"

"سر! مجھے لگا کہ کہیں بلگرامی صاحب میری بات
را نہ مان جائیں۔ آفٹر آل وہ میرے باس ہیں۔"

بغیر کسی لگی لپٹی رکھے صاف صاف بات کرنے والی'
ا پر اعتماد لڑکی ہے مجھے اس بزدلی کی توقع نہیں تھی۔
نے یہ سوچ کر بھی کچھ زیادہ پوچھا بھی نہیں کہ یقیناً
پ اپنی جاب سے مطمئن ہیں ورنہ سیدھی میرے
س آئی ہوتیں۔"

"سر! آپ نے میرے بارے میں زیادہ برا امپریشن
لے لیا ہے۔ میں اتنی منہ پھٹ بھی نہیں ہوں۔"

اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تو وہ
بے اختیار کھل کر ہنسے۔ وہ مسکراتے ہوئے محظوظ
ہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! آپ کو کیا ٹیلی پیتھی آتی ہے؟" ظاہر ہے
ہوں نے ابھی ڈرائنگ سیکشن میں اس کے کسی انداز
ے اس کی کوفت و بے زاری کو نوٹس کیا تھا۔

وہ مسکراتے رہے بولے کچھ نہیں۔

"تو بات کچھ یوں ہے مس ہنیا سجاد! اگر وہ ٹیلنٹڈ اور Competent انجینئر جسے میں اپنے کسی Competitor کے حوالے کر دیتا تو نقصان میرا تھا' وہ اگر میرے پاس اپنی جاب سے مطمئن نہیں تو بھی تو نقصان میرا ہی ہے۔ اگر میرے پاس سے غیر مطمئن ہوتی وہ میرے کسی Competitor کے پاس چلی گئی پھر۔؟"

"سر!" اس نے جز بز ہوتے احتجاجی انداز میں کہا تھا۔ وہ اسے اس کی پہلے دن کی اپنے منہ میاں مٹھو والی باتیں یاد دلانا بھولتے نہیں تھے۔

"مجھے کورنگی ایک فیکٹری کی سائٹ پر جانا ہے' آپ میرے ساتھ وہاں چل رہی ہیں۔ اپنا جو کچھ بھی سامان آپ نے لینا ہے' وہ لے کر پانچ منٹ میں باہر پہنچیں' میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا اور پھر فوراً" ہی اپنے بجتے ہوئے ٹیلی فون کی سمت متوجہ ہو گئے۔ وہ اپنی خوشی بمشکل چھپاتی جلدی سے وہاں سے اٹھی۔ اپنے کیبن میں آکر اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر آف کیا' اپنی درازیں لاک کیں' ہینڈ بیگ' موبائل اٹھایا اور تیز قدموں سے فوراً" باہر نکل آئی۔ وہ پانچ کیا چار منٹوں میں باہر آگئی تھی۔ وہ ان کے برابر گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے اس فیکٹری کی ورکنگ ڈرائنگز اس کے حوالے کیں جس کی سائٹ پر اس وقت وہ لوگ جا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ راستے میں اس پروجیکٹ سے آگاہی حاصل کرلے۔ وہ خود ڈرائیونگ کے دوران اسے فیکٹری کے اسٹرکچرل ڈیزائن کے متعلق کافی کچھ بتاتے رہے تھے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں وہ فیکٹری کافی بڑے رقبے پر بنائی جا رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو فیکٹری کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ سائٹ انجینئر عزیر فاروق کی گاڑی کو دیکھتے ہی مستعد سا فوراً" ان کی طرف آیا تھا۔

"السلام علیکم سر!" سے شروع کرتے ہوئے اس نے جلدی جلدی انہیں کام کی رفتار و معیار سے متعلق زبانی رپورٹ دینا شروع کردی تھی۔

سائٹ انجینئر کے ساتھ چلتے وہ دونوں اندر آگئے تھے۔ وہاں ہر طرف دھول تھی، مٹی تھی، سیمنٹ، بجری، کرش، لکڑی، سریا ہر جگہ یہی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ مزدور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جبکہ عزیر فاروق کو دیکھ کر ٹھیکے دار بھی وہیں آگیا تھا۔ ان لوگوں کو ہنیا سے متعارف کرواتے عزیر فاروق آگے بڑھے۔ فرسٹ فلور پر سریا پوری طرح بچھ چکا تھا۔ فرسٹ فلور تک جانے کے لیے ابھی سیڑھی نہیں بنی تھی۔ ان لوگوں نے لکڑی کا ایک مضبوط سا تختہ ٹیڑھا کر کے زمین سے لے کر فرسٹ فلور تک لگایا ہوا تھا اور اس کے ذریعے باتیں کرتے کرتے وہ سب بڑے اطمینان سے اوپر چڑھنے لگے تھے۔ ورکنگ ڈرائنگز ہاتھوں میں سنبھالے وہ بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھ آئی تھی۔

"Beams کا سٹیل چیک کیجیے۔"

عزیر فاروق نے اس سے کہا اور پھر دوبارہ سائٹ انجینئر اور ٹھیکیدار کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ وہاں پوری طرح ہر طرف سریا بچھا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتی ورکنگ ڈرائنگز ہاتھ میں لیے ڈرائنگ میں موجود Beams کے سریے کا اصل Beams کے سریے کے ساتھ موازنہ کر رہی تھی، یوں آہستہ آہستہ احتیاط سے چلنا، خود کو کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے بچانا، کہیں سریا یا کوئی اور چیز چبھ نہ جائے اس بات کا دھیان رکھنا اور ساتھ ساتھ ڈرائنگ ہاتھ میں لیے کام کے معیار کا جائزہ لینا، یہ سب کچھ بہت نیا اور بہت مختلف تجربہ تھا۔

اسے اس کا کام سونپ کر عزیر فاروق سائٹ انجینئر کے ساتھ مصروف تھے۔ جو انہیں کنسٹرکشن کے دوران پیش آنے والی مختلف مشکلات اور پریشانیوں سے آگاہ کر رہا تھا اور وہ انہیں حل بھی کرتے جا رہے تھے۔ اس شعبہ میں خواتین چونکہ ابھی بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہیں اس لیے اپنے اپنے کاموں میں مصروف مختلف مزدور گاہے گاہے نظریں اٹھا کر اسے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس نے قریب جا کر ان میں سے ایک دو سے بات کی تو اسے ان کی معلومات اور علم پر خوشگوار حیرت ہوئی۔

وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، ان میں سے چند تو گنتی تک نہیں جانتے تھے مگر کس (کولم) میں کتنا سریا ڈالا جانا چاہیے اور کس طرح کی عمارتوں کے لیے کس طرح کے (کولمز) اور beams موزوں رہتے ہیں فرفر بتا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ان سب کا رویہ بہت احترام والا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو اسے وہاں اتنا سنبھل سنبھل کر چلتے دیکھ کر ایسی جگہوں پر کس طرح چلا جاتا ہے اس کی ٹیکنیک تک بتائی تھی۔

"چلیے مس ہنیا!" اسے کہتے ہوئے عزیر فاروق تیز قدموں سے اس سیڑھی نما لکڑی کے تختے پر سے بڑے آرام اور اطمینان سے نیچے اتر گئے تھے۔ وہ کونے تک تو آکر کھڑی ہو گئی تھی مگر اس تختے پر سے اترتے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ چوٹ لگنے کا خوف نہیں تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کے سامنے اگر وہ گر پڑی تو کس قدر شرمندگی ہوگی۔ عزیر فاروق آج یوں اسے اچانک اپنے ساتھ سائٹ پر لے آئیں گے۔ ایسی کوئی بات اس کے ذہن میں دور دور تک نہ تھی ورنہ وہ ہیل والے سینڈلز کے بجائے جوگرز پہن کر آتی۔

لکڑی کے تختے پر سے اترتے اونچی ہیل والے سینڈلز میں مقید اس کے پیر ذرا بھی ادھر سے ادھر ہوتے اور وہ سیدھی نیچے۔ اس تختے اور اس ڈھلان کو دیکھ کر اسے خوف آرہا تھا۔ عزیر فاروق نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے ہچکچاہٹ کا شکار دیکھا تو جیسے از خود ہی اس کا مسئلہ سمجھ گئے۔ وہ جس تیزی سے نیچے اترے تھے، اسی سے واپس اوپر چڑھے اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بغیر ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے اس نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو فوراً تھام لیا۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"آپ گاڑی میں جا کر بیٹھیے میں آرہا ہوں۔"

اپنی گاڑی کی چابی اسے دیتے انہوں نے کہا اور خود دوبارہ سائٹ انجینئر سے کوئی بات کرنے چلے گئے۔

وہ چند ہی منٹوں بعد گاڑی میں آکر بیٹھے تو اس کا

اب وہ اس کی کچھ دیر پہلے کی بزدلی کا ضرور مذاق اڑائیں گے۔ سائٹ پر جانا ہے اور عملی انجینئر بننا ہے ... ولا کرنے کے بعد عملی طور پر اتنی کم ہمتی۔ مگر امید کے برخلاف انہوں نے اس بات کا تو ... سے کوئی ذکر کیا ہی نہیں بلکہ وہ اسے اس ... شن سے متعلق دیگر باتیں بتانے لگے۔ اب وہ ... ایریا سے نکل آئے تھے۔

... مجھے اب بلڈنگ کنٹرول ایک میٹنگ میں جانا ... آپ بھی میرے ساتھ چلیے۔" وہ جیسے آج اس ... شکایتیں دور کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت دوپہر کا ... بج رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی تو لنچ کر رہی ہوتی۔

... لنچ کا ٹائم ہو رہا ہے آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔" ... کرتے کرتے انہوں نے اس کی سمت دیکھا۔

"نہیں سر! کچھ خاص نہیں۔" اس نے انہیں ... ن دلایا مگر کچھ ہی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد انہوں ... گاڑی میک ڈونلڈز کے سامنے روک دی۔

"... آپ کون سا برگر لیں گی؟"

"سر! آپ پلیز۔ تکلف۔"

... نے کہنا چاہا اور انہوں نے اس کی بات درمیان ہی کاٹ دی۔ "یہ ہنیا سجاد نے اتنے پُرتکلف جملے ... کب سے شروع کر دیے ہیں؟ ایک مہینہ پہلے ... مس ہنیا سجاد سے ملا تھا، وہ بلا تکلف اور بے جھجک ... کرتی تھی۔ آپ کی جس کوالٹی کی وجہ سے میں نے ... کو اپائنٹ کیا تھا خدا کے لیے اپنی اس بے ساختگی کو ... چھوڑیے۔ آپ بے جھجک اور بے تکلف بات ... ہی اچھی لگتی ہیں۔"

... اب تو اسے اپنی پسند بتانا ہی تھی۔ وہ گاڑی سے ... چلے گئے تھے۔ کچھ ہی منٹوں بعد وہ واپس گاڑی ... آکر بیٹھے اور اس کا پارسل اس کے حوالے کر دیا۔

"اور سر آپ؟" وہ اپنے لیے کچھ بھی نہیں لائے ...

"... میری عمر نہیں ہے فاسٹ فوڈز کھانے کی۔ یوں ... میں باہر کا کھانا بہت ہی کم کھاتا ہوں۔ دل کا مریض ... میرے لیے گھر سے کھانا آتا ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔ جب تک وہ تمام چیزیں کھا پی کر فارغ ہوئی، تب تک وہ سوک سینٹر، بلڈنگ کنٹرول کے آفس پہنچ گئے۔ راستے میں بھی وہ اسے یہ بتاتے ہوئے آئے تھے کہ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے چند (ہائی آفیشلز) کے ساتھ ان کی اور ان کے ایک بلڈرز جن کے لیے انہوں نے ایک کئی منزلہ رہائشی عمارت ڈیزائن کی تھی، یہ میٹنگ اس NOC کے بارے میں تھی، جو بلڈنگ کنٹرول والے جاری کریں تو ان کے فلیٹوں کی بکنگ کا کام شروع ہو۔

وہ بلڈرز جن کے لیے انہوں نے وہ بلڈنگ ڈیزائن کی تھی وہاں پہلے سے موجود تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا نام عامر اعوان تھا۔ عمر میں کم و بیش عزیر فاروق جیسے ہی تھے۔ ان کی قیمتی گاڑی اور شاندار لباس ان کی امارات کا واضح اظہار تھے۔

ابتدائی تعارف کے دوران ہی اسے وہ صاحب پسند نہیں آئے تھے۔ اسے ان کی نظریں اچھی نہیں لگی تھیں۔ بظاہر بڑے رکھ رکھاؤ، بڑے مہذب مگر نظریں ایسی جیسے آپ کو آر پار دیکھ رہے ہوں۔ مردوں کی یہ قسم صرف یہاں نہیں، اس نے امریکہ میں بھی بہت دیکھ رکھی تھی بلکہ شاید رنگ، نسل اور قومیت کے جھگڑے سے آزاد یہ قسم ہر ملک اور ہر معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جن کے لیے اس کی دوست کیتھی کہا کرتی تھی کہ ان کی نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جیسے اپنے سامنے آنے والی ہر عورت اور ہر لڑکی کو گویا نظروں سے پوسٹ مارٹم کر رہے ہوں۔

میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ واپس آفس پہنچے تو چار بج رہے تھے۔

"سر! آپ لنچ کر لیجیے۔" وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ کر ڈرائنگ سیکشن میں جانے لگے تب وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"لنچ؟" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے کوئی بھولی ہوئی بات اس نے یاد دلا دی تھی۔

"ہاں لنچ ابھی کر لیتے ہیں۔ پہلے ذرا مجھے طالب سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔ کل بلڈنگ چائلڈ

کیئر اسپتال کی سبمیشن ڈرائنگز جانی ہیں۔" وہ اسے جواب دیتے ڈرائنگ سیکشن میں چلے گئے۔

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب عزیر فاروق کے سیکریٹری شوکت سلطان نے اسے انٹر کام پر اطلاع دی کہ "سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ ان کے آفس میں آئی تو حسبِ معمول پہلے شوکت سلطان ہی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کمپیوٹر پر کھٹاکھٹ کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔

"سر اندر ہیں۔ آپ چلی جائیے۔"

اسے اپنے پاس رکتا دیکھ کر شوکت سلطان بولے۔

"سر نے لنچ کر لیا؟" وہ یہی پوچھنے رکی تھی' سو فوراً ہی پوچھ لیا۔

شوکت سلطان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔"

"ابھی تک نہیں کیا۔"

اس نے اپنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھتے حیرت سے کہا۔

"آپ کس قسم کے سیکریٹری ہیں؟ آپ کے باس نے شام ساڑھے پانچ بجے تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں' انہیں شاید اپنی میڈیسنز بھی لینی ہوں گی۔ اور اگر کوئی میڈیسن نہ بھی لینی ہو تب بھی ہارٹ پیشنٹ کے لیے بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل کام کرنا کیا مناسب ہے؟"

شوکت سلطان کی حیران نظروں کو نظر انداز کر کے اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتی وہ عزیر فاروق کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"آیئے مس ہنیا!" وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہاں عزیر فاروق کے ساتھ بلگرامی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی رکھی تھی اور وہ اس کی آمد سے قبل شاید اسی پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

"بیٹھیے۔" وہ بلگرامی صاحب کی برابر والی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

"بھئی بلگرامی صاحب! آپ کی ٹیم کی اس ممبر کو میں لیاقت علی میڈیکل کالج کے پروجیکٹ میں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ میں طالب کے ساتھ مس ہنیا مجھے اسسٹ کریں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔"

وہ اس طرح بولے جیسے وہ بلگرامی صاحب کے لیے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ تھی۔ جبکہ انہوں نے تو ابھی تک اسے ایک فارن کوالیفائیڈ فریش انجینئر تک گریجویٹ سے بڑھ کر کچھ تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے جس طرح لاتعلقی سے سر ہلا کر اسے اپنے انڈر قبول کیا تھا اسی طرح اس نئی تجویز کو بھی قبول کر لیا۔

وہ اب ان کے ساتھ کام کرے گی اسے یہ سوچ کر ہی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

بلگرامی صاحب اور ان کی گفتگو کے بیچ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس میڈیکل کالج کی soil report پر بات کر رہے تھے۔ مزید چند منٹ گفتگو کر کے بلگرامی صاحب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

اسے بھی جس بات کے لیے بلایا گیا تھا وہ ہو چکی تھی لہٰذا اسے بھی اب اٹھ جانا چاہیے تھا مگر وہ بلگرامی صاحب کے جانے کے باوجود وہیں بیٹھی رہی۔

"جی مس ہنیا! کہیے آپ کا آج کا دن کیسا رہا؟ سائٹ پر اور میٹنگ میں کچھ نیا سیکھنے کو ملا؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"سر! آج کا دن بہت اچھا رہا۔ میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور تھینکس سر! مجھے اس نئے پروجیکٹ میں شامل کرنے کے لیے۔ میں آپ کے ساتھ کام کر سکوں گی میں ابھی سے ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔"

"زیادہ ایکسائیٹڈ مت ہوں۔ میں کام کے معاملے میں بلگرامی صاحب سے زیادہ سخت گیر باس ہوں۔ طالب سے پوچھیں (اسٹرکچرل ڈیزائننگ اور سبمشن کے دوران اس بے چارے نے مجھ سے کتنی ڈانٹیں کھائی ہیں۔" انہوں نے جیسے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"سر! آپ اگر کسی کو ڈانٹتے ہوں گے تو بغیر وجہ کے

نہیں ڈانٹتے ہوں گے' اگر کبھی مجھے ڈانٹ پڑی تو یقیناً" میں نے بھی کوئی unforgivable blunder کیا ہو گا۔" وہ بے اختیار مسکرائے۔

"میرے متعلق اتنی اچھی اچھی آرا قائم کرلی گئی ہیں یعنی یہ کہ اگر کبھی ہنیا سجاد نے پاکستان سے مایوس ہو کر واپس امریکہ چلے جانے کا فیصلہ کرلیا تو اس مایوسی کا سبب کم از کم میں تو ہر گز نہیں ہوں گا۔"

"سر! آپ بہت اچھے ہیں۔ اپنے سب ایمپلائز کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنی جابز سے خوش اور مطمئن رہیں اس چیز کا دھیان رکھتے ہیں' جیسا کہ آپ نے میرے معاملے میں کیا۔ لیکن سر! آپ کو صرف اپنے ایمپلائز اور فرم کا نہیں اپنا بھی تو دھیان رکھنا چاہیے۔"

وہ اپنے مخصوص صاف گو انداز میں بولی۔ انہوں نے نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر! ساڑھے پانچ بج چکے ہیں۔ آفس ٹائم ختم ہونے والا ہے اور آپ نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔"

انہوں نے بے اختیار سر پر یوں ہاتھ مارا جیسے کوئی بہت بھولی بسری بات اچانک کسی نے یاد دلا دی ہو۔ وہ ان کی اور ہلکو ائی صاحب کی گفتگو کے دوران یہ بات سن چکی تھی کہ سات بجے ان کی بیپ کسی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی یعنی وہ ابھی مزید کافی دیر آفس ہی میں تھے۔

"سر! ابھی آپ کے کلائنٹ کے آنے میں ٹائم ہے آپ اتنی دیر میں کھانا کھا لیجیے۔" ان کے چہرے پر ایک حیرت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آپ اپنے تمام باسز کی اتنی ہی فکر کرتی ہیں یا میں کچھ اسپیشل ہوں؟"

"ہر وہ شخص جو مجھے اچھا لگے۔ میرے لیے بہت اسپیشل ہوتا ہے' چاہے وہ میرا باس ہو یا نہیں۔"

وہ بے دھڑک بولی۔

"جب ایک اتنی پیاری سی لڑکی جو میری اتنی تعریفیں بھی کر رہی ہے مجھ سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہے تو میرے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں بس شرط یہ ہے کہ اسے کھانے میں میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

اس سے بولتے ہوئے انہوں نے ریسیور اٹھایا' انٹر کام پر شوکت سلطان سے اپنے لیے کھانا بھجوانے کو کہا۔

"تو آپ کو پاکستان کیسا لگ رہا ہے' دو مہینے سے اوپر ہو گئے ناں آپ کو یہاں آئے۔"

"پاکستان اچھا ہے سر! ابھی تو کافی کچھ نیا اور نامانوس لگتا ہے۔"

وہ اسی موضوع پر بات کر رہی تھی جب پیون کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے کھانا صوفے کے سامنے رکھی میز پر لگا دیا تھا۔

"آیئے مس ہنیا!" ہاتھ دھونے کے لیے واش روم کی طرف جاتے انہوں نے اسے میز پر آنے کی دعوت دی۔ میز پر چکن پلاؤ' مکسڈ سبزیاں' چپاتیاں اور سلاد موجود تھی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ وہ دوپہر کو لنچ کر چکی تھی مگر ان کے ساتھ دینے کے خیال سے وہ اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی مکس سبزیاں اور چاول ڈال رہی تھی۔ وہ اپنی پلیٹ میں سلاد ڈال رہے تھے۔ اس کے چاول ڈالنے کے انداز پر وہ ہاتھ روک کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ چکن کی بوٹیاں ہٹا ہٹا کر صرف چاول اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

"ویجی ٹیرین ہیں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ انہوں نے صرف سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالی تھی اور وہ ابھی صرف سلاد کھا رہے تھے۔

"میں کھانے میں سلاد زیادہ کھاتا ہوں اور باقی چیزیں کم۔"

"مجھے پتہ ہے سر!" بے خیالی میں بغیر سوچے سمجھے اس کے منہ سے نکلا۔ بولنے کے ساتھ ہی اسے اپنی

غلطی کا احساس ہوا۔ چمچہ منہ کی طرف لے جاتا ان کا ہاتھ اس بات پر اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ انہوں نے بے تحاشا حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے سر! آپ باہر کا کھانا نہیں کھاتے' پرہیز کرتے ہیں' احتیاط کرتے ہیں تو یقیناً" کمپلیٹ اور healthy ڈائٹ لینے کے لیے سلاد اور فروٹس زیادہ لیتے ہوں گے اور کھانا کم کھاتے ہوں گے۔" اس نے جلدی سے اپنی بات کی وضاحت دی تھی۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا کر گویا اس کی بات کی تائید کردی تھی۔

"سر! کھانا بہت مزے کا ہے۔ آپ کی مسز نے بنایا ہے؟" اس نے اپنی پلیٹ میں مزید سبزیاں ڈالتے ہوئے موضوع بدلا۔

"نہیں۔ پہلے میری مسز ہی میرے لیے کھانا بنا کر بھیجا کرتی تھیں مگر اب ان کی صحت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تو ان کی زیر نگرانی اور زیر ہدایات ہمارا کک کھانا تیار کرکے بھیجتا ہے۔"

"میں آپ کو اپنے ساتھ چائے یا کافی پینے کے لیے روکنے کو کہتا لیکن آفس ٹائم کافی دیر ہوئی ختم ہو چکا' آپ کو گھر جانا ہو گا' آپ کے گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

کھانے کے بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔ ابھی وہ دونوں صوفوں ہی پر بیٹھے تھے کہ اسی وقت ان کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی وہ غالباً ان کے کسی کلائنٹ کی کال تھی۔

انہیں خدا حافظ کہہ کر وہ وہاں سے باہر نکلی تو شوکت سلطان نے سر کے لنچ کے لیے بلکان ہوتی اس جمعہ جمعہ آٹھ دن کی اپائنٹ ہوئی نئی انجینئر کو بے حد تعجب اور حیرت سے دیکھا۔ اس نے صرف فکر کا اظہار ہی نہیں کیا تھا' بلکہ خود اندر جا کر انہیں کھانے کا یاد دلا کر ان کے لیے کھانا منگوا بھی لیا تھا اور غالباً" کھانا ان کے ساتھ کھا بھی لیا تھا۔ بغیر کسی ایڈ اور vacancy کے اپائنٹ ہوئی یہ نئی انجینئر جو سر کے بہت زیادہ آگے پیچھے پھرتی نظر آرہی تھی۔ وہ اپنے باس کو بر سا برس سے جانتا تھا' وہ اس طرح کے تو ہی نہیں تھے' مگر یہ امریکہ پلٹ نئی انجینئر' اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے۔

"میڈم! آپ غلط جگہ ٹرائی کر رہی ہیں۔ سر اپنی مسز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ میں ان کا سیکریٹری کو لوہوں کہ روزانہ آفس سے وہ کتنی کتنی مرتبہ اپنی مسز کو فون کرتے اور ان کی فون کالز ریسیو کرتے ہیں۔"

آج کل کی ذرا زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں میں یہ نیا ٹرینڈ چل پڑا تھا' انہیں اپنے سے دگنی عمر کے مردوں میں بے پناہ کشش محسوس ہوتی ہے۔

"خیر مجھے کیا ہے۔" شوکت سلطان نے سر جھٹک کر اپنے آج کے کاموں کو جلدی جلدی وائنڈ اپ کرنا شروع کردیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے' آج ہماری بیٹی بہت خوش لگ رہی ہے؟"

فیاض صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ تینوں اس وقت رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

"جی ماموں! آج میرا آفس میں دن بہت اچھا گزرا۔ میں کل سے اپنے باس کے ساتھ ایک پروجیکٹ میں بھرپور انداز میں شریک بھی ہونے والی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"اللہ تمہیں یونہی ہنستا اور خوش رکھے ہنیا! زندگی میں بہت سی خوشیاں دے۔"

شمسہ بیگم نے بھرپور خلوص اور محبت کے ساتھ اسے دعائیں دیں۔ جب تک امریکہ میں تھی ان کا اس سے سرسری سا ہی رابطہ اور تعلق تھا مگر اب یہاں ان کے پاس آئی تو اپنی پیاری عادات کے سبب بہت جلد ان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی۔ لگتی ہی نہیں تھی کہیں سے اس بے باک مادر پدر آزاد معاشرے کی پروردہ۔ اس میں وہی رکھ رکھاؤ' وہی تہذیب اور ادب و آداب تھے جو مشرقی لڑکیوں کا خاصا ہوا کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کے ساتھ لان میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنے بچوں

کے بغیر ان کا بڑا سا گھر جو ہر وقت ویران اور خاموش سا رہتا تھا' اس کے آجانے سے وہاں کچھ رونق پیدا ہو گئی تھی۔ دن اس کا آفس میں گزر جاتا تھا مگر رات کا یہ وقت وہ اپنے ماموں' ممانی کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرکے گزارا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ باتیں کرکے' وقت گزار کے وہ دونوں بہت اچھا محسوس کرتے تھے' خوش ہوتے تھے مگر فیاض کبھی کبھی اس بات پر دل میں حیران ضرور ہوتے تھے کہ اپنے ان بوڑھے ماموں' ممانی کی کمپنی میں وہ اتنی خوش اور مطمئن کیسے بیٹھی رہتی تھی۔

وہ اس کی عمر کے مطابق' اس کی دلچسپی کے موضوعات پر باتیں نہیں کرسکتے تھے' ان کے گفتگو کے موضوعات کچھ اور ہوتے تھے جو یقیناً" آج کل کے کسی لڑکے یا لڑکی کی دلچسپی کے حامل نہیں ہوسکتے تھے مگر وہ روز رات کو کافی دیر تک ان دونوں کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ان کی تنہائی اور اکیلے پن کا مداوا کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ رات گیارہ بجے تک ان کی یہ محفل جما کرتی تھی۔ گیارہ بجے ضیا سونے کے لیے اٹھ جاتی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو بھی جلدی سونے کی عادت تھی لہٰذا جیسے ہی گیارہ بجتے وہ انہیں شب بخیر کہتی ان کے پاس سے اٹھ جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز وہ عزیر فاروق اور طالب کے ساتھ میڈیکل کالج کی سائٹ پر پہنچ گئی تھی۔ جہاں آج سے باقاعدہ کنسٹرکشن کا آغاز ہونا تھا۔ خاصا بڑا پروجیکٹ تھا۔ میڈیکل کالج کے ساتھ الگ الگ بوائز اور گرلز ہوسٹلز بھی تعمیر ہونا تھے۔

عزیر فاروق تو وہاں آدھ پون گھنٹہ رک کر چلے گئے تھے جبکہ وہ اور طالب وہاں کاموں کی نگرانی کے لیے کافی دیر تک موجود رہے تھے۔ آج اس کے پاؤں میں جوگرز بھی تھے اور سر پہ کیپ بھی۔ وہ ایک سول انجینئر کے پرفیکٹ حلیے میں تھی۔ خوب دھول مٹی کھا کر اور تیز دھوپ میں رنگ جھلسا کر وہ دونوں وہاں سے سہ پہر

کے وقت آفس لوٹے تھے۔ آنے کے بعد وہ طالب کے ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں تھی۔ میڈیکل کالج کی ورکنگ ڈرائنگز میں کچھ پوائنٹس وہ دونوں ڈسکس کررہے تھے۔ سامنے تینوں ڈرائنگ بورڈز پر میڈیکل کالج ہی کی ڈرائنگز لگی ہوئی تھیں۔ شیریں اور جویریہ اپنے اپنے الگ کاموں میں وہاں مصروف تھیں۔ تب ہی ذیشان باہر سے کچھ بولتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا بھائی؟ یہ منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑایا جارہا ہے؟"

طالب نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے اسی سال NED سے پاس آؤٹ کیا تھا۔ اسے یہاں جاب کرتے ابھی سات آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ خاصا شوخ و شریر اور چلبلا سا لڑکا تھا۔ اس کی ہنگامہ پروری دیکھ کر لگتا نہ تھا کہ وہ این ای ڈی سے گولڈ میڈلسٹ ہے۔

"کچھ نہیں' بس یونہی کچھ لوگوں کی کنجوسی بلکہ مہا کنجوسی پر افسوس کررہا ہوں۔ ابھی چھ مہینے پہلے کی بات ہے' ہمیں پہلی سیلری ملی تھی ہم نے سارے کولیگز کو باہر لے جاکر کھانا کھلایا تھا اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پہلی کیا دوسری سیلری وصول کرنے والے ہیں اور کولیگز کو کھانا کھلانا تو دور ایک ایک گلاب جامن تک نہ کھلا سکے۔"

اشارہ چونکہ اس کی جانب تھا اس لیے اس نے فوراً" مڑکر ذیشان کو دیکھا۔ وہ افسوس بھرے انداز میں سر کو دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"مس ضیا! کیا امریکہ میں دوستوں کی دعوت کرنے کا رواج بالکل نہیں ہے؟ ویسے سنا یہی ہے امریکی خاصے روکھے پھیکے لوگ ہوتے ہیں بلکہ بعض تو اس حد تک روکھے اور کنجوس ہوتے ہیں کہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کہیں باہر کھانا کھانے جائیں تو دونوں اپنا اپنا بل خود پے کرتے ہیں۔" وہ چہرے پر ڈھیر ساری معصومیت لیے بولتا ہوا اس کے پاس آگیا۔

"ایسے کنجوس بوائے فرینڈ سے میرا واسطہ نہیں

پڑا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ شیریں اور جویریہ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

"کہاں کھانا کھانے کا موڈ ہے" آج ہی چلیں؟" اس نے کھلے دل سے آفر دی۔

"جہاں آپ کھلا دیں گی ہم کھالیں گے' شریف لوگ ہیں۔"

اسی وقت چھٹی کے بعد پزا ہٹ جانے کا پروگرام طے ہو گیا تھا۔

شام سات بجے وہ سب پزا ہٹ پہنچے تھے۔ ابھی چونکہ ڈنر ٹائم نہیں ہوا تھا اس لیے رش نہیں تھا۔ اپنے اپنے من پسند پزا اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر کرنے کے بعد اب وہ سب آپس میں باتیں کررہے تھے۔ فراز کا کل آفس سے گھر واپس جاتے کسی نے موبائل چھین لیا تھا اور وہ تاحال اپنے قیمتی موبائل کے چھن جانے پر دکھی تھا۔

"بھائی میرے' اتنا افسوس مت کرو۔ جس کی امانت تھی اس نے آکر لے لی۔" ذیشان نے اس کے مسلسل لٹکے منہ کو دیکھ کر اسے تسلی دی۔

"امانت؟" اس نے ذیشان کی جانب دیکھا۔

"جی' امانت۔ کراچی میں آپ موبائل لے کر گھوم رہے ہیں اس کا مطلب یہ کہ ڈاکوؤں کی امانت لیے گھوم رہے ہیں۔ وہ جب چاہیں آکر آپ سے اپنی امانت لے جاسکتے ہیں۔"

وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا' سب اس کی بات پر ہنس دیے تھے۔

"یہ تو شکر ہے اس کے پاس اچھا سیٹ تھا' گر ایسا سیٹ ہوتا تو وہ' چار ہاتھ تو وہ اسے ضرور جما دیتے۔ گھٹیا موبائل لے کر پھرتے ہو شرم نہیں آتی؟"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ذیشان! میری آنٹی نے اپنا سارا زیور لاکر میں رکھوا کر آرٹیفشل جیولری پہننی شروع کردی۔ ایک دن وہ انکل کے ساتھ کہیں جارہی تھیں ان کی گاڑی کو بائیک پر آتے دو لڑکوں نے روکا۔ ان سے چوڑیاں اترواتے انہیں جیسے ہی یہ اندازہ ہوا

کہ یہ اصلی سونا نہیں انہوں نے انکل کو اس قدر ذلیل کیا کہ بس۔"

پھر وہ سب اپنے اپنے ساتھ پیش آئے مختلف واقعات ڈسکس کررہے تھے۔ اس کے چہرے پر حیرت بھی تھی اور تاسف بھی۔ اس شہر میں رہنے والے' پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر میں رہنے والے کس قدر غیر محفوظ تھے۔ لگتا تھا کسی کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی حکومت نہیں' کوئی پولیس' کوئی قانون نہیں۔

"ضیا کے سامنے یہ باتیں مت کرو۔ وہ ڈر کر امریکہ واپس چلی جائے گی۔" طالب نے اس کی شکل دیکھ کر ان لوگوں کو ٹوکا۔

"وہ ویسے بھی واپس چلی جائے گی۔ امریکہ سے آیا کوئی بندہ یہاں رہ سکتا ہے؟ بجلی نہیں' پانی نہیں' لاقانونیت' بدامنی' ایسی جگہ کون شریف آدمی رہ سکتا ہے۔" فراز نے تلخی سے کہا۔

"ہاں اسی لیے تو میں نے ٹریٹ لینے میں جلدی کی۔ میں نے سوچا اچانک کسی دن ہم سنیں گے کہ ضیا واپس نیویارک جارہی ہیں۔ وہ بھی ہمیں ٹریٹ دیے بغیر۔"

"بے فکر رہیے ذیشان علی! ضیا سجاد کراچی سے واپس نیویارک نہیں جانے والی۔ یہاں لاء اینڈ آرڈر کی پچویشن ٹھیک نہیں' لاقانونیت ہے' بدنظمی ہے' لوڈشیڈنگ ہے' پولیوشن ہے' گرمی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں نیویارک واپس نہیں جارہی۔ کیونکہ یہاں رشتے ہیں' یہاں محبت ہے۔"

اس نے چھری اور کانٹے سے پزا کا ایک پیس کاٹ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ ہے آپ کا۔ مجھے تو آج امریکہ کا ویزا ملے میں مڑکر کبھی یہاں دیکھوں گا بھی نہیں۔" فراز جواباً" بولا تھا۔ اس کا انتہائی شوق سے خریدا بہت قیمتی موبائل تازہ تازہ چھنا تھا اس لیے وہ زیادہ تلخ ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد سب لڑکیاں آئس کریم کھانا چاہ رہی تھیں۔

"آپ لوگ آئس کریم کھائیے ہم لڑکے کافی پئیں گے۔" ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے طالب ان لوگوں سے بولا۔

"ہم لڑکے؟" ذیشان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ طالب بے چارہ ان لوگوں سے سات آٹھ سال بڑا تھا اور وہ جب بھی خود کو لڑکوں میں شمار کرنے کی کوشش کرتا ذیشان یونہی اس کی ٹانگ کھینچا کرتا تھا۔

"لڑکیوں کے لیے آئس کریم اور ہم لڑکوں اور ہمارے انکل کے لیے کافی۔"

اس کی بات پر قہقہہ پڑا تھا اور طالب اور ذیشان کے درمیان نوک جھوک بھی شروع ہوگئی تھی۔

اپنے کولیگز کو ٹریٹ دے کر وہ گھر لوٹی تو دس بجنے والے تھے وہ آکر شمسہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگی تھیں۔ فیاض صاحب اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بج چکے تھے وہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی۔ جبکہ شمسہ ابھی مزید باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں۔ وہ مروتاً بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی یہ بے چین سی کیفیت شمسہ بیگم کی نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہی تھی۔

سواسے سونے کے لیے کہتے ہوئے خود بھی اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ طالب کے ساتھ مل کر پوری تندہی سے میڈیکل کالج والے پروجیکٹ میں عزیر فاروق کی معاونت کررہی تھی۔ چھوٹے موٹے مسئلے مسائل یہ دونوں مل کر خود ہی حل کرلیتے' ہاں کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تو عزیر فاروق سے رجوع کرتے۔ اس روز بھی سائٹ سے سائٹ انجینئر کا فون آیا تھا۔ وہ فاؤنڈیشن ہی کے حوالے سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا۔ اس نے اپنی معلومات اور انتہائی مختصر سے تجربے کی روشنی میں اسے کچھ مشورے دے دیے تھے مگر وہ عزیر فاروق سے بھی اس بابت پوچھ لینا چاہتی تھی۔

"سر اندر ہیں؟" اس نے شوکت سلطان سے پوچھا۔ جب سے وہ اس پروجیکٹ کے ساتھ منسلک ہوئی تھی اس کے دن میں کئی چکر لگتے تھے ان کے آفس میں۔

"جی ہیں۔ ان کی مسز آئی ہوئی ہیں۔"

"میں چلی جاؤں؟" شوکت سلطان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ لڑکی آج کل سر کی اتنی منظورِ نظر بنی ہوئی تھی' وہ اسے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ اندر نہ جائے۔

"سر! میں آجاؤں؟" اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر ان سے پوچھا۔

"مس ہنیا؟ آئیے آئیے۔ بالکل آئیے۔"

خوشگوار سے انداز میں مسکراتے انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ اندر آئی تو ان کے سامنے والی کرسی پر ایک انتہائی خوبصورت سی خاتون بیٹھی نظر آئیں۔ انہوں نے آسمانی رنگ کا کاٹن کا کڑھا ہوا سوٹ پہن رکھا تھا' بال جو یقیناً بہت لمبے اور سلکی تھے۔ ان کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے کسی بھی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا' ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک تک نہ تھی' سوائے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹاپس کے انہوں نے کسی بھی طرح کا مزید کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ مگر بغیر میک اپ اور کسی بھی خاص طرح کی تیاری کے وہ بے پناہ حسین تھیں۔ اپنے میاں کے ساتھ انہوں نے بھی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاجرہ! یہ مس ہنیا سجاد ہیں۔ امریکہ سے آئی ہیں۔ ماشاءاللہ بہت لائق اور قابل انجینئر ہیں۔ اور مس ہنیا! یہ میری مسز ہاجرہ عزیر۔"

وہ کس کام سے آئی تھی' یکسر بھول گئی تھی۔ وہ یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتی ان کے قریب آگئی۔ اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اخلاقاً اٹھ کھڑی ہوئیں اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ ہاتھ نہیں تھامنا چاہتی تھی' وہ محبت سے ان کے گلے لگ جانا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہ سکی تو انتہائی گرم جوشی سے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

"السلام علیکم۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرے۔
"وعلیکم السلام آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہنیا!"
انہوں نے مس کا اضافہ کیے بغیر اسے صرف ہنیا کہا تھا۔ وہ ابھی بھی ان کے چہرے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اسے ان کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی ٹھہری نظر آرہی تھی۔
"بیٹھیے ہنیا!" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس سے بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔
"سر! آپ بہت لکی ہیں۔ آپ کی مسز بہت خوبصورت ہیں۔"
"اور میں لکی نہیں ہوں؟ میرے میاں اتنے ہینڈسم ہیں۔" اس کے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتی ہاجرہ عزیر مسکرائیں۔ مسکراتے ہوئے ان کے بائیں گال پر ڈمپل پڑا تھا۔ بہت گہرا بہت خوبصورت ڈمپل۔ اس نے بغور اس ڈمپل کو دیکھا۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ دونوں لکی ہیں۔ اتنا شاندار اتنا پرفیکٹ کپل تو بہت ہی کم اور کبھی کبھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ جنہیں دیکھتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔"
عزیر فاروق اس کے جوابی تبصرے سے محظوظ ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔
"اس لڑکی کی یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالتی ہے۔" وہ اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔
اس نے اپنے برابر بیٹھی ہاجرہ عزیر کے چہرے کو پھر بغور دیکھا۔ اس کا ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔
"اور مما۔ ! میں کیا بتاؤں، میری مما کتنی خوبصورت ہیں۔" اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔
"آپ کسی کام سے آئی تھیں مس ہنیا؟" اس نے ذرا چونک کر عزیر فاروق کی طرف دیکھا۔

"نہیں سر! زیادہ امپورٹنٹ کام نہیں ہے۔ ابھی آپ مصروف ہیں میں پھر آجاؤں گی۔"
وہ ایک دم ہی کھڑی ہو گئی۔ اسے خود سے ڈر لگا تھا، کہیں جذباتی ہو کر وہ کوئی احمقانہ حرکت نہ کر گزرے۔
ان سے پہلی بار مل رہی تھی اور انہیں دور دور سے اجنبی بن کر ملنا اور دیکھنا اس کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ ہاجرہ عزیر کو خدا حافظ کہہ کر وہ فوراً ہی عزیر فاروق کے آفس سے نکل آئی تھی۔
"بہت پیاری لڑکی ہے۔ یہ وہی ہے ناں جس کے بارے میں آپ بتا رہے تھے کہ نیویارک سے آئی ہے؟" اس کے چلے جانے کے بعد ہاجرہ عزیر فاروق سے پوچھ رہی تھیں۔
"ہاں وہی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ یقیناً" کسی بہت اچھی فیملی سے ہے۔ اس کے مینرز اور رکھ رکھاؤ اس کے کسی بہت اچھی فیملی سے ہونے کا پتا دے رہے ہیں۔ یہ مجھے انٹرویو دینے جس یقین سے آئی تھی کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی واپس جائے گی۔ مجھے اس کا خود پر وہ یقین اور بھروسہ بہت پیارا لگا تھا۔"
"مجھے دیکھ کتنے پیار سے رہی تھی۔ ایک پل کے لیے تو ایسا لگا جیسے میری اپنی بیٹی مجھے دیکھ رہی ہو۔"
ہاجرہ نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں شوہر سے کہا۔
"آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کو دنیا کی ہر لڑکی اپنی بیٹی نظر آتی ہے۔" انہوں نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو اس کی محبت بھری نگاہوں کے حصار ہی میں محسوس کر رہی تھیں۔ اس لڑکی کی طرف ان کا دل اس طرح کھنچ کیوں رہا تھا۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گلابی رنگ اس پر کتنا جچ رہا تھا۔
وہ بے تحاشا حسین نہیں تھی۔ مگر خوش شکل تھی۔ لمبا قد، متناسب سراپا اور اسٹائلش لکس۔ اس نے بالوں کی نیچے کر کے پونی بنائی ہوئی تھی۔ اس پونی میں اس کے اوپر سے سیدھے اور نیچے سے کرلی بال بہت

[...]شائلش لگ رہے تھے۔ میک اپ اور زیورات سے [...]مکمل طور پر بے نیاز تھی سوائے دائیں ہاتھ میں ایک [...]بریسلٹ کے اس نے کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ اپنی [...]گفتگو اور نشست و برخاست سے عزیر فاروق کی طرح [...] کو بھی وہ کسی بہت اچھی فیملی کی فرد معلوم ہوئی [...]ی۔ انہیں ابھی بھی اس کی وہ نظریں یاد آرہی تھیں [...]ب وہ دروازے کے پاس سے آہستہ آہستہ ان کی [...]ف بڑھی تھی۔ ایک پل کو تو انہیں ایسا لگا تھا جیسے وہ [...] کے گلے لگ جانا چاہتی ہے۔
"امریکہ میں پلی بڑھی لگتی نہیں ہے۔ پوری [...]آستینوں کے ساتھ اتنے مکمل کپڑے تو اب پاکستان [...] بھی لڑکیاں کم کم پہنتی ہیں۔"
[...] اپنے خیالوں سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے شوہر کو [...]طب کیا۔ وہ جوابا" صرف مسکرائے تھے۔ ان کی بیگم [...]ہنیا سجاد بے حد پسند آئی تھی اور وہ جانتے تھے اب [...]ہ ہنیا سجاد میں دنیا جہان کی وہ خوبیاں ڈھونڈ [...]یں گی جو شاید اس بے چاری میں ہوں گی بھی [...]یں۔

☼ ☼ ☼

[...]وہ ڈرائنگ سیکشن میں ہلگرامی صاحب کے پاس [...]ے تھے جو طالب کے ساتھ کھڑے ڈرائنگ بورڈ پر [...] ایک ڈرائنگ پر کچھ تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ہنیا [...] ایک اور ڈرائنگ بورڈ پر موجود تھی۔ وہ اسٹول پر [...] اپنے قریب کھڑے ڈرافٹس مین کو کچھ سمجھا رہی [...]۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً" ہی احتراماً" کھڑی [...]۔
"السلام علیکم سر!"
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"
[...]اس کے سلام کا جواب دیتے وہ دل ہی دل میں ہمیشہ [...]طرح اس کے اس احترام لیے انداز سے بہت متاثر [...]ئے۔ ان کے آفس میں اس طرح کا کوئی ماحول نہیں [...] سینئرز یا باس کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے مگر وہ ان کی [...] ہر بار اسی طرح ہر کام چھوڑ کر فوراً" اٹھ کر کھڑی

ہو جاتی تھی۔
وہ ان کے ساتھ کہیں بھی جاتی، کبھی ان کے بیٹھنے سے پہلے خود نہیں بیٹھتی تھی، ان کے ساتھ کہیں داخل ہو رہی ہوتی یا وہاں سے باہر نکل رہی ہوتی، ہر بار اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے لیے دروازہ وہ کھولے۔ "کچھ چیزیں، تعلیم بھی آپ کو نہیں سکھا سکتی، وہ تو آپ اپنے ماحول اور اپنی تربیت ہی سے سیکھتے ہیں۔ اس کے والدین یقیناً" بہت اچھے اور خاندانی لوگ تھے، انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت اچھی تربیت دی تھی۔ وہ جس گھر بھی جائے گی، یقیناً" وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے۔" اس کے مینرز، اپنی کیٹس اس کی تہذیب اور اس کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر بار ہا ان کے دل میں یہی خیال آتا تھا۔
ہنیا اس وقت ان کے برابر والے ڈرائنگ بورڈ پر تھی اور اپنے کام کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو بھی پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ میں پوائنٹر کی مدد سے ہلگرامی صاحب اور طالب کو کچھ بتا رہے تھے۔ یک دم ہی پوائنٹر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پر گر پڑا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ جھک کر پوائنٹر خود اٹھاتے، ہنیا جلدی سے اسٹول پر سے اٹھی اور فوراً" ہی نیچے گرا پوائنٹر اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ کسی اور نے اس بات کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر انہوں نے تو اس بات کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔
"کاش ایسی ایک لڑکی، کاش ہنیا سجاد جیسی لڑکی ان کی ہوتی۔"
دکھ بھری ایک سرد آہ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

کام کا لوڈ زیادہ ہوتا یا سبمشن ڈرائنگز جانا ہوتیں تو آفس میں چھٹی کے ٹائم کے بعد دیر تک رکنے کا رواج کم تھا۔ مگر کسی پروجیکٹ میں اگر ڈیڈ لائن میٹ کرنا مشکل ہو رہا ہوتا تو سن ڈے کو بھی سب دفتر آجایا کرتے

تھے۔

وہ فلاٸی اوور کے جس پروجیکٹ میں عزیر فاروق کے ماتحت کام کر رہی تھی' اس کی ڈیزائننگ کا کام دیگر دوسرے پروجیکٹس کے پریشر کے سبب کنٹرول میں نہیں آرہا تھا لہٰذا اس نے اور انہوں نے سن ڈے کو آفس آنا طے کیا تھا۔ چھٹی کے دن کچھ دیر تک سو سکیں اس لیے انہوں نے دس بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ دس بجے آفس پہنچی تو اس کے آگے پیچھے ہی آفس کے کچھ دیگر افراد بھی' جنہیں اپنی ڈیڈ لاٸن میٹ کرنی تھیں' آفس پہنچنے لگے۔

چھٹی کا دن تھا' یہ کوئی ریگولر ورکنگ ڈے تو تھا نہیں' نہ ہی کسی کلاٸنٹ نے آج یہاں آنا تھا لہٰذا سب casual لباس میں تھے۔ روزانہ کے برخلاف آج یہاں ڈیزائنو ٹو پیس' تھری پیس سوٹ اور سلک ٹاٸیوں کے برخلاف جینز اور لی شرٹس میں نظر آرہے تھے۔ وہ خواتین جو مغربی لباس پہننا پسند کرتی تھیں وہ بھی لیڈیز ٹو پیس سوٹ کے برخلاف جینز اور شرٹ میں نظر آرہی تھیں۔

ڈرافٹس مین بھی چند ہی آئے ہوئے تھے اور انہوں نے ڈرائنگ سیکشن میں کاموں کے ساتھ ہلکی آواز میں میوزک بھی لگا رکھا تھا۔ بلگرامی صاحب اور طالب بھی اپنے کسی دوسرے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج آئے ہوئے تھے' اسی طرح نجمہ یاسمین اور ارسلان جو آرکیٹکٹ تھا آئے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے آفسز میں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ جس کا جب کام ختم ہو جاتا اسے چلے جانا تھا تاکہ چھٹی کا بچا ہوا باقی دن اپنی فیملی کے ساتھ انجوائے کر سکے۔

عزیر فاروق بھی آج روزانہ سے مختلف لباس میں تھے۔ انہوں نے خاکی رنگ کا کاٹن کارنکل فری ٹراوزر اور کاٹن کی ہاف سلیوز والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ روزانہ سے آج وہ بہت مختلف اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ان سے پہلے ان کے آفس میں آگئی تھی اور انہیں دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ ان کی تعریف کی تھی۔

"سر! آپ آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" جواباً "قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

"آپ اخلاقاً" جواب میں مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن مجھے تو آپ روزانہ جیسی ہی لگ رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزانہ آپ اچھی نہیں لگتیں' مگر آج کچھ چینج لگ نہیں رہا۔ وہی سمپل مگر اسٹاٸلش ہنیا سجاد۔" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"آپ کے لیے یہ کمنٹس میری بیگم نے دیے تھے۔ سمپل مگر اسٹاٸلش۔ ویسے لگتا ہے آپ کو دوسری لڑکیوں کی طرح سجنے سنورنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔"

انہوں نے اسے کبھی بھی میک اپ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی وہ کسی طرح کے زیورات بھی پہنتی تھی۔ لباس بھی اس کا قیمتی بے شک ہوتا مگر ہوتا ہلکے رنگوں مشتمل اور سادہ ہی ہوتا تھا۔ وہ اپنی عمر کی دوسری لڑکیوں سے واقعی بہت مختلف تھی۔

اس گفتگو کے بعد وہ کام کی بات پر آگئے تھے۔ انہیں کام کرتے کرتے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ جب میز پر رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اس وقت بک شیلف کے پاس کھڑے پری اسٹریسڈ کنکریٹ پر ایک کتاب کھولے اس میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ جس طرح وکلاء کا کتابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح انجینئرز کا بھی کتابوں سے کنسلٹ کیے بغیر ڈیزائننگ کا کام ہو نہیں سکتا۔

"فون دیکھیے گا پلیز ہنیا!" وہ چونکہ اس وقت ان کی میز کے پاس ہی کھڑی تھی لہٰذا انہوں نے اس سے کہا۔ اس نے کال ریسیور کی تو دوسری جانب ہاجرہ تھیں۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی انہیں پہچان گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ آنٹی کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔ باس کی مسز کو آنٹی کہنا کچھ مناسب تو نہ تھا۔

"وعلیکم السلام۔ ہنیا بول رہی ہو نا؟" انہوں نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

"جی۔ آپ کیسی ہیں؟"

"الحمدللہ۔ تم سناؤ۔ تمہارے باس بہت بری ... ہیں' تم لوگوں کو سنڈے کو بھی آرام نہیں کرنے ... تے۔"

ان کے پر مزاح سے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس ... ۔ وہ اس سے بے تکلفی سے بات کر رہی تھیں' ... سے تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں' اسے بہت اچھا ... رہا تھا۔ اس نے اپنی کئی کولیگز سے مسز ہاجرہ عزیر ... بہت تعریفیں سن رکھی تھیں۔ وہ سب ان کے ... لق یہی کہتی تھیں کہ وہ ان سے جب بھی ملتی ہیں ... منکساری اور خوش اخلاقی سے ملتی ہیں۔ ایک لمحے ... بھی یہ احساس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ ان کے باس ... بیگم ہیں یعنی یہ خوش اخلاقی بطور خاص اس کے ... نہ تھی شاید یہ ان کی شخصیت کا حصہ تھی مگر وہ پھر ... بہت خوش تھی۔

"مسز کو بلاؤں؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"ہاں بس' وہ میں نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا عزیر لنچ تک گھر آجائیں گے یا میں کھانا آفس ... والوں۔ ابھی تم لوگوں کو کیا مزید دیر لگے گی؟" ... وں نے اس سے پوچھا۔

"جی! ابھی تو کافی کام رہتا ہے لیکن آپ لنچ مت ... ئیں اصل میں لنچ میں بنا کر لائی ہوں۔" اس نے ... جھجکتے ہوئے انہیں بتایا' ساتھ ہی کن ... ں سے عزیر فاروق کی سمت دیکھا۔ ان کی اس کی ... پشت تھی اور وہ کتاب کے صفحے پلٹتے اپنا مطلوبہ ... ڈھونڈنے میں بری طرح مصروف تھے۔ ان کا پیچھے ... پر ہونے والی گفتگو کی طرف ذرا سا بھی دھیان ... تھا۔

"اچھا؟ کیا بنا کر لے آئیں؟" ہاجرہ نے دلچسپی سے ... ۔

"پاستا اور مشروم سلاد ہے' سر کھالیں گے نا؟" ... نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"بالکل کھالیں گے۔ پاستا تو انہیں بہت پسند ..."

اس نے کل شام ہی سے جب آج آنا طے ہو گیا تھا تب ہی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اسے ان کے اور اپنے لنچ کے لیے گھر سے کچھ بنا کر لے جانا چاہیے۔ کیا بنانا چاہیے' اس نے رات ہی کو فیصلہ کر لیا تھا اور صبح صبح اٹھ کر اس نے دونوں چیزیں بنا بھی ڈالیں تھیں۔

"تم لوگ بزی ہو! زیادہ لمبی بات نہیں کرنی چاہیے۔ جاؤ تم کام کرو۔ اللہ حافظ۔"

انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

"سر! آپ کی مسز کا فون تھا۔" کتاب ہاتھ میں لیے انہوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"وہ لنچ بھجوانے کے لیے پوچھ رہی تھیں۔"

اس نے تھوڑا ہچکچاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس کے گھبرائے اور جھجکے انداز کو تعجب سے دیکھا وہ ان سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ وہ ہاتھوں کو اضطراری انداز میں کھول اور بند کر رہی تھی۔ وہ بولے کچھ نہیں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"سر! آج لنچ میں گھر سے بنا کر لائی ہوں۔ آپ کھائیں گے؟" وہ بے ساختہ ہنسے تھے۔

"تم تو خوف زدہ شکل کے ساتھ یہ بات کر رہی تھیں۔ میں سمجھا پتہ نہیں کیا ہو گیا۔"

"سر! آپ اپنے گھر سے آیا پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ میں اس وجہ سے پوچھ رہی تھی۔ لیکن سر! میں نے بھی بد پرہیزی والی کوئی چیز نہیں بنائی ہے۔" بری طرح جھینپتے اس نے وضاحتی انداز میں کہا۔

"کیا بنا کر لے آئیں؟"

ان کے مسکرا کر پوچھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خواہ مخواہ نروس ہو رہی تھی کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ وہ ان سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ انہوں نے اس بات کو کتنا نارمل لیا تھا۔ دو بجے سے پہلے تو انہیں کھانا کھانے کا نہ وقت ملا تھا نہ ہی دھیان آیا تھا۔

سوا دو بجے جب ان کی اپنی رسٹ واچ پر نظر پڑی

انہوں نے خود ہی اس سے کھانے کے لیے کہا۔

"کیسی میزبان ہیں آپ؟ سوا دو بجے تک اپنے مہمان کو بھی بھوکا بٹھایا ہوا ہے اور خود بھی بھوکی بیٹھی ہیں۔ کہاں ہے وہ پاستا اور مشروم سلاد؟"

آج چونکہ آفس میں پیون کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لیے کچن میں جا کر پاستا گرم کر کے اور پلیٹیں، فورک وغیرہ لے کر کھانا وہ ٹرے میں لگا کر ان کے آفس میں لے آئی۔

انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے سلاد کھانا شروع کی تھی اور پہلا چمچہ منہ میں لے جاتے ہی انہوں نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

"واہ مزا آگیا۔ یہ گھر کی بنی ہوئی سلاد تو لگ ہی نہیں رہی۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھانے جیسا مزا آرہا ہے۔"

وہ شاید اس کا دل خوش کرنے کے لیے زیادہ تعریف کر رہے تھے مگر وہ ان کے تعریف کرنے پر واقعی بہت خوش ہو رہی تھی۔

"انجینئر صاحب کے یہ گن تو آج پتا چلے ہیں۔ لکھوالیں آپ مجھ سے۔ آپ کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے ہوگی۔" کھانا کھا لینے کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی تو اس کا پہلا گھونٹ لیتے ہی انہوں نے بے ساختہ کہا۔

"سر! آپ کو کیسے پتا؟"

"اتنی اچھی لڑکی کو کون ناپسند کر سکتا ہے۔ ویسے تو بی فرینک، کوئی لڑکا وڑکا اپنے لیے پسند کیا ہے یا یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

"انکار میں سر کس بات پر ہلایا ہے۔ لڑکا پسند نہیں کیا یا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں؟"

"ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی۔" اس کے خود اعتمادی سے بھرپور اس جواب پر وہ محظوظ ہوتے کافی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

✲ ✲ ✲

وہ عزیز فاروق کے آفس کی طرف جانے لگی تو پیچھے اپنی میز پر کام کرتے شوکت سلطان اس سے بولے۔

"سر آج لیٹ آئیں گے۔" دروازے کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"کیوں؟ خیریت؟"

"ان کی مسز کی طبیعت خراب ہے، سر کو شاید انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔"

وہ واپس اپنے کیبن میں آگئی۔ اسے تشویش ہو رہی تھی عزیز فاروق لنچ ٹائم کے بعد آفس آئے تھے اور جیسے ہی اسے یہ پتا چلا کہ وہ آفس آگئے ہیں، وہ خود کو ان کے پاس جانے سے روک نہ پائی۔

"آیئے مس ہنیا!" انہوں نے حسب عادت مسکرا کر اسے اپنے آفس میں خوش آمدید کہا۔ "ساتھ پر ا آئیں آپ؟"

"جی سر!" اس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے، کچھ ٹینشن بھی ان کے چہرے پر تھی مگر وہ بظاہر مسکراتے ہوئے معمول کے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

"سر! آپ کی مسز کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سب ٹیسٹ کی رپورٹس ٹھیک آئی ہیں مگر۔ اب میں سوچ رہا ہوں انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرادوں"

اپنی فکر اور پریشانی اپنے اندر ہی چھپائے وہ اسے نارمل سے انداز میں بتا رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں سے چھلکتی فکرمندی دیکھ کر وہ بتا سکتی تھی کہ وہ کس قدر ڈسٹرب ہیں۔

"اچھا وہ کوٹیشن کا کیا ہوا؟ آپ نے فیکس کر دی تھی؟" وہ واپس آفیشل معاملات کی طرف آگئے تھے۔

"جی سر! صبح آتے ہی میں نے فیکس کر دی تھی۔ وہاں سے فون بھی آگیا۔ HRK کے ایم ڈی آپ سے میٹنگ کے لیے دن اور ٹائم طے کرنا چاہ رہے تھے۔" اس نے سنجیدگی سے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

اس روز اس نے ہر نماز میں بڑی شدت سے ان ا

عزیر کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ ان کی صحت اور تندرستی کے لیے 'وہ ان کے لیے بہت پریشان تھی۔ رات گئے تک اس کا یہی دل چاہتا رہا کہ وہ عزیر فاروق کے موبائل پر کال کرکے ہاجرہ کی خیریت معلوم کرے۔

وہ دفتری معاملات کے لیے آفس ٹائمنگز کے دوران اور آفس ٹائمنگز کے بعد بھی انہیں ان کے موبائل پر کتنی بار کال کرلیا کرتی تھی مگر دفتری کام کے علاوہ اس طرح کال کرتے اسے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

لیکن اگلے روز جب وہ آفس آئی اور اسے یہ پتا چلا کہ آج سر آفس نہیں آئیں گے 'کیونکہ ان کی بیگم ہاسپٹلائزڈ ہیں تب وہ خود کو بالکل بھی روک نہ سکی۔ وہ آفس سے کچھ جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس کی کولیگز کل کا پروگرام طے کر رہی تھیں سرکی مسز کی عیادت کا مگر وہ کل تک رک نہیں سکتی تھی۔ وہ اسپتال آگئی تھی۔ ریسپشن سے ان کا روم نمبر معلوم کرتی وہ ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ بیڈ پر لیٹی نظر آئیں۔

وہ کمرے میں اکیلی تھیں۔ اس نے دستک دیتے ہوئے دروازہ ذرا سا کھولا 'وہ دروازے ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"ارے ہنیا تم؟ آؤ۔" انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"آپ اٹھیں مت لیٹی رہیے۔" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے سے روکا 'انہوں نے دوبارہ تکیے پر سر رکھ لیا۔ ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آرہے تھے 'وہ بہت بیمار اور بہت کمزور نظر آرہی تھیں۔

"کیسی ہو؟" وہ ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیوں بیمار پڑ گئیں؟" اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو تشویش سے دیکھا۔

"بس بیٹا! اس عمر میں تو یہ سب چلتا رہتا ہے۔ بڑھاپا ہے اب ہمارا۔"

"آپ کہاں سے بوڑھی ہوگئیں 'ابھی اتنی ینگ ہیں آپ۔"

ہاجرہ بجھے بجھے سے انداز میں ہنسیں۔

"سر بہت پریشان ہیں آپ کے لیے۔ پلیز ان کے لیے ہی جلدی سے ٹھیک ہوجائیں۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ وہ جلدی سے رخ موڑ کر اس گلدستے کو بیڈ کے پاس رکھی میز پر رکھنے لگی جو وہ ان کے لیے لے کر آئی تھی۔

"ہنیا!" انہوں نے اسے پھر پکارا۔ اس نے جلدی سے آنسو صاف کرکے ان کی طرف دیکھا۔

"آئم سوری 'مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عیادت کا کوئی طریقہ نہیں۔"

بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ جتنا اپنے آنسوؤں کو روکنا چاہ رہی تھی 'وہ اتنی ہی شدت سے بہے چلے جارہے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے 'وہ شاید کچھ کہنا بھی چاہ رہی تھیں کہ یک دم ہی اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود ان کے دونوں ہاتھوں کو والہانہ چوما۔

"آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ کو دیکھ کر 'آپ سے مل کر مجھے میری ممی یاد آتی ہیں۔ وہ بالکل آپ کی طرح تھیں۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے اپنی ماں کو دیکھ رہی ہوں۔"

"مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو ہنیا! تم سے پہلی بار مل کر ہی ایسا لگا تھا جیسے میری بیٹی میرے سامنے کھڑی ہے۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو شاید تمہارے جیسی ہی ہوتی۔"

ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رونے کا سبب نہیں پوچھ رہی تھیں۔ بس آنسو تھے جو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھے۔

"سر کہاں ہیں؟" چند سیکنڈز بعد خود پر قابو پاتے اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر سے کچھ بات کرنے گئے ہیں۔ آنے والے ہوں گے ابھی۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے آہستگی سے جواب دیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی

تھیں بالکل اسی طرح جیسے وہ والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم روئیں کیوں ہنیا؟ مجھے بیمار دیکھ کر تم کیوں روئیں؟ اس طرح تو کسی بہت اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر آنکھیں بھر آیا کرتی ہیں۔ جو دل کے بہت قریب ہو 'جو بہت اپنا ہو 'اسے تکلیف میں دیکھ کر رویا جاتا ہے۔ تم سے میرے دل کا کیا ناتا ہے؟ کیا تعلق ہے؟ تم اتنی اپنی اپنی کیوں لگتی ہو ہنیا؟"

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھیں مگر پوچھ نہیں پائی تھیں۔ عزیر فاروق کمرے میں آئے تو ہنیا کو بیٹھا دیکھ کر خاصے حیران ہوئے۔ وہ ان کے آنے کے بعد وہاں زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ پندرہ منٹ ہاجرہ عزیر کے پاس ان کی عیادت کے لیے بیٹھی تھی۔ مگر ان پندرہ منٹوں میں ہاجرہ کے ساتھ اس کے دل کا ایک انوکھا رشتہ جڑ گیا تھا۔

ہاجرہ کو وہ پہلی ملاقات میں اتنی اچھی لگی تھی۔ بہت اپنی اپنی سی 'جس کی طرف خود بخود ہی دل کھنچنے لگے ایسی لگی تھی اور آج کی ملاقات کے بعد تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ ان کا دل کا بہت گہرا ناتا جڑ گیا ہے۔ انھیں ہنیا کا اپنے لیے جذباتی ہونا سمجھ میں آرہا تھا۔ وجہ اس نے خود ہی بتا دی تھی 'وہ اپنی زندگی میں ماں کی کمی بہت محسوس کرتی تھی اور ان میں شاید اسے اپنی ماں کی کچھ جھلک نظر آئی تھی تب ہی ان کی بیماری کا سن کر وہ یوں کھنچی کھنچی انہیں دیکھنے چلی آئی تھی۔ مگر وہ اسے دیکھ کر اتنی بے اختیار کیوں ہوجاتی تھیں۔ وہ وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ دل کی دنیا کی تو یوں بھی اپنی ہی منطقیں ہوتی ہیں۔ جو دل کو اچھا لگ جائے اس کے اچھا لگنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل سے منطق 'دلیل اور وجہ نہیں مانگ سکتی تھیں وہ بس یہ جانتی تھیں کہ ان کے دل کو ہنیا سجاد بہت اچھی لگتی ہے۔

☼ ☼ ☼

پانچ دن ہسپتال میں رہ کر ہاجرہ گھر واپس آگئی تھیں۔

اس دوران وہ روزانہ صبح 'شام پابندی سے ان کی فون پر خیریت دریافت کیا کرتی تھی۔ اب اسے عزیر فاروق سے ان کی خیریت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس ہاجرہ کا موبائل نمبر تھا 'جو انہوں نے اسے خود دیا تھا 'وہ اس پر کال کرکے جب جی چاہتا ان کی خیریت معلوم کرلیا کرتی۔

وہ جب پہلے دن ان کی عیادت کرکے گئی تھی اس کے اگلے دن صبح میں ہاجرہ ہی نے اس کے موبائل پر اسے کال کی تھی۔ وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی 'اکیلی بہت بور ہو رہی تھیں 'سو انہوں نے اسے فون کرلیا تھا۔ وہ ابھی اس کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتی تھیں 'اس روز اس نے انہیں امریکہ میں اپنی لائف 'اپنے والدین 'بھائی بہنوں کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔ وہ پہلی گفتگو جیسے اس کی ہاجرہ کے ساتھ ٹیلی فونک دوستی کا آغاز تھی۔

"میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟" اس روز اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے اسے فوراً اجازت دے دی تھی۔ ہاسپٹل میں قیام کے دوران تو دن میں دو 'دو بار بات ہوتی ہی تھی مگر جب طبیعت بہتر ہونے پر وہ اپنے گھر واپس آگئیں 'انہوں نے تب بھی اس کے ساتھ ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا۔

انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اس کا عزیر فاروق کے ساتھ ملازم اور باس کا رشتہ ہوگا مگر ان کے ساتھ اپنے رشتے میں وہ اس تعلق کو ذہن میں نہ رکھے۔ وہ اپنے گھر میں سارا دن تنہا ہوتی تھیں۔ ابھی بیماری سے اٹھی تھیں اس لیے گھر سے باہر زیادہ نکل نہیں رہی تھیں ورنہ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ کہیں تفسیر کی کلاس لیتی ہیں۔

وہ کہتی تھیں قرآن کو سمجھنے کی اس کوشش کے دوران وہ اللہ سے زیادہ نزدیک ہوگئی ہیں۔ ان کا اللہ کے ساتھ تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگیا ہے۔ چاہے 5'6 منٹ کی مختصر گفتگو ہی ہوتی مگر وہ ہنیا کو فون کرتی ضرور تھیں۔ اگر ان کا فون نہ آتا تو وہ انہیں خود فون کرلیتی۔

انہیں ہسپتال سے گھر آئے ایک ہفتہ ہوا تھا جب اس رات ان کا اس کے پاس فون آیا۔

"کیسی ہیں آنٹی؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت بالکل ٹھیک ہے تب ہی تو تمہارے سر کے ساتھ سیر ہی کرتی پھر رہی ہوں۔"

ان کے لہجے کی خوشگواریت نے اس پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ ورنہ انہیں بجھا بجھا اور نڈھال دیکھ کر وہ اندر سے ٹوٹنے لگتی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کہاں نکلے ہوئے ہیں آپ لوگ؟"

"وہ سر کی موجودگی میں فون کرتی تو نہیں تمہیں عنوان تو وہ جس وقت اکیلی بور ہو رہی ہو تم اس وقت کیا کرتی تھیں پھر اس وقت سر کی موجودگی میں کیوں؟" وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔

"ہم لوگ شاپنگ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ میں نے تمہارے لیے ایک سوٹ خریدا ہے۔ میں وہ تمہیں دینے کے لیے تمہارے گھر پر آ رہی ہوں۔ تمہارے سر کہنے لگے کہ آپ کیا بغیر انفارم کیے ایسے ہی منہ اٹھا کر چلی جائیں گی' لہٰذا ان کے کہنے پر تمہیں انفارم کر رہی ہوں' ورنہ میرا ارادہ تو اچانک پہنچ کر تمہیں سرپرائز دینے کا تھا۔ ہم لوگ تمہارے گھر سے بس کچھ ہی دور ہیں۔ بس پانچ منٹ میں تمہارے گھر پر ہوں گے۔"

ان کی اس اطلاع پر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اگلے 5 منٹ میں اس کے گھر پہنچ رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے گھر آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اس کا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ مگر اس تیز رفتاری کے باوجود بھی وہ کوئی مشورہ کوئی حل بتانے میں ناکام تھا۔ صرف پانچ منٹ میں وہ کر کیا سکتی تھی۔ پانچ منٹ میں تو وہ ساری بات اپنے ماموں' ممانی کو سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ دونوں پہلی بار اس کے گھر آ رہے تھے' اسے ان کی اچھی طرح تواضع کرنی تھی' انہیں اپنے ماموں اور ممانی سے ملوانا تھا۔ فیاض صاحب تو خیر تم کو تھے مگر اسے خطرہ شمسہ سے تھا۔ اگر انہوں نے کوئی بات بول دی۔ اس کی امریکہ میں جیسی زندگی وہ سمجھتے ہیں اس کے برعکس کوئی اور بات بتا دی۔ شمسہ کچھ بھی بول سکتی تھیں۔ کسی بری نیت یا برے ارادے سے نہیں' اس کی محبت اور چاہت ہی میں۔ مگر ان کی وہ محبت اور چاہت اس کے بنے بنائے ہر کام کو بگاڑ سکتی تھی۔ اتنے عرصے میں جو اس نے محنت کی اس سب پر پانی پھر سکتا تھا۔ اس کی پانچ مہینوں کی محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کو یہ تک نہیں بتا سکی تھی کہ اس کے باس اور ان کی بیگم ان کے گھر آ رہے ہیں۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو اسے اپنی اس حماقت کا احساس ہوا۔ انہیں ان کی آمد کی اطلاع دیے بغیر وہ گیٹ کھولنے بھاگی۔

"یا اللہ! وہ لوگ بہت جلدی میں ہوں۔ میرے بہت بلانے پر بھی اندر نہ آئیں۔" گیٹ کھولنے تک اس نے یہی دعا مانگی تھی۔

"السلام علیکم۔" گیٹ کھولتے ہوئے اس نے ان دونوں کو سلام کیا۔ گیٹ پر ہاجرہ کھڑی تھیں اور عزیر فاروق ان سے ایک قدم پیچھے ہاجرہ نے ایک fancy شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم برائٹ کلرز پہنتی نہیں ہو یقیناً" تمہیں پسند نہیں ہوں گے اس لیے۔ مگر مجھے تو تمہارے لیے یہی کلر اچھا لگ رہا تھا۔ اب تمہارے سر تم لوگوں کو ہمارے گھر ڈنر پر انوائیٹ کرنے والے ہیں۔ ہر سال ہوتا ہے یہ ڈنر' فرم کے سب لوگوں کے لیے۔ تم اس میں یہی سوٹ پہن کر آنا' مجھے بہت خوشی ہوگی۔" وہ اتنے ٹینشن میں تھی کہ

"آپ نے ناحق زحمت کی" یا "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" جیسے رسمی باتیں بولے بغیر فوراً ہی شکریہ کہہ کر شاپنگ بیگ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ اندر تو آیئے آنٹی! سر! پلیز اندر آئیں۔" (کاش وہ اندر نہ آئیں' کاش وہ جلدی میں ہوں' کاش)

"ویسے تو ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے لیکن تمہارے ماموں' ممانی سے ملے بغیر چلے گئے تو بہت بری بات ہوگی۔ چلو کھڑے کھڑے ان سے مل لیتے ہیں۔"

ان کے اس جملے نے اس کی جان نکال دی تھی۔ فیاض اور شمسہ نے بھانجی کے باس اور ان کی بیگم کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت خوشگوار ماحول میں وہ فیاض اور شمسہ کا عزیر فاروق اور ہاجرہ سے تعارف کروا رہی تھی۔ تعارف کی رسمی کارروائی کے بعد فیاض' عزیر فاروق سے مردوں کے من پسند موضوع ملکی سیاست اور ملک میں جاری معاشی بحران پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

جبکہ شمسہ نے ہاجرہ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تو موسم اور کراچی کے ذکر کے ساتھ تھا مگر بہت جلد موضوع تہنیا کی ذات بن گیا تھا۔ اس کے آجانے سے ان کے گھر کی ویرانی کس طرح دور ہو گئی ہے' اسے امریکہ سے آئے ابھی چند مہینے ہوئے ہیں اور اس نے اتنی جلدی خود کو پاکستانی ماحول میں ڈھال لیا ہے۔

وہ اوپر سے مسکرا رہی تھی' اندر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی اتنے مہینوں کی ساری محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ شمسہ کو چند منٹوں بعد ہی مہمان نوازی کی فکر ہوئی تھی جبکہ وہ اس وقت وہاں سے ایک پل کے لیے بھی ہلنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر شکر تھا کہ عزیر فاروق اس کے کچھ لانے کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ایسے کیسے؛ اس طرح تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" فیاض صاحب بولے۔

"تکلف کوئی نہیں ہے' ہم پھر کسی اور دن آپ کے ساتھ کھانا کھانے آجائیں گے۔ ابھی ہمیں ایک اور جگہ جانا ہے۔ لیٹ ہو رہے ہیں' وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

فیاض اور شمسہ کو مہمانوں کے اور مہمان بھی وہ جو بھانجی کے باس تھے یونہی چلے جانے کا قلق ہو رہا تھا جبکہ اسے ذرا افسوس نہ تھا۔ وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ جیسے ہی اسے خدا حافظ کہہ کر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے' ان کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی' اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ اللہ نے اسے بال بال بچا لیا تھا۔ اس کی ساری محنت اکارت جاتے جاتے رہ گئی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کرتے اور سکون کا سانس لیتے اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسی کوئی چویشن آئندہ بھی پیش آسکتی ہے۔ اب اسے فیاض اور شمسہ کو ساری بات بتانی ہی ہوگی۔

"ماموں! یہ عزیر فاروق صاحب اور ہاجرہ آنٹی آپ کو کیسے لگے؟" وہ اندر ان دونوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بہت اچھے لگے بیٹا!" فیاض احمد نے جواب دیتے اسے کچھ حیرت سے بغور دیکھا۔ جو ان سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ شمسہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماموں! یہ لوگ عابی کے پیرنٹس ہیں۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔

"کیا؟" حیرت کی زیادتی سے شمسہ کے منہ سے چیخ نما انداز میں نکلا تھا' جبکہ فیاض احمد حیرت' بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ عباد کے پاپا کی فرم میں جاب کر رہی تھی' اسے چاہ تھی یہ بات؟ کب سے؟ کیا شروع وقت سے؟ کیا اس کی کراچی آنے کی وجہ نیویارک میں اپنے گھر کی تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور تھی۔ فیاض متحیر سے بھانجی کو یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ شمسہ ان سے بھی زیادہ حیرت کا شکار تھیں۔ وہ جو لگتا تھا عباد کا ذکر اس کی زندگی سے نکل گیا' درحقیقت ایسا نہ تھا۔ درحقیقت ایسا بالکل بھی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر گراہم بارسلے کا Seismic Design Analysis of long span bridges کے موضوع پر خصوصی لیکچر تھا' جو خاص طور پر تھا تو اسٹرکچرل

انجینئرنگ اور ارتھ کوئیک انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے والے اسٹوڈنٹس کے لیے تھا مگر اس میں شرکت کے لیے انہوں نے ان لوگوں کو بھی بہت زیادہ تاکید کی تھی۔ وہ اس سمسٹر میں انہیں structural Design پڑھا رہے تھے اور پتا نہیں وہ ان ہی کی کلاس میں ہمیشہ لیٹ کیوں پہنچا کرتی تھی۔ جان بوجھ کر نہیں 'بس کسی نہ کسی وجہ سے صرف ان ہی کی کلاس میں ایسا ہوتا کہ وہ ان کے کلاس میں داخل ہونے کے بعد بھاگم بھاگ اور تاخیر سے کلاس میں پہنچتی۔ جب وہ اپنے اس خصوصی لیکچر میں ان لوگوں سے شریک ہونے کے لیے کہہ رہے تھے تب اسے دیکھتے انہوں نے بطور خاص کہا تھا۔

"لیکچر ٹھیک دس بجے شروع ہو گا ہنیا!" اپنے ایک پروفیسر پر اپنا برا امپریشن قائم ہو جانے پر وہ خود سے سخت ناخوش تھی۔ ان کی کلاسز میں وہ اتفاقاً" لیٹ ہوتی تھی مگر انہوں نے شاید اسے اس کی عادت سمجھ لیا تھا۔

اس صبح اس کی جلدی تو کوئی کلاس تھی نہیں 'لہٰذا رات دیر تک اپنے structural Design ہی کے پروجیکٹ میں مصروف رہنے کے بعد وہ صبح ساڑھے آٹھ بجے کا الارم سیٹ کر کے آرام سے سو گئی۔

دس بجے لیکچر تھا اور اتنا وقت نہانے 'تیار ہونے' ناشتہ کرنے اور کیمپس پہنچنے کے لیے بہت تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے الارم بے چارہ یقیناً" بہت دھوم دھڑکے سے بجا ہو گا مگر اس کی آنکھ کھلتی تب نا۔ وہ تو بھلا ہو جو ماما جانی نے اسے ساڑھے نو بجے آکر جگاتے یہ پوچھ لیا کہ "کیا آج اسے یونیورسٹی نہیں جانا۔" وہ کمبل پھینک 'بستر چھوڑ بوکھلا کر بیڈ سے کود دی تھی۔ پھر جو بھاگ دوڑ مچی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بھاگم بھاگ اس نے تیاری کی تھی 'ناشتے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جتنی جلدی اس سے ممکن ہو سکتا تھا اتنی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہ کیمپس پہنچی مگر اس تمام بھاگ دوڑ اور تیز رفتاری کے باوجود بھی جس وقت وہ اپنی گاڑی کیمپس میں پارک کر رہی تھی دس بجے چکے تھے۔ ڈاکٹر گراہم جتنے پنکچوئل تھے 'اسے امید تھی ادھر گھڑی کے کانٹے دس اور بارہ کے ہندسوں پر پہنچے ہوں گے ادھر انہوں نے لیکچر ہال میں قدم رکھا ہو گا۔ وہ باقاعدہ بھاگتی 'لوگوں سے ٹکراتی اپنے ڈپارٹمنٹ پہنچی 'سیڑھیاں بھی اس نے ایک وقت میں دو'دو پھلانگی تھیں۔

مگر اس ساری بھاگ دوڑ کے باوجود بھی وہ دس منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔ لیکچر ہال کے دو دروازے تھے۔ ڈاکٹر گراہم کی نگاہوں میں آنے سے بچنے کے لیے اس نے آگے والے دروازے کی جگہ پیچھے والے دروازے سے اندر داخل ہونا مناسب سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت ان کا رخ پروجیکٹر کی طرف ہو۔ اسٹوڈنٹس کی طرف نہ ہو اور وہ اسے اندر داخل ہوتا نہ دیکھ سکیں۔

دل ہی دل میں دعائیں مانگتے وہ پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر گراہم کا رخ Projector یا رائٹنگ بورڈ کی طرف تو ہرگز نہ تھا مگر وہ سب سے اگلی قطار میں بیٹھے کسی لڑکے سے کچھ بات کر رہے تھے۔ غالباً" اس کے کسی سوال کا جواب دے رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ان کی نظر اس پر پڑے وہ جلدی سے کسی بھی خالی کرسی پر بیٹھ جانا چاہتی تھی۔ اسے سیکنڈ لاسٹ رو میں جو پہلی کرسی خالی نظر آئی وہ تیزی سے اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے اس طرح اچھل کر بیٹھنے سے اس کرسی پر رکھا کیلکولیٹر جو غالباً" برابر والی کرسی پر بیٹھے لڑکے کا تھا' نیچے گر پڑا۔ بوکھلاہٹ میں جھک کر اس نے وہ کیلکولیٹر اٹھایا اور اسے اس لڑکے کی طرف بڑھایا۔

"آئم سوری۔" گھر سے بھاگتے دوڑتے تیار ہو کر آئی تھی 'اس لیے بال باندھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ اس کے شانوں تک آتے بال جنہیں وہ پونی کی صورت باندھ کر رکھا کرتی تھی 'اس وقت بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔

"اٹس او کے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنا بیگ اور فائل اس نے ابھی تک گود میں رکھا ہوا تھا 'اب ذرا سانس بحال کرتے اس نے کرسی پر صحیح سے ہو کر بیٹھنے اور بیگ گود میں ہٹانے کی کوشش کی تو اس بار اس کی گود سے فائل نیچے گر پڑی۔ آس پاس کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔

ڈاکٹر گراہم کی نگاہ بھی آخر کار اس پر پڑ چکی تھی۔ اس کے برابر بیٹھے لڑکے نے جھک کر اس کی فائل اٹھائی اور اسے اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ سامنے ڈاکٹر گراہم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خود اعتمادی سے مسکرا کر انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے لیکچر کے شروع سے یہاں پر موجود تھی اور ان بے چارے ہی کی نگاہ اب تک اس پر نہ پڑی تھی۔ وہ لیکچر دیتے Multi media Projector کے سامنے سے ہٹے 'اپنا لیکچر جاری رکھتے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پچھلی نشستوں کی طرف آنے لگے۔

اس کی پریشانی اس لمحہ دیدنی تھی 'اس نے کچھ گھبرا کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا وہ لڑکا غالباً" اس کا مسئلہ سمجھ چکا تھا 'اس نے بڑی آہستگی سے اس طرح کے کسی اور کو پتا نہ چل سکے اپنی ڈیسک سے اس کی ڈیسک پر اپنی فائل خاموشی سے منتقل کر دی۔ جبکہ ہنیا کی فائل جو چند لمحے پہلے نیچے گری تھی وہ تو اب تک تھی ہی اس کے ہاتھ میں۔

اس نے ہنیا کی فائل کھول کر اپنی ڈیسک پر رکھ لی۔ ٹہلنے والے انداز میں لیکچر دیتے ڈاکٹر گراہم آخر کار سیکنڈ لاسٹ رو تک پہنچ چکے تھے۔ اس کی چونکہ بالکل کارنر کی کرسی تھی لہٰذا ان کے لیے اس کی فائل کی طرف دیکھنا ہرگز دشوار نہ تھا۔

وہ اس کی کرسی تک آ گئے تھے 'وہ عین اس کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ خود اعتمادی سے انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اسے نہیں اس کے سامنے کھلے صفحے کو دیکھ رہے تھے جو پورا کا پورا ان کے اب تک دیے لیکچر کے مختلف پوائنٹس اور ڈائی گرام سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے لیکچر کے پوائنٹس اس کے سامنے لکھے دیکھتے تو

انہیں اس کے متعلق دل سے شک کو دور کرتے یقین کرنا ہی پڑا کہ عادت کے برخلاف آج حیرت انگیز طور پر ہنیا سجاد کلاس میں صحیح وقت پر پہنچی تھی شاید انہوں نے ہی اسے اب دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لیکچر پوسٹ گریجویشن اور انڈر گریجویٹس دونوں کے لیے تھا اس لیے لیکچر ہال پورا کا پورا بھرا ہوا تھا۔

شاید اتنے اسٹوڈنٹس میں وہ اسے پچھلی نشست پر بیٹھا دیکھ نہیں پائے تھے۔ وہ اس کے پاس سے مڑ کر واپس آگے کی طرف جانے لگے تب اس نے سکون کا سانس لیا۔

"تھینکس۔" اس نے دبی زبان میں اپنے برابر بیٹھے بندے کا شکریہ ادا کیا اور جس خاموشی سے اس کی فائل اس کی میز پر آئی تھی اسے اسی خاموشی سے اس کی ڈیسک پر رکھ دیا۔ وہ اب سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا چاہ رہی تھی مگر کھڑکی کھڑکی اس کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں آنکھوں اور ماتھے پر بکھر کر اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے بالوں کی تازہ تازہ ہی کٹنگ کرائی تھی اور اس کی ہیر اسٹائلسٹ نے آگے کے بال زیادہ ہی چھوٹے کر دیے تھے، اب ہیر بینڈ لگائے یا پونی بنائے بغیر اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی عادت تھی، بکھرے بالوں کو جب تک سمیٹ نہ لیتی سکون سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتی تھی گھر سے بھاگتے دوڑتے نکلتے اس نے اپنا ہیر بینڈ بیگ میں ٹھونسا تھا۔ بیگ کھول کر اس نے اس میں سے ہیر بینڈ نکالنا چاہا تو ڈھیر سارے کوڑے کرکٹ میں اسے دنیا زمانے کی ہر چیز ملنے لگی۔ ماسوا اپنے چھوٹے سے بینڈ کی۔

بڑی مشکلوں سے نیچے دبا وہ بینڈ باہر نکالا اور وہ جلدی سے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹ کر ان میں بینڈ لگانے لگی تو اس کی نظر اپنے برابر بیٹھے بندے پر پڑی۔ وہ اپنا پین فائل پر بند کر کے رکھے بڑی محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی احمقانہ حرکتوں اور بوکھلاہٹوں پر کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

پتا نہیں وہ کون تھا۔ اس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا شروع کر دیا مگر یہ اندازہ ہوا اسے مسلسل ہو رہا تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ اب لیکچر نوٹ کر ہی نہیں رہا تھا۔ اس کا پین لیکچر کے باقی تمام وقت لیپ اس کی فائل پر پڑا رہا تھا۔ ایک بندہ جس نے مسلسل آپ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیا ہوا ہو اس سے کیا خاک لیکچر نوٹ ہوتا۔ وہ اب اس کری بیٹھنا پچھتا رہی تھی۔ یہ موصوف تو اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہیں رہے تھے۔

جیسے ہی لیکچر ختم ہوا، وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اگلی قطار میں بیٹھی اپنی دوست کے بھی باہر نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ ڈاکٹر گراہم کے لیکچر ہال سے باہر نکلنے والی وہ پہلی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر سیڑھیوں تک ہی پہنچی تھی جب اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہائے۔" اس نے مڑ کر دیکھا اس سے ایک قدم پیچھے وہ وہی تھا۔

"ہائے۔" جواباً ہائے کہتی وہ رکی نہیں بلکہ چلتی رہی۔

"ڈاکٹر گراہم کا لیکچر کافی اچھا تھا، کیا خیال ہے آپ کا؟" اس کے ساتھ چلتا وہ اس سے انگریزی میں مخاطب تھا۔

"ہاں۔" مختصر اثباتی جواب دیتے اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ خاصا خوش شکل تھا۔ بلیو جینز براؤن شرٹ، بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کیتھی کی زبان میں خاصا cool لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"آپ سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں ہیں؟ آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بائی دا وے میں عباد عزیز ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر عباد۔" اس نے سنجیدہ اور روکھے پھیکے لہجے میں جواب دیا۔ اس نے اس کے تعارف کے جواب میں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"آپ پاکستانی ہیں یا انڈین؟" اسے اپنے کونفیڈینٹ اور بولڈ ہونے پر ناز تھا، مگر یہ بندہ تو کونفیڈینس کے معاملے میں اس سے کئی قدم آگے تھا۔ اس کے روکھے پھیکے انداز اور تو لفٹ والے چہرے کو دیکھ کر بھی مسلسل اس سے سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔ مسلسل اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ بندہ بڑا "اعتماد" تھا جرأت مند تھا اور کچھ تھا یا نہیں وہ کم از کم اس کی جرأت سے متاثر ہوئی۔

"امریکن۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ سیڑھیاں اتر چکی تھی۔ اب اس کا رخ S.W.Mudd بلڈنگ کی طرف تھا، جہاں اسے strength of Materials کی لیب میں جانا تھا۔

"اور آپ کے پیرنٹس؟" وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم کرنا چاہ رہا ہے یہ جاننے کے باوجود وہ بے نیاز سے انداز میں بولی۔

"امریکن۔" اسے اپنے مختصر اور مخاطب کو زچ کرتے جوابوں پر اندر ہی اندر خوشی ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے زچ کرنا چاہتی ہے لہٰذا بغیر ہار مانے بولا۔

"گرینڈ پیرنٹس؟"

"میرے دادا، دادی امریکن ہیں۔" اس بار اس نے اردو میں جواب دیا۔ وہ اس کے منہ سے اردو سن کر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"اور نانا، نانی پاکستانی؟ مجھے لگ ہی رہی تھیں آپ پاکستانی۔ میرا مطلب ہے آپ کا تو نہیں مگر آپ کے forefathers کا پاکستان ہی سے تعلق ہوگا ایسا ہی لگ رہا تھا۔" وہ اتنے بے تکلفانہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا جیسے نجانے کتنی بار اس سے مل چکا ہو۔ وہ بھی اب اردو ہی میں بات کر رہا تھا۔ وہ اپنی لیب بلڈنگ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم ہو جانے پر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی ہنیا؟" ہنیا نے اس سے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اور وہ اسے اس کا نام لے کر مخاطب کر رہا تھا۔

اس نے یقیناً ہنیا کی فائل کے اوپر اس کا نام دیکھا تھا۔ اسے اس بندے کے کونفیڈینس پر رشک آیا۔ اس کا بے نیاز، قدرے مغرورانہ انداز اس کے اعتماد کو ذرا بھی تو نہیں ڈگمگا رہا تھا۔ اسے شاید خود پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بھروسہ تھا۔

"سوری مسٹر عباد! ابھی تو میری کلاس ہے۔" وہ لیب کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔ اور پھر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی وہ لیب میں داخل ہو گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

آجائے گا' اس سے اور کیتھی سے ہائے ہیلو کرکے انہیں یہ بتاتا کہ وہ یہاں سوئمنگ کے لیے آیا تھا' یا کسی اور کھیل اور ایکسر سائز کے لیے کہ بقول اس کے اسے جب بھی اپنی تعلیمی مصروفیات سے فرصت اور موقع ملتا ہے تو وہ ورک آوٹ کے لیے جم چلا آتا ہے۔

کیمپس میں الگ الگ طرح کی اشیائے خورد و نوش کے لیے ان تینوں کی الگ الگ فیوریٹ جگہیں تھیں۔ سو ان تمام اسکولز کے کیفے وغیرہ میں ان تینوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی اور ان تمام جگہوں پر وہ انہیں مل رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر رکتا نہیں' بس کھڑے کھڑے سلام دعا کرتا اور وہاں سے چلا جاتا۔

مائیک نے تو کچھ نہ کہا تھا مگر کیتھی نے چند روزہ خاموشی کے بعد اس تازہ ترین صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بڑی گمبھیر سنجیدگی سے باور کرایا تھا۔

"یہ ہینڈسم بندہ بڑی سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے تمہارے پیچھے ہے ہنیہ سجاد!"

کیتھی سدا کی حسن پرست اور رومینٹک' اسے وہ بہت پسند آیا تھا۔ کوئی بندہ اتنی مستقل مزاجی سے آپ کے پیچھے آرہا ہو اسے تو یہ بات ہی بڑی رومینٹک لگی تھی' جبکہ ہنیہ اس ساری صورت حال سے یکسر لاتعلق تھی' اس کا انداز یہ ہوتا تھا کہ اگر عباد عذیر اسے کہیں نظر آگیا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو بھی ٹھیک ہے۔

اس سے یوں "اتفاقیہ" آمنا سامنا ہوتے کوئی ایک مہینہ تو ہو ہی گیا تھا جب اس روز وہ لائبریری میں بیٹھی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اتفاقیہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس روز کیتھی نہیں آئی تھی اور مائیک بھی خدا جانے کہاں تھا' اس کی اگلی کلاس شروع ہونے میں ابھی خاصا ٹائم تھا اور یہ فارغ وقت وہ لائبریری میں سنجیدگی سے بیٹھ کر کام کرتے گزارنا چاہتی تھی۔

اسٹرکچرل ڈیزائن یہ پروجیکٹ سب کو اپنا اپنا انفرادی طور پر کرنا تھا مگر کوئی مسئلہ کسی کو درپیش ہوا کرتا تو وہ تینوں سر جوڑ کر ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے' اس وقت بھی کچھ چیزیں اسے بالکل سمجھ میں نہیں آرہی تھیں اور وہ کیتھی اور مائیک کی کمی شدت سے محسوس کررہی تھی۔

پاس ہی اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا' جس میں اس کا اپنے اس پروجیکٹ کے سلسلے میں اب تک کیا تمام کام محفوظ تھا۔ منہ میں پین دبائے وہ مختلف کتابوں کے صفحے پلٹ رہی تھی

جب عباد عذیر ایک دم ہی اس کے پاس آگیا۔

"ارے ہنیہ آپ؟ کیسی ہیں؟" بھرپور حیران ... اداکاری کرتا وہ اس کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس کی طرف ... اس نے رسمی سے انداز میں پوچھا۔

"اللہ کا کرم ہے۔ مزے میں ہوں۔" ہنیہ نے ... دوبارہ اپنے سامنے بکھری کتابوں پر مرکوز کردیں۔

"کیا پڑھ رہی ہیں؟" عباد نے پہلے ان ڈھیر ... کتابوں پر اور پھر اس کے الجھے چہرے پر نظریں دوڑائیں۔

"پروجیکٹ ہے اسٹرکچرل ڈیزائن کا اسی پر کام ... ہوں۔" اس نے اپنے سامنے رکھی فائل اور کتابوں کی طرف اشارہ کرکے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کے ایکسپریشن بتارہے ہیں کہ کچھ مشکل ... جو حل نہیں ہورہی۔ لائیں دکھائیں شاید میں آپ کی ... کرسکوں۔"

اس نے خود ہی قدرے جھک کر اس کی فائل اور ... ٹاپ کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ایک آدھ سیکنڈ ... رہنے کے بعد اس نے بڑے آرام سے اس کا ... اور فائل اپنے سامنے کھسکائی اور سیدھا ہو کر ... نوعیت سمجھنے لگا۔ وہ اس بے تکلفی اور دخل در معقولات پر کچھ جزبز ہوئی۔

"ہوں... تو یہ بیم پریشان کررہی ہے آپ کو؟" اس ... طرف دیکھے بغیر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

مسئلہ دریافت کرلینا اتنا مشکل نہ تھا کہ اس کی ... پر کھلے صفحات اور لیپ ٹاپ میں کھلی فائل سب ہی ... اسی ایک مسئلے کے بیچ اٹکے ہوئے تھے۔ وہ چند منٹ ... فکر کرتا بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے اس کے ... ٹاپ میں کھلی فائل میں صفحہ در صفحہ اوپر نیچے آگے پیچھے جاتا اس کے پروجیکٹ کی تفصیلات سمجھتا رہا۔ چند ... کے بعد اس نے مسکرا کر ہنیہ کی طرف دیکھا۔

"یہ ایکویشن انٹیگریٹ نہیں ہو پارہی آپ ... ہے نا؟"

اسے نہ چاہتے ہوئے بھی سر اثبات میں ہلانا پڑا۔

"اس میں کیا مشکل ہے بیم پر لوڈ آپ نکال چکی ہیں ... بیم کی Length اور Depth آپ کو پتا ہے۔ اب صرف یہ ایکویشن انٹی گریٹ کرنی ہے۔ دیکھیں ... کی انٹی گریشن بڑی آسان ہے۔ میں آپ کو آسان طریقہ

اس نے ہنستے ہوئے کچھ چھیڑنے والے انداز میں اس
سے پوچھا۔ اسے عباد عذیر سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔
وہ زندہ دل تھا، شائستہ مذاق کیا کرتا تھا۔
"ویسے تو دعوت آپ کی طرف سے ہے۔ لیکن میری
رائے کو پوچھیں تو وہ ریسٹورنٹ مناسب رہے گا۔" عباد اپنی
ہنسی دبا کر سنجیدگی سے بولا۔
"کل میری آخری کلاس چار بجے ختم ہوگی میں سوا چار
ساڑھے چار بجے تک وہاں آجاؤں گی۔"
وقت طے کرکے اس نے [illegible] ختم کردی تھی۔
اگلے روز وہ صبح سے بے چین تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی
دیر کے بعد گھڑی دیکھتی۔ ایسا لگتا تھا آج گھڑی سب کچھ
بجائے گی بس چار نہیں بجائے گی۔ اس روز شام کے
چار بہت دیر سے بجے تھے۔ وہ ابھی تو کلاس ہی میں خدا
حافظ کرکے سب سے پہلے کلاس سے نکل گئی تھی۔
مارننگ [illegible] واقعی ڈھیر سارے ریسٹورنٹس
اور [illegible] میں وہ [illegible] ریسٹورنٹ [illegible] ایم ایم عالم روڈ پر
121 [illegible]
وہ اندر [illegible] پہلے سے [illegible]
دروازے سے داخل ہوتے ہی اس سے [illegible]
[illegible] کی طرف [illegible]
ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی تھی ایسا تاثر
ابھرا تھا اس کے چہرے پر جیسے اچانک ہی کوئی بہت بڑی
خوشی مل جانے پر کسی شخص کے چہرے پر پھیلا کرتا ہے۔ وہ
اس کی میز کے قریب آئی۔ وہ اس کے استقبال کے لیے
اپنی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔ شاید یہ ماما جانی کی تربیت اور
ان کی نصیحتوں کا اثر تھا کہ وہ مردوں کے [illegible] کا سب
سے پہلے جائزہ لیا کرتی تھی۔
ماما جانی کہتی تھیں مردوں کے اچھا ہونے کی سب سے
پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کی عزت کرنے والے
ہوں" قطع نظر اس کے کہ ان عورتوں سے ان کا رشتہ کیا
ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے بھی اس سے سلام دعا کرسکتا تھا
مگر وہ جس طرح فوراً کھڑا ہوا تھا وہ اس سے متاثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکی۔
[illegible] پہلے سے موجود ہے۔ [illegible] آپ آگئی
[illegible]
وہ دونوں [illegible] میز پر [illegible]
گئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں

دوڑائیں تو وہ جلدی سے بولا۔
"آپ لیٹ نہیں آئی ہیں، میں ہی ایکسائٹمنٹ
میں کچھ جلدی آگیا ہوں۔"
اس نے اس کے ایکسائٹمنٹ کے لفظ کی [illegible]
چاہی نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا۔ ویسے اگر وہ یہ [illegible]
آج اس کالج کے لیے وہ بہت پرجوش اور خوش [illegible]
بھی اس کی ایکسائٹمنٹ بڑی واضح نظر آرہی [illegible]
نے اسے ابھی شیو کیے نہیں دیکھا [illegible] Casual
طرز کی شرٹس کے علاوہ کسی اور [illegible]
دیکھا تھا۔ بلکہ آج اس نے نہ صرف یہ کہ شیو [illegible]
بلکہ اس کے بال بھی بڑے سلیقے اور بڑی خوب
سے بنے ہوئے تھے اور لباس بھی آج کاٹن کا [illegible]
اور آسمانی رنگ کی کاٹن کی فارمل طرز کی پینٹ شرٹ [illegible]
بندہ ہمیشہ بہت لاپروا سے حلیے میں رہنا پسند کرتا [illegible]
حساب سے یہ تیاری بہت زیادہ تھی۔
"آپ کیا لیں گی؟"
"کیپچینو کے لیے آئے ہیں تو وہ ہی [illegible]"
[illegible]
وہ کررہا تھا۔ "دو کیپوچینو [illegible]
پیسٹریز۔"
"ویسے میں چائے اور کافی زیادہ شوق سے نہیں [illegible]
آپ کو کافی بہت پسند ہے۔" ویٹر آرڈر لے کر جا [illegible]
اس سے بولی۔
"ہاں کافی مجھے بہت پسند ہے۔ ویسے ایک [illegible]
آپ کہنا کچھ عجیب نہیں لگ رہا [illegible] اور [illegible]
مما پاپا اور قریبی دوست مجھے عابی کہتے ہیں [illegible]
تم مجھے عابی کہہ سکتی ہو۔"
وہ ابھی دوست نہیں بنی تھی کہ قریبی [illegible]
[illegible] کی جارہی تھی [illegible]
"میں تمہیں تم کہہ سکتا ہوں اگر تمہیں [illegible]
تو؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ اس سے [illegible]
"تم مجھے سب سے پہلے اتنی اچھی [illegible]
بتاؤ۔" وہ جواباً مسکرائی۔
"اس کا راز میری دادی ہیں۔ ویسے [illegible]
ماحول ایسا تھا کہ اردو میرے سارے بہن بھائی
بول لیتے ہیں مگر میری ذرا زیادہ اچھی [illegible]
دادی، دادا کے زیادہ نزدیک تھی خاص طور [illegible]

گھر کے اندر اردو کے علاوہ کسی اور زبان میں بات کرنا ہرگز
پسند نہیں کرتیں۔"
"اچھا تمہاری دادی بھی ہیں؟" اس نے دلچسپی سے
پوچھا۔
"ہیں صرف وہی ہیں۔ میرے دونوں بڑے بھائیوں اور
بہن کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ سب اپنی جابز کی وجہ سے
الگ الگ شہروں میں رہتے ہیں۔ نیویارک میں صرف میں
اور ماما جانی ہیں۔ میں اپنی دادی کو ماما جانی کہتی ہوں۔ دادی
سے تم یہ مت سمجھنا کہ وہ کوئی بوڑھی سی ڈل سی خاتون
ہوں گی۔ وہ ماشاء اللہ مجھ سے زیادہ ایکٹو اور اسمارٹ ہیں۔
تم انہیں دیکھو گے تو یقین نہیں کرو گے کہ وہ میری دادی
ہیں۔ بہت زندہ دل اور خوش رہنے والی ہیں وہ۔ فیشن کا
انہیں مجھ سے زیادہ پتا رہتا ہے۔ ان کے ساتھ وقت گزارو
تو بوریت نہیں ہوتی۔ ان کی کمپنی میں کوئی ینگ آدمی
بور نہیں ہوسکتا۔ مزے کی بات بتاؤں مجھے پرانی موویز
[illegible] گانے پسند آتے ہیں اور انہیں نئی موویز نئے
گانے [illegible] اور پاپا [illegible] میں اور میری [illegible] لگتی ہیں۔" اس
نے [illegible] دلچسپی سے [illegible] مسکرایا۔
"پھر تو تمہیں بہت مزا آتا ہوگا اپنی دادی کے ساتھ؟"
"ہاں بہت۔"
ان کی کافی اور کوکیز وغیرہ ان کی میز پر سرو ہوگئے تھے۔
اس نے کیپوچینو کے سپ لینے شروع کردیے تھے
اور عباد پیسٹری ایک پیسٹری کھارہا تھا۔
"تم پاکستان سے آئے ہوئے ہو؟" عباد نے سر اقرار
میں ہلایا۔
"وہاں پر کہاں سے؟"
"لاہور۔"
"میرے بھی ایک ماموں وہاں رہتے ہیں۔ میں ایک بار
ان کی بیٹی کی شادی میں وہاں گئی بھی تھی۔ تم یہاں پڑھنے
کے لیے آئے ہو؟"
"ہاں۔ ایم ایس کمپلیٹ کرتے ہی میں واپس چلا
جاؤں گا۔ وہاں میرے مما، پاپا ہیں اور میں انہیں بہت مس
کرتا ہوں۔"
اس نے مما، پاپا کا لفظ بڑی محبت سے ادا کیا۔ ایسے جیسے یہ
ادا کرتے اس کی زبان میں ڈھیر ساری مٹھاس گھل گئی
ہو۔
"میں اپنے مما، پاپا کا اکلوتا اور بہت لاڈلا بیٹا ہوں۔ زیادہ
تر بچے یا ماں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں یا باپ کے۔
میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں تو دونوں ہی کے
خاصا نزدیک ہوں۔ پاپا بھی میرے دوست ہیں اور مما بھی۔
سچ پوچھو میں اپنے پاپا ہی کی خواہش پر یہاں آیا ہوا ہوں۔ اے
لیول کے بعد جب میں ذرا چھوٹا بھی تھا اور پاپا نے مجھے
انجینئرنگ کے لیے امریکا بھجوانے کی بات کی تھی تب
میں نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا تھا۔ میں مما اور
پاپا کے بغیر رہنے کا تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تو پھر
انجینئرنگ کرتے کرتے جب ذرا سمجھ آگئی تو احساس ہوا کہ
میں پاپا کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ انہوں نے بہت خواب دیکھ رکھے
ہیں میرے لیے۔ وہ مجھے اعلا تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں۔
تب پھر کراچی میں این ای ڈی یونیورسٹی سے بی ای کرنے
کے بعد میں ایم ایس کرنے یہاں چلا آیا۔ میرے پاپا کی اپنی
کنسلٹنگ فرم ہے اور اگر اسے شو آف نہ سمجھو تو میں
اضافہ بھی کردوں کہ پاکستان کی لیڈنگ سول انجینئرنگ
کنسلٹنٹ میں سے ایک۔ فاروق ایسوسی ایٹس [illegible]
[illegible] پاپا کا خواب [illegible]
[illegible] پاکستان [illegible]
اور ان کی فرم کو مزید آگے لے جانے میں ان کے ساتھ
شامل ہوجاؤں۔"
وہ اسے اپنے بارے میں اور اپنے والدین کے بارے
میں بتارہا تھا۔ وہ جس والہانہ محبت اور عقیدت سے اپنے
ماں، باپ کا ذکر کررہا تھا اس سے وہ متاثر بھی ہورہی تھی
اور حیران بھی۔
"دیکھو گی میرے مما، پاپا کو؟" اس سوال پر اس نے تعجب
سے اسے دیکھا۔ وہ اس وقت اسے اپنے ماں باپ کہاں
سے دکھا سکتا تھا۔ اس نے اپنی ٹراؤزر کی پاکٹ سے والٹ
نکالا اور اس والٹ میں سے دو تصویریں۔
"یہ میرے پاپا ہیں عذیر فاروق اور یہ مما ہاجرہ عذیر۔ میں
اپنے پاپا جیسا ہینڈسم نہیں ہوں وہ تو اس ایج میں بھی ڈیشنگ
لگتے ہیں۔ پہلے اپنی بی ای کے دوران میں پاپا کی فرم بہت
زیادہ جاتا تھا۔ سمجھو یونیورسٹی کے بعد کا سارا وقت میں ان
کے آفس میں ہوتا تھا اور ان کے آفس کی انجینئرز اور
آرکیٹیکٹ لڑکیاں ان میں کئی پاپا پر فدا تھیں۔ میں مما
سے کہتا تھا آپ ذرا ٹھیک سے تیار وبار ہوکر رہا کریں پاپا
آفس میں سارا وقت حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہتے
ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ ہنیہ کو اس کے ماں باپ کے ذکر میں کوئی دلچسپی ہے بھی یا نہیں' اس کی پروا کیے بنا وہ بولے جا رہا تھا۔

وہ حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اس کے عمر کے کسی لڑکے کو اس نے کبھی اپنے ماں' باپ کا اس شدت اور محبت سے ذکر کرتے سنا نہیں تھا۔

"تم اپنے مما' پاپا سے بہت پیار کرتے ہو؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت۔" وہ جواب دیتے مسکرایا۔ پھر لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر اداسی یوں چھائی جیسے وہ اس وقت بھی اپنے مما' پاپا کو بہت مس کرنے لگا تھا۔

"میں مما پاپا کے پاس پاکستان واپس جانے کے لیے یہاں اپنا ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے۔ مجھے پاکستان واپس جانا ہے۔"

اس نے چونک کر عباد حیدر کو دیکھا۔ اس نے دوسری بار یہ بات کہی تھی۔ وہ اسے بار بار یہ بات کیوں بتا رہا تھا کہ وہ اپنا مستقبل اپنا آنے والا کل امریکہ میں نہیں پاکستان میں دیکھتا ہے۔ پھر کچھ پل وہ دونوں خاموشی کافی پیتے رہے۔ عباد نے اپنا کپ خالی کر کے میز پر واپس رکھا تب اس کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں تم سے ایک بات پوچھوں ہنیہ؟" اس نے گردن اقرار میں ہلائی تب وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو' میرا سوال تھوڑا پرسنل سا ہے' اگر تمہیں برا لگے یا تم جواب نہ دینا چاہو تو مت دینا میں مائنڈ نہیں کروں گا۔"

یا اللہ! اتنی لمبی تمہید... یا تو وہ بے دھڑک اور بے جھجک' خود اعتمادی سے ہر بات کرتا تھا یا اس طرح ہچکچا رہا تھا' کچھ کنفیوزڈ سا بھی لگ رہا تھا۔

"تم کہیں پر انگیجڈ ہو یا کوئی کمٹمنٹ یا کوئی...."

"یا کوئی بوائے فرینڈ' جو تمہیں میرے ساتھ بیٹھا دیکھ کر تمہاری گردن مروڑ دے۔"

وہ ہچکچا کر ایک پل کے لیے رکا تھا اور اس نے اس کی بات اچک کر خود مکمل کر دی تھی۔ ایک بہت پر اعتماد بندے کو اس طرح ہچکچاتا اور سنبھل سنبھل کر بات کرتا دیکھ کر اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ اسے نہ مردوں کی فطرت کا کوئی بہت زیادہ پتا تھا اور نہ ہی مردوں سے متعلق کوئی تجربہ' پھر بھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح کی بات کسی لڑکی سے کر رہا تھا اور اسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح کی بات کہی کس طرح جاتی ہے۔

وہ اس چویشن کو اس کے لیے ہرگز آسان نہیں بنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس کی ہچکچاہٹ کے جواب میں خود اعتمادی سے بولی۔

"میں تمہیں انگیجڈ لگتی ہوں؟"

"نہیں...."

"اور کمیٹڈ؟"

"لگتی تو نہیں ہو۔"

"بس پھر جو تمہیں لگتا ہے وہی صحیح ہے۔" اس نے اپنا کپ خالی کر کے ساسر پر رکھ دیا تھا۔

"چلیں؟" عباد کے چہرے پر لکھا نظر آ رہا تھا کہ وہ ابھی اس سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ مگر اس کے "چلیں" کہنے پر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ بل پے کرنے لگا تب وہ احتجاجی انداز میں چلائی۔

"یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔"

"کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔" وہ دونوں اردو میں بات کر رہے تھے اور امالین ویٹر ہونق کھڑا انہیں باہم بحث و تکرار کرتا دیکھ رہا تھا۔

"لیکن بل تم پے کر رہے ہو؟" عباد نے اپنے والٹ سے نکالا کریڈٹ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تم دے دو۔"

"لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔"

"کتنی بحث کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل بننا چاہیے تھا۔"

"میں بحث کر رہی ہوں یا تم میل شاؤنزم کا جیتا جاگتا سمبل بنے بیٹھے ہو۔"

وہ خفگی سے بولتی میز پر سے اٹھ گئی۔ وہ بل پے کر کے اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ کچھ غصے اور کچھ خفگی میں باہر نکلی تھی' کچھ غلطی اس کی تھی اور کچھ سامنے سے آنے والی گاڑی کی۔ وہ گاڑی اسے ٹکر مارتی ہوئی گزر جاتی اگر عباد "ہنیہ" کہہ کر زور سے چلاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف نہ کھینچتا۔ ایک پل کے لیے اس کا ذہن بالکل ماؤف سا ہو گیا تھا۔ خوف سے تھر تھر کانپتے اس نے خود میں اور موت میں انچ بھر کا فاصلہ دیکھا تھا۔ وہ اس کی خوف زدہ اور رنگ اڑی

شکل کو تشویش سے دیکھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس سے کچھ بولا نہیں گیا اس نے صرف گردن ہلائی۔ زندگی اور موت میں صرف اتنا سا فاصلہ ہوتا ہے، موت کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر اس کی آواز بند ہوگئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے ہی اسے واپس ریسٹورنٹ لے آیا اور داخل ہوتے ہی جو پہلی میز نظر آئی اس کی کرسی پر اسے بٹھادیا۔ ویٹر سے پانی لانے کا کہہ کر وہ اب فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا ہنیا؟"

اس نے پانی کا گلاس ایک گھونٹ میں خالی کرکے میز پر رکھا اور سر اثبات میں ہلایا۔ وہ ان چند منٹوں میں خود کو سنبھال چکی تھی۔ فوری طور پر جس شاک کے زیر اثر آئی تھی اس سے بھی نکل گئی تھی۔

"چلیں؟" اس نے اپنا ہینڈ بیگ دوبارہ شانے پر ڈالتے [illegible] عباد سے [illegible] گاڑی والی [illegible] کیا؟" عباد نے کچھ [illegible] اس سے پوچھا۔ [illegible] "گاڑی کے متعلق [illegible] میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اسے بتایا۔

وہ ایک دم ہی اس کے پاس سے اٹھ کر خدا جانے کہاں چلا گیا وہ اسے ریسٹورنٹ سے باہر نکلتا کچھ تعجب سے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس آکر بولا۔

"میں نے کیب روکی ہے، تم اس میں گھر جاؤ۔ اتنے شاک کی حالت میں سب وے میں جانا ٹھیک نہیں۔"

وہ اپنے لیے فکرمند ہوتے اس شخص کو دیکھتی رہ گئی۔ ماما جانی کے سوا اس کی زندگی میں دور دور تک کوئی شخص ایسا نہیں تھا، جسے اس کی اس طرح فکر ہو۔ وہ ایک حادثے کا شکار ہوتے بال بال بچ گئی تھی، اسے بہرحال نہ کوئی چوٹ لگی تھی نہ کچھ اور ہوا تھا مگر وہ اس کے لیے یوں فکرمند تھا جیسے پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہوگیا ہے۔ اب چونکہ وہ کیب روک چکا تھا اس لیے وہ اس کے ساتھ اٹھ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ مگر باہر نکل کر جب اس نے عباد کا اپنے ساتھ کیب میں بیٹھنے کا ارادہ دیکھا تب وہ فوراً بولی۔

"میں ٹھیک ہوں عباد! تم فکر مت کرو میں آرام سے گھر پہنچ جاؤں گی۔"

"لیکن میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"مگر عباد۔"

"تم اتنی بحث کیوں کرتی ہو ہنیا سجاد؟" اس نے اس کی بات کاٹ کر ناراضی سے اسے گھورا۔

"اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگ رہی کہ تم اپنے دس کام چھوڑ کر مجھے میرے گھر چھوڑنے جاؤ۔"

پیلی کیب کا دروازہ کھول کر کھڑی وہ اس سے بحث کر رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی کہ وہ یک دم فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اب میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔" وہ ہار مانتی خاموشی سے کیب میں بیٹھ گئی تھی، عباد درمیان میں کچھ فاصلہ رکھتے اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

کیب چلنا شروع ہوئی تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ آواز میں اس سے بولا۔

"اتنی لاپروا ہو کر سڑک پر مت چلا کرو ہنیا! جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی تو ایک لمحے کے لیے میں بری طرح ڈر گیا تھا۔"

اسے وہ لمحہ اچھی طرح یاد تھا جب خوف سے چلاتے عباد نے پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کا کوئی بھی نہیں تھا مگر اسے اس کی فکر تھی۔ پتا نہیں کیوں مگر اچانک ہی اسے عباد عذیر کے وجود سے اس کی اپنے قریب موجودگی سے تحفظ کا احساس ہونے لگا۔ وہ یک دم ہی خود کو بہت محفوظ سا محسوس کرنے لگی۔ عباد نے صرف اسے بلڈنگ کے باہر تک ہی نہیں چھوڑا بلکہ کیب ڈرائیور کو چند منٹ وہیں رکنے کا کہہ کر اس کے ساتھ اندر تک آیا۔ لابی انٹرینس میں آجانے کے بعد اس نے باقاعدہ اسے لفٹ تک چھوڑا۔ وہ اس کے لفٹ میں داخل ہوجانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہر چند کہ مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ تم صرف مجھے چھوڑنے یہاں آئے ہو اور اب کیب میں واپس وہاں جاؤ گے جہاں اس وقت تمہیں جانا تھا لیکن عباد تمہارا بہت شکریہ۔"

"مجھے دوستوں سے شکریہ وصول کرنے کی عادت نہیں ہے لہٰذا اپنا شکریہ فوراً واپس لے لو اور اب گھر جا کر آرام کرو۔ اپنی لاپروائی سے اپنا بھی خون خشک کیا ہے اور مجھے بھی ڈرایا ہے۔"

لفٹ آگئی تھی وہ اس میں داخل ہوگئی تھی۔ جب تک

لفٹ کے خودکار دروازے بند نہ ہوئے اور جب تک اسے باہر کا منظر نظر آتا رہا، وہ تب تک وہیں کھڑا ہوا تھا۔

اور وہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی، جب اس نے کبھی اس کے تصور میں اس کی ڈمپل ڈالی خوب صورت مسکراہٹ آنے لگتی۔ کبھی اسے دیکھتے ہی جو بے ساختہ چمک اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی اسے وہ یاد آنے لگتی۔ کبھی اس کا گھبراتے اور ہچکچاتے وہ کہیں انگیجڈ یا کسی کے ساتھ کمیٹڈ تو نہیں ہے، پوچھنا مسکرانے پر مجبور کرتا۔ کبھی اس کے وجود کا تحفظ دیتا انداز ایک نیا نیا سا احساس اس دل میں جگانے لگتا۔ اگر یہ حادثہ ہوجاتا تو نہ جانے کیا ہوجاتا۔ اس کے دل کو ایک نئے ہی انداز سے دھڑکانے لگتا۔

اس پوری رات وہ عباد عذیر کو سوچتی رہی تھی۔ اس پوری رات وہ اس کے ساتھ رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز اسے کیمپس میں ملا تھا وہ۔ لو میموریل لائبریری میں آئی ہوئی تھی۔ وہاں اس کی ایک دوست ہینی جو کولمبیا یونیورسٹی ہی کے آرٹس اسکول میں زیر تعلیم تھی، اس کے اور اس کے کلاس فیلوز کی پینٹنگز کی نمائش تھی اور اس نے ہنیا کو نمائش میں آنے کی دعوت دی تھی۔

لائبریری کا کسی زمانے میں مین ریڈنگ روم اب یونیورسٹی کے اسی نوعیت کے ایونٹس اور ایگزیبیشن کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وزیٹرز سینٹرز یہیں تھا، دیگر کئی طرح کے انتظامی امور سے متعلق دفاتر بھی اسی عمارت کے اندر قائم تھے۔ ساتھ ہی یہاں مختلف نمائشوں اور دیگر اسی نوعیت کے ایونٹس کا انعقاد بھی ہوتا رہتا تھا۔

لو لائبریری اپنے منفرد اور کلاسیکل آرکیٹیکچر کی وجہ سے کولمبیا یونیورسٹی کی پہچان تھی۔ یونانی فن تعمیر اور طرز تعمیر کی یہ ایک خوب صورت مثال تھی۔ قدیم یونانی طرز کی عمارت جس کے سامنے بہت سارے گول ستون بالکل سیدھ میں کھڑے تھے۔ یہ گول ستون عمارت کی فرنٹ Elevation کو ایک خوب صورت رنگ اور طلسماتی حسن عطا کیا کرتے تھے۔

لو لائبریری کی عمارت کافی اونچائی پر واقع تھی اور اس تک پہنچنے کے لیے خوب صورت پتھر سے بنی سیڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ ان سیڑھیوں کے اسٹیپ بہت چوڑے اور بہت کشادہ تھے۔ ان ہی اسٹیپ پر مشہور فرانسیسی مجسمہ ساز ڈینئل چیسٹر کا بنایا "Alma Mater" کا مجسمہ نصب تھا۔

کولمبیا یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کے لیے یہ جگہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اپنا فارغ وقت گزارنا اور دوستوں سے ملنا ملانا پسند کیا کرتے تھے۔ یہ سیڑھیاں ہر وقت اسٹوڈنٹس سے بھری رہتی تھیں۔ ان کشادہ اور طویل اسٹیپس پر بے فکری سے گھنٹوں بیٹھنا جیسے کولمبینز کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ یہ سیڑھیاں اتنی طویل، اتنی چوڑی اور اتنی کشادہ تھیں کہ ان پر ایک وقت میں اسٹوڈنٹس کا ایک ہجوم آسانی سے سما سکتا تھا۔

وہ پینٹنگز دیکھنے اور ہینی سے مل لینے کے بعد مین ریڈنگ روم سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی جب اسے عباد پرووسٹ کے آفس سے باہر نکلتا نظر آیا۔ اس کی ہنیا کی طرف پشت تھی، اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ چہرہ دیکھے بغیر صرف پشت سے عباد کو پہچان گئی تھی۔ وہ اس کے قریب آگئی تھی۔ "عباد!" وہ بے ساختہ اور فوراً گھوما۔ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں وہی چمک ابھری تھی جو اسے اچھی بھی لگتی تھی اور جس کی وہ عادی بھی ہونے لگی تھی۔

"ہنیا... کیسی ہو؟"

"ٹھیک... کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں، ڈاکٹر الیگزینڈر کے آفس ایک کام سے آیا تھا۔" اس نے پرووسٹ کا نام لیا، وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"چلو کہیں چل کر بیٹھیں، ویسے آدھے گھنٹے بعد ہمارا گروپ ڈسکشن ہے پروفیسر ہیری کے ساتھ، لیکن اتنی دیر تو ہم بات کرسکتے ہیں نا؟" عباد اس سے بولا۔ وہ دونوں لو لائبریری کی عمارت سے نکل کر سیڑھیوں پر آگئے۔

حسب معمول اور حسب دستور اس وقت بھی وہاں اسٹوڈنٹس الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں کافی تعداد میں موجود تھے۔

"تم بیٹھو... میں ذرا کھانے کے لیے کچھ لے آؤں، لنچ نہیں کیا، اب بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی، وہ تھوڑی

ہی دیر میں آگیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں [illegible] گلاس جن میں اسٹرابیری شیک تھا اور ایک پیپر پلیٹ جس میں سینڈوچز تھے موجود تھے۔ اس کا گلاس اسے پکڑا کر اور سینڈوچز کی پلیٹ ان دونوں کے درمیان رکھ کر وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"تمہاری کیا ہابیز ہیں ہنیا؟ پڑھائی کے بعد کا ٹائم تم کیسے گزارتی ہو؟"

سینڈوچ کھاتے ہوئے عباد نے اس سے پوچھا۔

"ماما جانی کے ساتھ' فرینڈز کے ساتھ۔ بشریٰ اور مائیکل جسے ہم لوگ مائیک کہتے ہیں۔ میرے بیسٹ فرینڈز ہیں ان کے ساتھ۔ ہابیز میں مجھے پرانی فلمیں دیکھنا پسند ہے' سمندر کے کنارے واک کرنا پسند ہے۔ تھوڑی رومنٹک ٹائپ کی ہوں مجھے چاندنی راتیں' بارش اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ جیسے اس وقت بیٹھی ہوں ایسے بیٹھ کر سامنے ان سفید سفید [illegible] کو دیکھنا اچھا لگتا [illegible]"

"مجھے [illegible] آج کل تو مجھے ہنیا تمہارے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔ ویسے مجھے فٹ بال میں بہت انٹرسٹ ہے۔ دیکھنے میں بھی اور کھیلنے میں بھی۔ اس کے علاوہ میوزک کا بھی شوق ہے۔ میں گٹار اچھا خاصا بجا لیتا ہوں' تھوڑا بہت گا بھی لیتا ہوں۔ کئی مین دوستوں کی محفل میں۔"

وہ اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے بول رہا تھا۔ اس کے جملے کے ابتدائی حصے کو قصداً" نظرانداز کرکے اس نے میوزک والی بات پر اپنے کمنٹس دیے۔

"پھر تو کبھی میں بھی تم سے گٹار سنوں گی۔"

عباد کے گروپ ڈسکشن کا وقت ہونے لگا تھا' وہ کھڑا تو ہوگیا مگر یوں جیسے بحالت مجبوری ——— اٹھ رہا ہو' ورنہ اس کے پاس سے جانے کا اس کا دل نہ چاہ رہا ہو۔

✿ ✿ ✿

پھر باقی سارا ہفتہ اس کی عباد کے ساتھ کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی نگاہوں نے کیمپس میں آتے جاتے اسے تلاشا ضرور تھا مگر وہ نظر کہیں نہیں آیا تھا۔ وہ ایم ایس کرنے کے ساتھ اپنے ایک پروفیسر ڈاکٹر اینڈریو نیل جو یہاں وزیٹنگ فیکلٹی ممبر تھے اور ایک کنسلٹنگ فرم میں پارٹنر تھے' وہاں ان کی فرم میں جزوقتی ملازمت اس انداز میں کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اینڈریو اسے اپنے ساتھ اپنے مختلف پروجیکٹس میں بطور [illegible] معاون شامل کرلیا کرتے تھے۔

وہ ان کا فیورٹ اسٹوڈنٹ تھا' اور ان کی خواہش [illegible] کے آفس میں ان کے ساتھ کام کرکے اپنا سول انجینئرنگ [illegible] تجربہ وسیع کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان دنوں بہت مصروف رہا [illegible] تب ہی پورے ہفتے اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ ہفتے [illegible] رات جب وہ سونے لیٹ رہی تھی تب اس کا فون آیا [illegible]

"تم کہاں تھے؟" اس نے پوچھنے سے خود کو بمشکل [illegible] تھا اور "ہائے" اور "کیسے ہو" پر اکتفا کیا تھا۔

"کل کیا کر رہی ہو؟ کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟" [illegible] نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں؟"

"تم کہہ رہی تھیں ناں تمہیں پرانی فلموں کا شوق ہے۔ Gone with the wind لگی ہوئی ہے [illegible] میں۔ میں نے دو ٹکٹس لے لیے ہیں۔ چلو گی؟"

اس نے فوراً "ہاں" [illegible] اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھرلی [illegible] کے ساتھ وقت طے کرکے عباد نے کہا کہ وہ اسے [illegible] کے اپارٹمنٹ سے پک کرے گا۔ وہ دوستوں کے ساتھ [illegible] گھومنے پھرنے' آؤٹنگ اور ڈنرز وغیرہ پر جاتی رہتی تھی۔ اپنے لباس اور تیاری کے متعلق وہ اتنی کونشس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اسے تیار ہونے اور سنورنے کا زیادہ شوق ہی نہیں تھا۔ اسے بالوں کی کٹنگ کے لیے بھی ماما جانی زبردستی دھکے دے دے کر بھیجا کرتی تھیں اور اپنی اس بہت مہنگی کٹنگ کا یہ بالوں کو بینڈ لگا کر ستیاناس کردیا کرتی تھی۔

مگر آج اپنی تیاری کے لیے اس کی فکر دیدنی تھی۔ اس نے بلیک جینز کے ساتھ پنک کلر کی انڈین اسٹائل کی کرتی جو اسے اس کی ایک انڈین فرینڈ نے گفٹ کی تھی پہنی تھی۔ فل سلیوز اور ہائی نیک والی اس کرتی پر شیشوں اور دھاگوں کا بڑا خوب صورت کام بنا ہوا تھا۔ چہرہ جسے وہ روز صرف دھونے کی زحمت کرتی تھی۔

آج اس کی بڑے اہتمام سے کلینزنگ ہوئی تھی۔ بالوں کو بلوڈرائی کرکے کٹنگ کو دوبارہ اس کی اصلی حالت میں واپس لایا گیا تھا اور تو اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگائی گئی تھی۔

"ہنی! یہ تمہارا کوئی خاص دوست ہے؟" ماما جانی نے اس کی تیاریوں کو بغور دیکھتے آخر پوچھ ہی لیا تھا۔

"خاص تو نہیں بس دوست ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا ماما جانی' عباد غذیر نام ہے اس کا۔ پاکستان سے آیا ہوا ہے یہاں ایم ایس کرنے۔ بہت اچھا ڈیسنٹ لڑکا ہے۔" اس نے اپنی ہائی ہیل والی سینڈل پہنتے انہیں جواب دیا۔ "وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے ماما جانی آپ کو؟" وہ ان کے لہجے کی معنی خیزی پر جھنجلا کر بولی۔

"میں کیا اس سے پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں باہر نہیں جاتی؟ ابھی پرسوں ہی میں جیک کے ساتھ [illegible] کرنے گئی تھی۔ آج آپ مجھے ایسے دیکھ رہی ہیں جیسے میں پہلی بار کسی کے ساتھ کہیں باہر جا رہی ہوں۔"

"پہلی بار اپنی عمر کے مطابق لڑکیوں کی طرح تیار ہو کر جا رہی ہو۔ جینز کے اوپر کوئی سی بھی اوٹ پٹانگ ٹی شرٹ اور سوئٹر اور کر نہیں۔ بہرحال مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے تمہارا یہ روپ اور وہ اچھا لڑکا بھی جس نے ہنیا سجاد جیسی [illegible] کو لڑکیوں کی طرح تیار ہونا سکھادیا۔"

وہ ماما جانی کے ان کمنٹس کو [illegible] وقت مقررہ پر نیچے اتر آئی تھی' جہاں اس کی بلڈنگ کے باہر گاڑی میں عباد اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے تھے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"تھینکس۔" وہ گاڑی چلاتا گاہے گاہے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کبھی بھی ایسی نہیں ہوتی تھیں' جن سے وہ جھجکے' اس کی نگاہوں میں اپنائیت چاہت اور محبت کے سوا کوئی رنگ نہیں ہوتا تھا۔

مووی تو اس نے پہلے بھی دیکھی ہوئی تھی مگر اسے اس کے ساتھ دیکھنا بہرحال بہت اچھا لگا تھا۔ فلم دیکھتے ہوئے اس نے عباد کو بتایا تھا کہ مووی سے بھی زیادہ اسے یہ ناول پسند ہے اور اس کا ہیرو آل ٹائم فیورٹ ہیرو ہے۔ اسے تو پرانی موویز کا شوق تھا' وہ پتا نہیں بغیر شوق کے اتنے شوق سے اس مووی کو کیسے دیکھ رہا تھا۔ مووی ختم ہونے کے بعد وہ اسے ایک اچھے سے انڈین ریسٹورنٹ میں ڈنر کرانے لے آیا تھا۔

"آج دیسی کھانوں کا دل چاہ رہا ہے۔ تمہیں پاکستانی اور انڈین کھانے پسند ہیں؟"

عباد نے پہلے اس سے پوچھا تھا اور جب اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تب وہ وہاں آگیا تھا۔ پالک پنیر' روغنی نان' زعفرانی پلاؤ' فیرنی اور برفی آرڈر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس ڈنر کو اس نے بے حد انجوائے کیا تھا۔ بے تکلفی سے کھانا کھاتے ہوئے اس دوران وہ اس سے مختلف موضوعات پر بات کرتی رہی تھی۔ پڑھائی' پروفیسرز' دوست' اپنے گھر والے' ماما جانی' اسی طرح عباد بھی اپنی باتیں اس سے کرتا رہا تھا۔

اس کی باتیں زیادہ تر اس کے مما اور پاپا کے ذکر پر مشتمل تھیں۔ وہ بڑے مزے سے اسے بتا رہا تھا کہ روزانہ تین یا چار بار اس کی اپنے مما اور پاپا سے فون پر بات ہوتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی بات شروع کرتا یا پڑھائی یا جاب کی کوئی بات بتانے لگتا' اس بات میں کہیں نہ کہیں اپنے مما پاپا کا ذکر ضرور کرتا۔ اس کی ہر بات میں خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہو' اس کے مما پاپا کا ذکر خود بخود ہی آجاتا تھا۔ نمکین' میٹھا اور گرین ٹی کے بعد ڈنر مکمل ہوگیا تب وہ دونوں وہاں سے اٹھے۔

آج بل پے کرنے کے معاملے پر وہ اس سے الجھی نہیں تھی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کہیں بھی جائے گی بل ہمیشہ وہ پے کرے گا۔ ہنیا کے حساب سے آج کی یہ شام جو انہوں نے ساتھ گزاری تھی اس کا اختتام ہوگیا تھا۔ اب عباد کو اسے اس کے گھر ڈراپ کر دینا تھا مگر وہ بجائے اس کے گھر جانے والے راستے پر جانے کے کہیں اور جانے لگا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"بس ہے ایک جگہ۔ ابھی تمہیں پتا چل جائے گا۔"

اس کے دو تین دفعہ کے استفسار کے جواب میں وہ سسپنس پیدا کرنے والے انداز میں بولا۔ اس نے ایک کثیرالمنزلہ رہائشی بلڈنگ کی پارکنگ میں لا کر گاڑی روک دی تھی۔ وہ حیران اور ناسمجھی کے عالم میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ اسے کہاں لے کر آیا تھا؟ یہاں کون رہتا تھا؟

لفٹ سے دسویں منزل پر اترنے کے بعد وہ ایک اپارٹمنٹ کے دروازے پر آکر رک گیا۔ ابھی صرف رات کے آٹھ بجے تھے اور بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ عباد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جیب سے ایک کی چین نکال کر جس میں کئی چابیاں لگی ہوئی تھیں' اس میں سے ایک چابی دروازے میں لگانے لگا۔ یہ عباد کا

نے اسے کھول کر اس میں سے ایک بریسلٹ باہر نکالا۔

"فیشلی تو ہمارا رشتہ تب ہی طے ہو گا جب ممّا پاپا تمہاری ماما جانی سے ہمارے رشتے کی بات کریں گی۔ انگیجمنٹ رنگ بھی میں تمہیں تب ہی پہناؤں گا لہٰذا آج رنگ نہیں دے رہا۔ لیکن ایسا سوکھا سا پرپوز کرنا بھی اچھا نہیں لگتا، اس لیے تمہارے لیے یہ بریسلٹ لایا ہوں۔"

یہ بریسلٹ بھی یقیناً وہ اسے پچھلے سنڈے کو دینا چاہتا ہو گا جب اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔ وہ بریسلٹ کا لاک کھول رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بریسلٹ اسے پہنایا، پھر اس کا ہاتھ آگے کھینچ اور اپنے قریب کر کے غور سے دیکھا۔ "اتنی بری چوائس بھی نہیں ہے میری۔"

"مجھے کہہ رہے ہو یا بریسلٹ کو؟"

"دونوں کو۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

وہ وائٹ گولڈ کا بہت نازک اور خوب صورت سا بریسلٹ تھا، یقیناً بہت قیمتی بھی تھا۔ اسے خریدنے میں عباد نے یقیناً کافی پیسے خرچ کیے تھے۔ مگر اسے اس سے وہ قیمتی تحفہ لینا ذرا بھی برا نہ لگا۔ برا کیا اسے وہ بریسلٹ بہت اچھا لگا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں موجود اس بریسلٹ کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ یہ میں نے اپنے پاپا کے پیسوں سے خریدا ہے۔"

"نہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ رہی۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ وہ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، اسے نیویارک میں عیش سے رہنا چاہیے، کوئی کام کاج کرنے کی بھلا اسے کیا ضرورت ہے، ایسا کوئی انداز اس نے عباد عذیر میں نہ دیکھا تھا۔ اسے اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ایک فون کال پر اس کے پاپا جتنا پیسہ وہ کہتا اسے بھجوا سکتے تھے مگر وہ پھر بھی ڈاکٹر اینڈریو کے ساتھ ان کی فرم میں دن رات لگ کر انتہائی جانفشانی سے کام کیا کرتا تھا۔ بے پناہ محنت کیا کرتا تھا، مختلف پروجیکٹس میں ان کی معاونت کیا کرتا تھا اور اس کا صلہ اسے اچھی ذاتی بہترین کمائی کے طور پر ملا کرتا تھا۔

اس کا ہاتھ ابھی بھی عباد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی اس بریسلٹ ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ پاکستان میں رہ لوگی ناں نمیہ؟ بس یہ ایک Sacrifice (ایثار) ہے۔ میں تم سے … ہوں، تم میری خاطر اپنا ملک چھوڑ دو۔ یہ کہہ رہا … کے علاوہ میں تم سے اور کچھ چھوڑنے کے لیے … گا۔ مجھے پتا ہے، تمہارے لیے یہ ایک بہت بڑا اور … فیصلہ ہو گا۔ اپنا ملک، اپنا شہر، اپنا رہن سہن کسی کے … چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے پاکستان واپس … ہے نمیہ! میرا ماسٹرز جیسے ہی کمپلیٹ ہو گا، میں پاکستان چلا جاؤں گا۔ میں امریکہ میں نہیں رہوں … ماسٹرز کرتے ہی واپس پاکستان چلا … ہے۔ وہاں … ممّا پاپا میری راہ دیکھ رہے ہیں۔ میں پاکستان شاید چھوڑ … سکتا ہوں مگر میں اپنے ممّا پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ یک دم ہی بے حد سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔ وہ کچھ ٹینشن اور خوف کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا … جیسے یہ سوچ رہا ہو کہ اگر نمیہ نے اپنا ملک چھوڑنے … انکار کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔

"تمہیں ان کے بغیر رہنا بھی نہیں چاہیے … اکلوتے بیٹے ہو، انہیں تمہاری بہت ضرورت ہو گی۔ … سوال میرا تو میں تمہارے ساتھ صرف پاکستان کیا … کسی بھی ملک اور کسی بھی شہر میں جا کر رہ سکتی ہوں۔"

جب عباد نے یہ سوال کیا تو خود بخود ہی اس … سے یہ جواب نکلا۔ وہ اپنے جواب پر دم بخود رہ گئی تھی۔ اتنی آسانی سے اپنا ملک چھوڑنے اور کہیں اور زندگی گزارنے پر آمادہ تھی؟ اور کہیں اور بھی وہ پاکستان … سے اسے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں تھی؟ جس کے متعلق تھا "کوئی اچھی آراء نہ رکھتی تھی؟" اس نے اپنے دل ٹٹولا۔

وہ نہ دم بخود تھا نہ حیران۔ وہ بے تحاشا خوش تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عباد عذیر اگر ساتھ ہو تو وہ کسی ویران، بنجر اور بے آب و گیاہ ریگستان میں بھی زندگی گزار سکتی ہے۔ … طمانیت اور سرشاری سے بھرپور انداز میں یک دم … تھا۔

"ہم ہر سال چھٹیوں میں نیویارک آیا کریں گے، میں … سے وعدہ کر رہا ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ کے اوپر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر کے اسے اپنے وعدوں کی سچائی کا یقین دلا رہا تھا۔

"میں تمہاری ماما جانی سے ملنا چاہتا ہوں نمیہ۔"

"میں ماما جانی سے بات کر کے تمہیں بتاؤں گی۔"

دونوں … کے ساڑھے تین بجے تک بوٹنگ کرتے رہے تھے۔

یہ اس کی زندگی کے وہ کامل ترین خوشیوں بھرے لمحات تھے جن کے لیے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ کبھی ختم نہ ہوں۔

"ایک بات کہوں عباد، یہ پانی کا سفر، یہ کھلا آسمان اور چمکتی ہوئی دھوپ چاندنی رات سے زیادہ جادوئی اور رومانٹک ہے۔ میں آج کے اس دن کو اپنی ساری زندگی یاد رکھوں گی۔"

بوٹنگ کے اختتام پر جب وہ دونوں کشتی سے اتر رہے تھے تب اس نے عباد سے کہا تھا۔ کشتی بوٹ ہاؤس پر لوٹا کر وہ دونوں بوٹ ہاؤس ریسٹورنٹ میں آگئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے اندر بیٹھنے کے بجائے انہوں نے اس کے آؤٹ سائڈ ٹیرس پر بیٹھنا پسند کیا تھا کہ یہاں سے جھیل کا منظر دیکھنا زیادہ دلکش اور سحر انگیز تھا۔ انہوں نے بالکل کنارے والی میز منتخب کی تھی … پانی کے زیادہ سے زیادہ نزدیک بیٹھ سکیں … لطف اندوز ہوتے اب وہ جھیل میں بوٹنگ کرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ نظروں کے سامنے حد نگاہ تک پھیلا پانی، سبزہ، اس خوب صورت منظر میں بیٹھ کر تو کھانا کھانے کا زیادہ مزہ آ رہا تھا۔ کھانے کے بعد جب وہ ریسٹورنٹ سے نکل آئے تب اس کی فرمائش پر ایک طرف گارڈن میں گھاس پر بیٹھ کر عباد نے اسے گٹار پر چند دھنیں سنائی تھیں۔ وہ گٹار واقعی اچھا بجا رہا تھا۔ اس نے تالیاں بجا کر اور خوب دل کھول کر اسے داد دی تھی۔

شام پانچ بجے وہ دونوں واپسی کے لیے اٹھ گئے تھے۔ اب یہاں سے عباد کو اپنے گھر کی راہ لینی چاہیے تھی اور اسے اپنے۔ مگر وہ کیب میں پہلے اسے اس کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ اسے ہنسی بھی آ رہی تھی اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ وہ نیویارک میں پیدا ہوئی، پلی بڑھی، اور وہ اسے یوں چھوڑنے جا رہا تھا جیسے وہ اپنے ہی شہر کے راستوں اور لوگوں سے انجان کوئی ڈرپوک سی لڑکی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا اس کے پاکستان میں ایسا ہی ہوتا ہے، مرد اپنے سے وابستہ خواتین کی یونہی پروا کرتے ہیں، یونہی ان کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بڑا نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماما جانی نے تمہیں کل رات کھانے پر بلایا ہے۔"

اس نے اگلے ہی روز عباد کو فون کر کے کہا تھا۔ وہ ماما جانی سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی، اس نے کل شام گھر واپس آتے ہی انہیں عباد کے پرپوز کرنے سے لے کر باقی بھی ہر بات بتادی تھی۔ اس کے سب بہن بھائیوں نے اپنی پسند سے شادیاں کی تھیں۔ جنید کی بیوی، اس کی بڑی بھابی ترکی کی تھیں اور خالصتاً جنید کی اپنی پسند تھیں، جبکہ معاذ نے ایک خالص امریکن اور عیسائی لڑکی سے شادی کی تھی جو اس سے شادی کے لیے مسلمان ہوئی تھی۔ بسیمہ کے شوہر خالد کو آباؤ اجداد کے لحاظ سے تعلق تو پاکستان سے رکھتے تھے مگر بسیمہ اور ان کی شادی بھی سو فیصد پسند کی شادی تھی۔ … نے ان سے شادی کا فیصلہ کر لینے کے بعد والدین اور دادی کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ اگر … کی طرح ماما جانی کو اپنی پسند اور فیصلے سے آگاہ کر دیتی، انہوں نے تب بھی اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینا تھا مگر وہ چاہتی تھی کہ ماما جانی اس کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دل کی خوشی اور رضامندی سے عباد کو قبول کریں۔ وہ دادی تھیں، مگر انہوں نے اسے ماں بن کر پالا تھا۔ ان کا بہت حق تھا اس پر۔ وہ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں ان کی بھی خوشی اور رضامندی چاہتی تھی۔

عباد اس کی بات سنتے ہی کچھ نروس سا ہو گیا تھا۔ یا تو خود فرمائش کی تھی ماما جانی سے ملنے کی یا اب نروس ہو رہا تھا۔

"سنو وہ مجھے پسند کر لیں گی نا؟" وہ فون پر … اس سے یہی پوچھے جا رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے عباد! ایسے نروس ہو رہے ہو جیسے میں تمہیں ماما جانی سے نہیں بلکہ پتا نہیں کس خطرناک شخصیت سے ملنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔"

"یار! زندگی میں پہلی بار اس طرح کسی لڑکی کے گھر جا رہا ہوں اس کے گھر والوں کو خود کو دکھانے۔ وہ مجھے پسند کریں گے یا نہیں، اس بات کی ٹینشن تو ہوتی ہے ناں۔" وہ اس کے شرم دلاتے جملوں کے جواب میں وضاحتی انداز میں بولا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ماما جانی نے عباد کے لیے خاصا اہتمام کیا تھا۔ نمیہ ان سے ملوانے اس طرح پہلی بار کسی لڑکے کو گھر پر بلا رہی تھی۔ یہ خاصا اہم موقع تھا۔ ماما جانی نے ڈنر کے لیے کافی کچھ بنایا تھا۔ نمیہ نے بھی اس تیاری میں ان کا ساتھ دیا

تھا۔ ماما جانی عباد کے لیے پاکستانی کھانے بنا رہی تھیں ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ہاں کے کھانوں اور گھر کے ذائقے کو یقیناً یہاں پر بہت مس کرتا ہوگا۔ انہوں نے کھڑے مسالے کا قیمہ، آلو میتھی، گلاب جامن اور چپاتیاں جو روٹین میں ان کے گھر نہیں بنتی تھیں بنائیں جبکہ منیبہ نے ترامیسو، رشین سلاد اور فرائیڈ رائس بنائے تھے۔ ماما جانی کا دعوا تھا کہ وہ ان بدیسی کھانوں کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔

ایک تو بھائی کی مصروفیت کے ساتھ کُکنگ کا نام ہی کم ملا کرتا تھا اور اگر ملتا بھی تو اسے بس اسی طرح کی ڈشز بنانی آتی تھیں اسے پاکستانی کھانے بنانے بالکل بھی نہیں آتے تھے۔

عباد وقت کی پابندی کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے ان کے گھر پر موجود تھا۔ اس نے عباد کے لیے جا کر دروازہ کھولا تو اس کی تیاری دیکھ کر پہلے حیران ہوئی، پھر بے ساختہ ہنسی۔ [illegible] تمام چیزیں بھی تھیں اور وہ انہیں [illegible] بلیک کوٹ، سوٹ اور شرٹ اور ٹائی کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو بڑے قرینے اور زبردست اسٹائل کے ساتھ جیل سے جمائے اور خوب صورت بلیک شوز پہنے وہ عباد لگ ہی نہیں رہا تھا جس کے لیے شیو بنانا بھی بڑا مشکل کام ہوا کرتا تھا۔ وہ واقعی بڑے شوق سے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

"ٹھیک لگ رہا ہوں؟" ٹائی کی ناٹ درست کرتے اس نے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خوب صورت سا بکے اور ایک فینسی شاپنگ بیگ تھا۔

وہ اسے اندر لے آئی اور ماما جانی اس سے آکر ملیں تو اس نے وہ دونوں چیزیں انہیں سلام دعا کرتے ہوئے پیش کیں۔ جیسے سنی بات اس نے یاد رکھی تھی اس نے یہ یاد رکھا تھا کہ اس کی ماما جانی روایتی نانیوں، دادیوں سے مختلف ہیں اور انہیں نئی فلمیں اور نیا میوزک پسند ہے سو وہ ان کے لیے موجودہ دور کے امریکن روک بینڈز کے کافی سارے البمز لایا تھا۔ ماما جانی کو وہ لڑکا پہلی نظر میں پسند آچکا تھا۔

دوران گفتگو کے انداز سے یہ بات جا چکی تھی کہ انہوں نے اس سے کھانا لگانے کے لیے کہا اور جتنی دیر میں اس نے کھانا لگایا۔ عباد عزیر کی اس کی دادی کے ساتھ بے تکلف دوستی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کے قہقہوں کی آوازیں اسے ڈائننگ ٹیبل تک سنائی دے رہی تھیں۔

ماما جانی تو تھیں ہی دل سے جوان، انہیں ینگ لوگوں کے ساتھ بیٹھنا، باتیں کرنا اچھا لگا کرتا تھا، رہا عباد تو وہ بھی خوش مزاج، زندہ دل اور جلدی گھل مل جانے والا تھا۔ اس کی ماما جانی کے ساتھ خوب مزے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کھانے کے وقت ماما جانی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس نے اس کی بنائی کسی بدیسی ڈش کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف چپاتیاں، قیمہ اور آلو میتھی کھا رہا تھا۔

گھر کی روٹی دیکھ کر اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ چپاتیوں کو بڑی عقیدت اور محبت سے کھا رہا تھا۔

"ترس گیا تھا میں تو گھر کی روٹی کے لیے۔ ماما جانی! اگر کبھی میرا دل چاہے تو کیا میں گھر کی روٹی کھانے آپ کے ہاں آ سکتا ہوں۔"

انہیں ماما جانی کہہ کر خطاب کرنے سے تو وہ پہلے ہی ان کا دل جیت چکا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا انہیں ماما جانی ہی کہہ رہا تھا بالکل اسی کی طرح۔ اب جو اس نے گھر کی روٹی کے ہجر اور فراق کی داستان سنائی تو ماما جانی کا ممتا بھرا دل پردیس میں تنہا اس بچے کے لیے مزید گداز ہو گیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کریں۔

"فکر کیوں کرتے ہو میرے لال! میں تمہیں روز چپاتیاں پکا کر بھیجا کروں گی۔"

ندیدوں کی طرح وہ پتا نہیں کتنی ساری چپاتیاں کھا گیا تھا۔ ماما جانی کو وہ اتنا زیادہ پسند آچکا تھا کہ انہوں نے اسے صرف کھانا کھلایا ہی نہیں بلکہ گھر لے جانے کے لیے ساتھ باندھ کر بھی دیا۔ انہوں نے باقی بچی تمام چپاتیاں، قیمے اور آلو میتھی کا سالن اور گلاب جامنیں سب کچھ اس کے لیے پیک کروا دیا تھا۔

"جب گھر کے کھانوں کا دل چاہا کرے بے تکلف آجایا کرو، یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ بس فون پر بتا کر آنا۔ یہ منیبہ تو اسپگیٹی، پاستا اور چاولوں میں خوش رہتی ہے، خالی اپنے لیے کون جھنجھٹ کرے، اس لیے میرا دل چاہتا ہے تو اسٹور سے کچی پکائی روٹی لے آتی ہوں۔ مگر تم بتا کر آؤ گے تو تمہارے لیے گرم گرم چپاتیاں بنا کر رکھوں گی۔"

اسے نظر انداز کیے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مگن رہے تھے۔ ان کی اس طرح گاڑھی چھنتے دیکھ کر اسے لگ رہا تھا ان دونوں کی موجودگی میں وہ آئندہ بھی اسی طرح اگنور ہوا کرے گی۔

"میں پاس ہو گیا نا؟" گھر واپس جانے کے بعد عباد نے لیٹ نائٹ اسے فون کیا تھا۔

"اتنی چاپلوسی اور چمچہ گیری کے بعد تمہیں پاس ہونا ہی تھا۔"

"میں بلاوجہ اتنا ڈر رہا تھا۔ ماما جانی تو اس قدر سوئیٹ ہیں۔"

"انہوں نے چپاتیاں ساتھ باندھ کر دے دی ہیں اس لیے وہ سوئیٹ لگ رہی ہیں۔"

"ناراض ہو؟ میں نے تمہارا ترامیسو نہیں کھایا اس لیے۔" وہ اس کے چڑنے پر ہنسا۔

"ناراض نہیں ہوں لیکن فکر مند ضرور ہوں۔ یہ تو میری ماما جانی تھیں تو ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں تو گھر کی پکی روٹیاں کھلا کر کوئی بھی تمہارا دل جیت سکتا ہے۔ میرا کیا ہوگا کل کہیں سے کوئی سگھڑ بیگم آکر نکل آئیں جو چپاتیاں بہت عمدہ بناتی ہوں۔"

"تو میں ان سے کہوں گا۔ آپ اپنی چپاتیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھیے میں اپنی ہنی کے بنائے پاستا اور اسپگیٹی ہی میں خوش ہوں۔" وہ بڑے انداز سے بولا۔

"ہنی؟" اس نے تعجب سے اس لفظ کو دہرایا۔ اسے سب ہنی ہی کہتے تھے۔ اس کے ممی پاپا جب زندہ تھے وہ یا ماما جانی ہی کبھی کبھار پیار میں اسے ہنی کہہ دیا کرتے تھے ورنہ اور کوئی نہیں۔

"ہاں ہنی۔ اگرچہ کہ باتیں تم اس وقت شہد جیسی میٹھی نہیں کر رہیں مگر منیبہ کو مختصر کرنا چاہوں تو ہنی ہی بنتا ہے۔"

وہ اس وقت بقول اس کے شہد جیسی میٹھی باتیں نہ کرتی اس کے دائیں ہاتھ میں پہنائے بریسلٹ کو اپنے بائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ گھما رہی تھی۔ اس پر آہستگی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔ وہ اتنا نازک، اتنا ڈیلیکیٹ سا تھا کہ وہ اسے کچن کے یا اس طرح کے کسی کاموں کے دوران احتیاطاً پہنتی نہیں تھی۔ مگر جب ایسا کوئی کام نہ ہوتا تو پھر اسے پہنے رہتی تھی۔ اس بریسلٹ کی ہر دم اپنے قریب موجودگی اسے اچھی لگتی تھی۔

"ممی پاپا کا امریکہ آنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں بجائے فون پر انہیں تمہارے بارے میں بتانے کے، جب وہ یہاں آئیں گے تب ڈائریکٹ تمہیں ان سے ملواؤں۔"

چپاتیوں کا ذکر ختم کر کے عباد نے یہ بات کہی تو وہ یک دم ہی کونشس سی ہو گئی۔

"ایسے میں فون پر انہیں بتاؤں گا تو کہیں گے تو وہ کچھ نہیں، مگر دل میں پتا نہیں تمہارے متعلق کیا سوچیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پاکستانی اوریجن رکھتی کوئی بہت ماڈرن اور آزاد خیال امریکن لڑکی سمجھیں۔ میں چاہتا ہوں ان کے اوپر تمہارا پہلا امپریشن ہی شاندار پڑے۔ تم سے انہیں پہلی بار ملواؤں گا تو انہیں بتاؤں گا بھی نہیں کہ اس لڑکی کو میں نے پسند کیا ہے، اس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یونہی ایک دوست کہہ کر تمہیں ان سے ملواؤں گا۔ ممی پاپا خود ہی سے سمجھ جائیں تو الگ بات ہے مگر میں انہیں شروع میں بتاؤں گا نہیں۔ اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں پہلی ملاقات ہی میں دل و جان سے پسند کرنے لگیں گے۔"

"میں انہیں پسند آجاؤں گی ناں عابی؟ دیکھو میں بہت زیادہ خوب صورت بھی نہیں ہوں۔"

جس بات پر وہ اس کا اتنا ریکارڈ لگا رہی تھی، اتنا مذاق اڑا رہی تھی اب خود کی باری آئی تھی تو وہی بات اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کس نے کہا تم خوب صورت نہیں ہو؟ مجھ سے پوچھو میں تمہیں بتاؤں کہ منیبہ سجاد اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

وہ اپنا بدلہ چکانے اور اسے زچ کرنے کے بجائے نرمی سے بولا۔

"تمہیں لگتی ہوں عابی! اس لیے تمہیں مجھ میں کوئی کمی نظر ہی نہیں آتی مگر کیا میں انہیں اچھی لگ پاؤں گی؟"

"بالکل لگو گی۔ مما تو ہیں ہی ایسی کہ انہیں دنیا کی ہر لڑکی اچھی لگتی ہے، اپنی بیٹی جیسی لگتی ہے اور رہ گئے پاپا تو میری پیش گوئی ہے منیبہ کہ تمہاری پہلی ہی ملاقات میں دوستی ہو جائے گی۔ انہیں ذہین، پُر اعتماد، اعلا تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسا رکھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی ڈگری کی وجہ سے کریں گے۔ ان کی ہونے والی بہو بھی ان کے اور ان کے بیٹے کی طرح انجینئر ہے اس بات سے تو وہ بہت ہی خوش ہوں گے۔ یار! انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی ہمیشہ خوب بنتی ہے۔"

وہ اس کی تسلی آمیز ان باتوں کے باوجود اندر سے تھوڑی سی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ عباد کی طرح نہیں' اسے لوگوں کے دل موہ لینے نہیں آتے تھے۔ جیسے اس نے آکر منٹوں میں ماما جانی کا دل موہ لیا تھا' ویسی صلاحیت اور خوبی اس میں نہ تھی۔ عباد کو تو جیسے اللہ نے یہ صلاحیت ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ جس سے ملے اسے اپنا والہ و شیدا بنا لے۔

"ہنیہ... ایسا ہو گیا ہے یار! تم مما پاپا کو ضرور پسند آؤ گی اور بہت پسند آؤ گی' بلاوجہ کیوں نروس ہو رہی ہو۔ بلکہ میں تو یہ دعوا بھی کر سکتا ہوں کہ تمہارے سامنے وہ دونوں مجھے کم لفٹ کروایا کریں گے۔ تمہاری جس طرح کی نیچر ہے وہ اور پھر مما پاپا جس مزاج کے ہیں' وہ مجھے یقین ہے یوں چٹکیوں میں دوستی ہو جائے گی تمہاری ان دونوں کے ساتھ۔ پتا ہے مما پاپا کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی ایک بیٹی بھی ہو۔ [illegible] پہلی ملاقات میں ان کے [illegible] اپنے فیصلے پر [illegible] اترا جاؤ گی۔"

[illegible] اچھی [illegible] لیے باقی ساری دنیا کو بھی اچھی [illegible] خوش قسمتی [illegible] ہاں وہ دعا ضرور [illegible] عباد کے عنقریب امریکہ آنے والے والدین کو وہ پسند آجائے۔ بیٹی کے طور پر نہ سہی کم از کم ان کی بہو کے طور پر ہی۔ عباد اب اسے یہ بتا رہا تھا کہ اس کی مما کو اس کی شادی کی کتنی جلدی ہے۔ وہ جب پاکستان میں تھا اور ابھی انجینئرنگ کے آخری سال میں آیا ہی تھا انہیں تب سے اس کی منگنی کروانے کا شوق ہو گیا تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا ادھر وہ انجینئرنگ کی ڈگری لے' ادھر وہ اس کی شادی کرا دیں۔

"وہ مجھ سے کہتی تھیں میں جس بھی لڑکی کو پسند کروں گا' وہ وہاں رشتہ لے جائیں گی۔ انہیں میری پسند دل و جان سے قبول ہو گی۔ اور میں ان سے کہتا تھا مما! ابھی تک آپ کے جیسی کوئی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی نرمی اور محبت ہو گی' جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوب صورت ہو گی اور جو مجھ سے بالکل ویسی محبت کرے گی جیسے ہاجرہ عذیر میرے پاپا سے کرتی ہیں۔ پتا ہے ہنیہ! مما' پاپا میں بہت انڈراسٹینڈنگ ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مما پاپا کا اتنا دھیان رکھتی ہیں۔ روزانہ خود اپنے ہاتھوں سے پاپا کے لیے لنچ بنا کر ان کے آفس بھجواتی ہیں۔ پاپا کو کھانے میں سلاد کھانے کا بہت شوق ہے تو نئی نئی طرح کا سلاد بنا کر ان کے لیے بھیجتی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں ہماری زندگی بھی ویسی گزرے جیسی مما' پاپا کی ہے۔"

وہ اس کی ٹینشن دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ اس کے ماما' پاپا بہت اچھے اور کھلے ذہن کے لوگ ہیں' وہ بیٹے کی پسند کو دل و جان سے قبول کر لیں گے۔ اس کی ٹینشن اور فکرمندی دور کرنے کے لیے [illegible] تک اس سے یونہی ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا تھا۔ رات [illegible] تک وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس سے پہلے باتیں کرتے کرتے وہ ریسیور کان سے لگائے لگائے ہی سو گئی تھی۔ اسے شب بخیر اور خدا حافظ کہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ نیند کی وہ پکی تھی اور نیند بھگا بھگا کر باتیں کرتے وہ کس وقت سو گئی۔ اسے خود پتا نہیں تھا۔

اگلے دن اس نے عباد کو فون کیا تو وہ ہنستے ہوئے بتانے لگا کہ وہ اپنے ایک دوست کا کوئی قصہ اسے سنا رہا تھا' کافی [illegible] تب جب اس قصے [illegible] کوئی کمنٹس [illegible] ہاں' اچھا' سنائی نہیں دیا [illegible] میں جا کر [illegible] محترمہ خدا حافظ کہے بغیر ہی سو چکی ہیں۔

پھر تو جیسے اس طرح روز رات میں فون پر بات کرنا ان دونوں کی پکی عادت بن گیا تھا۔ وہ اسے فون کرتا اور [illegible] کہ جب میں سو جاؤں' فون تب بند کرنا۔ وہ روز ایسا ہی کرتا۔

ان کے اپارٹمنٹ میں ان کا ایک دوسرے سے تعلق اب کوئی چھپی بات نہ تھی۔ وہ عباد کے کلاس فیلوز ہوں یا ہنیہ کے' سب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہنیہ سجاد' عباد عذیر کو belong کرتی ہے' اور کسی نے بھی اسے اپنی [illegible] نظروں سے دیکھنے یا زیادہ فری ہونے کی کوشش کی' عباد عذیر اس کی گردن واقعی توڑ دے گا۔ کیمپس میں ان کی کلاسز کے اوقات اور مصروفیات ایک دوسرے سے الگ الگ تھیں کہ وہاں ان کی ملاقات روز نہیں ہو پاتی تھی' مگر کیمپس میں نہ مل پانے کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے سے روز ملتے تھے۔ پڑھائی کی مصروفیات کے علاوہ عباد کی اپنی فرم کی بھی مصروفیات تھیں۔ وہ وہاں کسی کسی پروجیکٹ میں ڈاکٹر اینڈریو کی معاونت کر رہا ہوتا تھا۔ کسی روز وہ مصروفیات میں بہت گھرا ہوتا' بہت تھکا ہوا ہوتا' وہ کہتی بھی کہ آج نہیں ملتے' مگر وہ بالکل نہ مانتا۔

"تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں؟"

"تم تھکے ہوئے ہو اس لیے کہہ رہی ہوں۔"

"تم سے مل کر میری ساری تھکن اتر جاتی ہے لڑکی! تمہاری شکل دیکھ لوں تو ایک دم فریش ہو جاتا ہوں۔"

ان باتوں کے بعد پھر اس کے انکار کا کوئی جواز نہ رہ جاتا۔

باہر ملنے کے علاوہ عباد ہر دوسرے تیسرے دن ان کے گھر پر بھی موجود ہوتا تھا۔ اور وہاں وہ خود کو اور ماما جانی کو انٹرٹین کرنے پر زیادہ آیا ہوا ہوتا تھا۔ وہ ماما جانی کا فیورٹ بن گیا تھا اور وہ تقریباً ہر دوسرے روز ہی اس کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر ہنیہ سے اسے فون کرواتیں۔

"ہنیہ! عباد کو فون کر کے کہو آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔ میں نے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں۔"

آلو کے پراٹھے' بیسنی روٹیاں' پوریاں' کچوریاں' اب ان کے گھر میں اسی قسم کی دیسی ڈشز بننے لگی تھیں۔ اب ان کے گھر میں چپاتیاں پابندی سے بننے لگی تھیں۔ پاکستانی کھانوں کی خوشبو میں ان کے کچن سے ہر وقت آیا کرتی تھیں۔ اس روز پھر وہ دونوں باہر نہیں ملتے تھے۔ عباد کی ماما جانی کے ساتھ چند ہی دنوں میں اتنی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ جیسے پتا نہیں کب کی واقفیت ہے۔ وہ ان کے ساتھ ان کے مطلب کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنی سہیلیوں اور میل جول کی خواتین کے متعلق باتیں اور گوسپس کر کے بہت خوش ہوتی تھیں۔ وہ بھی بھرپور دلچسپی لیتا' مختلف عورتوں کی غیبتیں کرتا کہیں سے انجینئر عباد عذیر نہیں لگتا تھا۔

ماما جانی اسے کیوں اتنا نہ چاہتیں' اسے لوگوں کے دل جیتنے کے تمام گر آتے تھے۔ ماما جانی نے یونہی تذکرۃً بتایا ہو گا کہ جو موئسچرائزر وہ استعمال کرتی ہیں' وہ آج کل کہیں مل نہیں رہا۔ وہ تو تھیں ہی ایسی' اپنا خوب خیال رکھتیں۔ زندہ دلی سے زندگی گزارتیں۔ انہوں نے تو یونہی تذکرۃً کہا تھا مگر عباد پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر وہی موئسچرائزر ان کے لیے لے آیا تھا۔ اب ان باتوں کے بعد وہ ماما جانی کا دوست کیونکر نہ بنتا؟ اس کی خوب گہری دوستی ہو گئی تھی' ماما جانی کے ساتھ۔

ایک دو بار جب وہ ہنیہ کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے باہر لے جا رہا تھا' تب انہیں بھی زبردستی ساتھ لے گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے پہلے پہل صاف منع کر دیا تھا کہ ان ینگ لوگوں کے بیچ ان کا کیا کام ہے' وہ دونوں جا کر انجوائے کریں۔ مگر اسے اپنی بات منوانی آتی تھی۔ ضد سے' لاڈ سے' ناراضی دکھا کے' آخر کار وہ انہیں ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ وہ عباد کے نزدیک ہوئی تھی تو اس کی شخصیت کی خوبیوں کو قریب سے جانا تھا۔ وہ اسے کیمپس میں پہلے پہل ایک لاابالی اور لاپروا سا لڑکا نظر آیا تھا مگر جب اسے قریب سے دیکھا اور جانا تو پتا چلا وہ اس تاثر سے بہت مختلف تھا بلکہ وہ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں ہی سے بہت مختلف تھا۔ حساس' نرم دل' دوسروں کی پروا کرنے والا۔ چوبیس' پچیس سال کی عمر کے لڑکے کہاں ایسے ہوتے ہیں جیسا وہ تھا۔ یہ عمر تو لاپروائی اور بے نیازی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا کے ہنگاموں اور رنگینیوں میں کھو جانے اور محفلوں میں گم رہنے کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں تنہائی' بڑھاپا' اکیلا پن ان باتوں کے تو معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر وہ ان سب کو سمجھتا تھا۔

اسے اس روز عباد اتنا پیارا' اتنا اچھا لگا تھا جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ اپنی ہی بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں رہنے والے ایک 78 سالہ بوڑھے مصری نژاد امریکی کی تنہائی بانٹنے' اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اس سے ملنے جاتا تھا۔ ہر اتوار پابندی سے اس کے ساتھ گزارتا تھا' دو تین گھنٹوں پر مشتمل طویل وقت' جس میں وہ بوڑھا اپنے سب دکھ اس سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بچے سب اسی شہر میں رہتے تھے مگر باپ سے ملنا تو درکنار سال' چھ ماہ میں ایک بار ایک فون کال باپ کو کر لینے کی بھی فرصت ان کے پاس نہ تھی۔

اس نے اپنی خوبیاں جتانے کے لیے ہنیہ کو یہ سب نہیں بتایا تھا بلکہ ہوا یوں تھا کہ اس اتوار وہ اتفاقاً ہی اس کے اپارٹمنٹ آگئی تھی۔ عباد کے پاس انجینئرنگ سے متعلق کتابوں کا زبردست ذخیرہ تھا اور اسے اس کے پاس سے کچھ کتابیں چاہیے تھیں۔ وہ بغیر فون کیے وہاں آگئی تھی۔ عباد کہیں باہر جانے کے لیے تیار نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی ہنیہ کو دے کر یہ کہا تھا کہ اسے کہیں ضروری کام سے جانا ہے' ہنیہ آرام سے کتابیں دیکھ لے اور جب جانے لگے تو اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کر کے چابی اس کی بلڈنگ کے کیئر ٹیکر کو دے جائے۔ کہہ کر وہ چلا گیا۔

وہ کتابیں دیکھنے میں کھوئی تو اسے وقت کا پتا بھی نہیں چلا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ اٹھی اور اتفاقاً ہی عباد کے

اپارٹمنٹ کی بالکونی میں نکل آئی۔ بالکونی سے اس پارک کا منظر صاف نظر آیا تھا' جو عباد کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کی بیک سائیڈ پر اور بالکل نزدیک تھا۔ بیچ میں ایک ون وے روڈ اور سامنے پارک تھا۔

پارک میں کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے' کچھ لوگ اپنے پالتو کتوں اور بلیوں کی زنجیریں تھامے ٹہل رہے تھے۔ پارک اتنا نزدیک تھا کہ سب ہی کچھ واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں گھومتے گھومتے ایک بینچ پر جا کر رک گئی تھیں۔ اس پر عباد اور ایک شخص بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ وہ کہیں کام سے جانے کا کہہ کر گیا تو وہ سمجھی وہ پتا نہیں کہاں اور کتنی دور گیا ہے' جبکہ وہ تو اپنے اپارٹمنٹ کے اتنے نزدیک موجود تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ کے دروازہ لاک کر کے خود بھی اس پارک ہی میں آ گئی۔

عباد نے اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوتے اس کا تعارف اس بوڑھے آدمی سے کروایا تھا۔ ایک اتنے بوڑھے اتنے ضعیف شخص کے ساتھ عباد کو یہاں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اسی وقت فٹ بال کھیلتے بچوں کی بال اچھلتی عباد کی گود میں آ کر گری اور ان میں سے ایک بچے نے دور سے ہی اسے آواز دی۔

"عابی! کم آن۔" بڑا بے تکلفانہ انداز تھا اسے بلانے کا۔ پتا چلا وہ سب بچے عباد ہی کی بلڈنگ میں یا پھر آس پاس کی بلڈنگز میں رہتے تھے اور وہ سب عباد کے دوست تھے۔ وہ سب بہت دیر سے اسے کھیلنے کے لیے بلا رہے تھے اور وہ عبداللہ نامی اس بوڑھے شخص کے ساتھ بیٹھا انہیں کچھ دیر میں آنے کا یقین دلا رہا تھا۔ اس بار بچوں کو ٹالنے کے بجائے وہ اٹھا اور فٹ بال کو اپنے پیروں سے کک لگاتا ان بچوں کے قریب پہنچ گیا۔ ایک سیکنڈ کے اندر وہ ان بچوں کے کھیل میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ ان آٹھ' نو اور دس سال کی عمر کے بچوں کے بیچ بچہ بنا ان کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا تھا۔

"اب یہ بچے اسے اتنی جلدی نہیں چھوڑیں گے' تم بیٹھ جاؤ۔"

عبداللہ نے اس سے کہا۔ وہ ان کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی تھی اور تب عبداللہ نے اس سے عباد کی تعریفیں شروع کرتے ہوئے اسے یہ بتایا کہ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ تنہا وقت کاٹنا اس کے لیے عذاب بن جاتا ہے اور ایک بوڑھے بیمار شخص کے ساتھ وقت کون گزارنا چاہتا ہے' سو وہ اپنے گھر کی تنہائی اور اکیلے پن سے گھبرا کر یہاں اس پارک میں آ جاتے ہیں۔ یہیں ان کی عباد سے دوستی ہوئی تھی۔ اور اب عباد ہر سنڈے ان سے ملنے اس پارک چلا آتا ہے۔ ہفتے کے باقی دنوں میں بھی اسے جب بھی موقع ملتا ہے وہ صبح گھر سے نکلتے وقت یا شام میں لوٹتے وقت عبداللہ کے اپارٹمنٹ آ کر ان کی خیر خیریت معلوم کر لیتا ہے۔

وہ عباد کی بہت تعریفیں کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان سے باتیں کرنے والا ان کی باتیں سننے والا عباد کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔ عباد ہی انہیں زندہ ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن کر کھیلتے عباد عزیر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا اچھا تھا' وہ کتنا منفرد اور کتنا حساس تھا۔ اتنا نرم دل' وہ نیکی اور اچھائی کا جذبہ لیے بوڑھے عبداللہ سے ملتا تھا اور اپنی اس نیکی کو نبیہ سے بھی چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اتوار کے دن اس کے ساتھ کہیں جاتا تو شام ہوتے اسے واپسی کی جلدی ہونے لگتی تھی مگر اس جلدی کی وجہ اس نے نبیہ کو کبھی نہیں بتائی تھی۔ اسے عباد کی اس modesty پہ پیار آیا۔

"تو عباد عزیر ہر سنڈے کی شام کو اس پارک میں عبداللہ سے ملا کرتے ہیں۔" کچھ دیر بعد جب وہ دونوں تنہا ہوئے تب اس نے مسکرا کر عباد سے کہا۔

وہ اس کی شخصیت کے ایک اچھے پہلو' اس کی ایک نیکی سے واقف ہو گئی ہے' اس پر فخر میں مبتلا ہونے کے بجائے وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ فوراً گفتگو کا موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ خوبی اسے عباد سے اور نزدیک کر رہی تھی' عباد کے لیے اس کے دل میں موجود محبت کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

وہ بچے جو عبداللہ ہی کی طرح عباد کے دوست نظر آ رہے تھے' اس کے ساتھ مزید کھیلنا چاہتے تھے' وہ اسے بھی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اسے لگتا تھا صرف وہ اور ماما جانی ہی عباد عزیر کے گرویدہ ہوئے ہیں۔ وہ سراسر غلط تھی۔ عباد عزیر تو بوڑھوں' بچوں' واقف کاروں' ناواقفوں سب کا پسندیدہ تھا۔ وہ ہر دل عزیز تھا۔ وہ سب کے دل موہ لیا کرتا تھا' اسے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا آتا تھا۔ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا مگر بہت سادہ' خوش شکل' ذہین' اعلا تعلیم یافتہ مگر منکسر المزاج۔

عباد عزیر سے اسے محبت پہلے ہو گئی تھی اور اس کی خوبیاں بعد میں پتا چلی تھیں۔ اس کی شخصیت کی خوبیاں اور اچھائیاں اس پر آہستہ آہستہ اب آشکار ہو رہی تھیں۔ وہ اتنا خوبصورت دل رکھنے والا اتنا پیارا انسان اللہ نے اس کے لیے بنایا تھا۔ اسے خود پر پیار بھی آتا' فخر بھی ہوتا اور اس کا دل اللہ کا شکر گزار بھی ہوتا۔

☼ ☼ ☼

وہ عباد کو تلاش کرتی لیب میں آ گئی تھی۔ وہ اپنے معمولات اور روٹین سے اسے اس طرح آگاہ رکھتا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ آج اسے کمپیوٹر لیب میں اور اس کے بعد لائبریری میں کام ہے اور وہ اسے ان ہی دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ پر ملے گا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو عباد اسے وہاں نظر آیا تھا۔ وہ ایک مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا انڈین دوست موہن اور امریکن دوست جیف کھڑے تھے اور اس کا جاپانی دوست ہیروشی ان تینوں کے پیچھے ایک اسٹول پر بیٹھا ٹانگیں ہلاتا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ جبکہ اس کا فرنچ دوست نک اس وقت ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تینوں مشین کی طرف رخ کیے اپنے کام میں مشغول تھے۔ انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر کتاب پڑھتے ہیروشی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ جس طرح عباد کی نبیہ اور مائیک سے دوستی ہو گئی تھی' اسی طرح اس کی بھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اس کے دوستوں کے ساتھ اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ قریب آئی تو پتا چلا ہیروشی کوئی Text book نہیں بلکہ ہیری پوٹر پڑھ رہا تھا۔

"کمپیوٹر لیب میں ہیری پوٹر؟ ڈیوڈ اسٹین مین کہاں ہیں؟" اس نے لیب انچارج کا نام لے کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "وہ اس ریڈیو ایکٹو اسپائڈر کو ڈھونڈنے نکلے ہیں جس نے پیٹر پارکر کو کاٹا تھا۔" یہ تمام columbians کے درمیان ایک عام مذاق تھا۔

اس کی آواز پر عباد' موہن اور جیف نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ موہن اور جیف نے ہیلو کہہ کر خوش اخلاقی سے اس کی خیریت پوچھی تھی' جبکہ عباد فوراً ہی اپنا سب کام کاج چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

"چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔" جب ان دونوں کے ساتھ ان کے دوست بھی ہوتے' تب وہ آپس میں انگریزی میں بات کیا کرتے تھے۔

"لیکن تم مصروف ہو۔"

"مصروف ان کے کام میں ہیں ہم تینوں۔ یہ جو ٹانگیں جھلاتے ہیری پوٹر سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" عباد نے ہیروشی کو گھورا جو بتیسی کی نمائش کرتا کھل کر ہنسا تھا۔ گویا وہ تینوں دوست ہیروشی کا کوئی کام کر رہے تھے۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"اب کچھ کام خود بھی کر لو۔" اسے لتاڑتا عباد نبیہ کے ساتھ لیب سے باہر نکل آیا تھا۔ ان کا رخ لو اسپیس کی طرف تھا۔ اس کی طرح عباد کو بھی لو اسپیس پر بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ نبیہ کے 8th سمسٹر کی کلاسز کافی دن ہوئے شروع ہو چکی تھیں۔ اس سمسٹر میں سب سے اہم اس کے ڈیزائن پروجیکٹ تھے اور وہ ان ہی کے متعلق باتیں کرتی ہوئی عباد کے ساتھ چل رہی تھی۔

وہ دونوں لو اسپیس پر آ کر بیٹھ گئے۔ حسب معمول وہاں بہت اسٹوڈنٹس تھے۔ نیویارک کی شدید سردیاں ابھی پوری طرح شروع تو نہیں ہوئی تھیں مگر اپنی جھلک دن کے مختلف اوقات میں دکھانے ضرور لگی تھیں۔ اب کم از کم سوئٹرز کا استعمال لازمی تھا۔ مگر اس وقت چونکہ سورج نکلا ہوا تھا' سو وہاں بیٹھنا خوشگوار لگ رہا تھا۔ عباد نے کولمبیا یونیورسٹی کے Logo والی گرم جیکٹ جس کے ساتھ ٹوپا بھی جڑا ہوا تھا' پہن رکھی تھی۔ اس کی گود میں جو فائل رکھی تھی اس پر Proud to be nedian کا اسٹیکر چپکا ہوا تھا۔ وہ اس کی فائل پر یہ اسٹیکر چپکا پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ مگر اس بارے میں کہا آج تھا۔

"تم پڑھتے کولمبیا یونیورسٹی میں ہو اور Proud اپنے Nedian ہونے پر فیل کرتے ہو؟"

"مائی ڈیر! یہ محبت کا معاملہ ہے۔ اور محبت تو صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے اور زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ میں NED سے محبت کرتا ہوں' میں اپنے کیمپس سے' وہاں کی چھوٹی بڑی اچھی بری ہر بات سے محبت کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں پاگل لگوں کہ میں ایک اعلا درجے کی یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے اپنے اس ترقی پذیر ملک کی اس کولمبیا کے مقابلے میں کئی گنا چھوٹی اور ورلڈ رینکنگ میں کسی بھی نمبر پر نہ آنے والی یونیورسٹی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے' ڈیئر! میں کولمبیا کے مقابلے میں NED سے محبت کرتا ہوں' نیویارک کے مقابلے میں

کراچی سے محبت کرتا ہوں۔ وہ جیسا بھی ہے میرا شہر ہے۔ وہاں بہت کچھ بہت برا' بہت غلط ہے مگر وہ میرا اپنا شہر ہے۔ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں چلا جاؤں' کہیں بھی جا کر رہنے لگوں' کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھوں مگر NED اور کراچی دونوں سے محبت کرنا کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔"

"پھر تو تمہاری اس یونیورسٹی اور اس شہر سے میں بہت جلدی ملنا چاہتی ہوں عبادی!"

"ہاں تم ملوگی نا ان شاء اللہ بہت جلدی۔" وہ جواباً مسکرا کر بولا۔ باتوں کے دوران ذکر نکلا تو اس نے عباد کو بتایا کہ ماما جانی کی برتھ ڈے آرہی ہے مگر اس بار وہ اپنی دوستوں کو پارٹی دینے کے موڈ میں نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اب سالگرہ منانے سے انہیں اپنی بڑھتی عمر کا احساس زیادہ ہونے لگتا تھا۔ عباد اس رات ماما جانی کے بلانے پر ان لوگوں کے ساتھ ڈنر کرنے آیا تھا اور آتے ہی اس نے چٹکیوں میں ماما جانی کو برتھ ڈے منانے پر آمادہ کرلیا تھا۔

"... ایک اتنی حسین خاتون روز روز تو 75 سال کی نہیں ہوتیں۔ یہ موقع تو زندگی میں صرف ایک بار ہی آیا کرتا ہے۔" وہ ماما جانی کی فیورٹ اور ان کا ڈارلنگ یونہی تو نہ تھا وہ اتنے مزے سے ان کے حسن کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور وہ قہقہے لگا کر ہنس رہی تھیں۔

"To age with grace کی آپ سے بڑھ کر زندہ مثال میں نے نہیں دیکھی ماما جانی!"

ماما جانی کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔ اور پھر اس نے صرف کہا ہی نہیں تھا واقعی ان کی برتھ ڈے پارٹی میں آن بھی دھمکا تھا۔ ان کے اور ان کی سہیلیوں کے درمیان جو سب کی سب اس کی نانی اور دادی کی عمر کی تھیں' وہ مزے سے گھسا بیٹھا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عباد اپنے تھیسس کے کسی کام کے سلسلے میں تین' چار روز کے لیے بوسٹن جا رہا تھا۔ اسٹرکچرل انجینئرز میں MS کرنا تھا ہی مشکل کام' کورس کی پڑھائی بہت ٹف تھی' اس پر وہ اپنے ہر کام پر محنت اتنی کرتا تھا' ہر چیز بالکل پرفیکٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی اسٹڈیز کو بہت سنجیدگی سے لیتا تھا۔ اس کی ہر بات شروع اور ختم اسی جملے پر ہوتی۔

"پاپا کو مجھ سے بہت امیدیں ہیں۔ میں انہیں لیٹ ڈاؤن نہیں کرنا چاہتا۔ جو وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں میرا اول چاہتا ہے میں اس سے بھی بڑھ کر ثابت ہو سکوں۔"

یوں اسے بوسٹن یونیورسٹی میں وہاں کے سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کے ایک پروفیسر سے ملنا تھا۔ اسے وہاں اپنی کچھ ریسرچ بھی کرنی تھی۔ اور ڈاکٹر اینڈریو کے بھی اسے وہاں کچھ کام کرنے تھے۔ وہ بھی کرنے تھے۔ روز ان کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی اور رات فون پر جب اپنے جانے کا اسے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

"تم مجھ سے ملے بغیر چلے جاؤ گے؟"

اگلے روز عباد کی کیمپس میں اور اپنی فرم میں بہت زیادہ مصروفیات تھیں۔ کیمپس میں اگر آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو وہاں بات چیت کا موقع ملنا مشکل تھا۔ عباد کو کل وہاں اس کے ایڈوائزر نے بلایا ہوا تھا اور ان کے ساتھ طویل نشست کے بعد اس کے پاس ہنیہ سے ملنے کا اچھا مشکل تھا۔ شام ساڑھے سات بجے اس کی روانگی تھی اور اس سے پہلے کا وقت اس کا ڈاکٹر اینڈریو کی فرم میں جو وال اسٹریٹ پر تھی وہاں گزرنا تھا۔ "پر کل ملنا تھوڑا مشکل ہے۔"

"میں نہیں جانتی اگر تم مجھ سے ملے بغیر چلے گئے نا تو میں تم سے بات بھی نہیں کروں گی' تمہاری کوئی کال بھی ریسیو نہیں کروں گی۔" وہ دھونس جماتے فیصلہ کن انداز میں بولی۔ اس کی ناراضی سے بچنے کے لیے اب بے چارے نے بڑی مشکلوں سے کھینچ کھانچ کر سہ پہر تین بجے کا ٹائم ملنے کے لیے طے کیا تھا۔ اسے ففتھ ایونیو تو آنا ہی تھا' وہاں اسے ایک بک اسٹور سے آرکیٹکچر اور ڈیزائن پر کوئی خاص کتاب خریدنی تھی سو اس نے ہنیہ سے ففتھ ایونیو ہی میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کا پروگرام طے کیا تھا۔

اسے اس کی بے تحاشا مصروفیات میں سے وقت نکال کر زبردستی اور دھونس دھمکی سے ملنے پر مجبور کرنے کے بعد وہ خود صحیح وقت پر ریسٹورنٹ نہیں پہنچ سکی تھی۔ ڈاکٹر گراہم نے آج ایک ایکسٹرا کلاس ارینج کرلی تھی اور کلاس لے کر بھاگتے دوڑتے نکلنے کے باوجود بھی تین بج کر تیس منٹ پر ریسٹورنٹ میں پہنچی تھی۔ عباد ایک میز پر بیٹھا اسے اندر داخل ہوتا غصے سے گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"آئم سوری۔ آئم سو سوری۔ دیر ہو گئی نا' وہ ڈاکٹر گراہم...."

"آدمی کو محبت نہیں کرنی چاہیے۔" اس کی بات کاٹ کر عباد خفگی سے بولا۔ "اچھا بھلا آدمی خوار ہو کر رہ جاتا ہے

محبت کے پیچھے۔ پچھلے تیس منٹوں سے میں بیٹھا یہی سوچ رہا ہوں کہ عباد عزیز! عشق نے تمہیں واقعی نکما بنا دیا ورنہ تم آدمی کام کے تھے۔"

"سوری کہہ تو رہی ہوں۔ اچھا غصہ تھوک دو۔ یہ بتاؤ کیا لوگے؟" وہ اسے مناتے ہوئے لجاجت سے بولی۔

"فی الحال میں صرف غصہ پی رہا ہوں ہنیہ سجاد!" وہ کرسی پر سے کھڑا ہوگیا۔

"تم جا کہاں رہے ہو؟"

"بک اسٹور۔ اگر آپ کو یاد ہو تو مجھے ایک کتاب ارجنٹ خریدنی ہے اور آپ سے یہاں ملنے کے بعد مجھے وہ خریدنے جانا تھا۔ مزید یہاں بیٹھنے کا میرے پاس وقت نہیں۔ آپ اگر آنا چاہیں تو میرے ساتھ وہاں تک آسکتی ہیں۔"

وہ خفا خفا لہجے میں بولتا ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ غلطی جان بوجھ کر تو نہیں کی گئی تھی مگر تھی تو اسی کی' اس لیے فوراً ہی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔

(ففتھ ایونیو) پر ریسٹورنٹ سے چند قدموں ہی کی دوری پر وہ بہت بڑا سا اور چار منزلہ بک اسٹور واقع تھا جہاں وہ دونوں پیدل چلتے فوراً ہی پہنچ گئے تھے۔ بک اسٹور کے ریوالونگ ڈور کے ذریعے وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اس بک اسٹور میں تھیں ہی صرف آرکیٹکچر اور ڈیزائن سے متعلق کتابیں۔ آرکیٹکچر ہی کے الگ الگ موضوعات پر کتابیں الگ الگ سیکشنز میں چاروں فلور پر موجود تھیں۔

عباد فرسٹ فلور پر آگیا تھا۔ اسے جو کتاب خریدنی تھی وہ اس نے وہاں پر فوراً ہی نکال لی تھی۔ اب وہ مزید چند اور کتابیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت چونکہ اس سے ناراض تھا اس لیے اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے نظر انداز کرکے کتابیں دیکھے جا رہا تھا۔ وہ سامنے والے شیلف میں ہسٹری آف آرکیٹکچر سے متعلق کتابیں دیکھنے لگی تھی۔ سول انجینئرز کو آرکیٹکچر میں بہت زیادہ دلچسپی نہ بھی ہو تو بھی دلچسپی لینی پڑتی ہے جبکہ اسے تو قدرتی طور پر ہی آرکیٹکچر اور خصوصیت کے ساتھ ہسٹری آف آرکیٹکچر میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ قدیم مصری آرکیٹکچر پر ایک کتاب نکال کر دیکھ رہی تھی۔ وہ کتاب کے صفحات پلٹ کر اس میں موجود قدیم اور نایاب رنگین تصاویر اور نقشوں کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے عباد کو ایک دم تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھا۔ وہ جو کتاب دیکھ رہا تھا' اسے ایک دم اس کی جگہ پر واپس رکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟"

صبح دیر ہوجانے کی وجہ سے جلدی میں کپڑے استری کرتے اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔ اس کے جس ہاتھ میں کتاب تھی' اسی پر وہ جلا ہوا نشان اس کی کلائی پر نظر آرہا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس جلے ہوئے نشان کو بغور دیکھا۔

"وہ کپڑے آئرن کرتے جل گیا تھا۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیہ سجاد؟" وہ تشویش سے اس کی جلی ہوئی کلائی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ اتنا معمولی سا اس کا ہاتھ جلا تھا اور وہ اسے دیکھ اس طرح رہا تھا جیسے پتا نہیں اس کے کتنی خطرناک کوئی چوٹ وٹ لگ گئی ہے۔

"اس پر کوئی آئنٹمنٹ (مرہم) وغیرہ بھی نہیں لگایا تم نے؟"

"کم آن عباد! اتنا معمولی سا جلا ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسی لاپروائی سے بولی۔

"معمولی جلا ہے یا زیادہ مگر جلا تو ہے نا؟ تم اپنی کیئر کیوں نہیں کرتیں؟ چلو اب میں کتاب لے چکا ہوں۔" وہ ناراض لہجے میں بولتا اس ہسٹری آف آرکیٹکچر سیکشن سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔

"میں پے منٹ کرکے آتا ہوں۔ تم اوپر جا کر بیٹھو۔" عباد نے اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف اشارہ کرکے اس سے سنجیدگی سے کہا۔ پے منٹ وغیرہ سب نیچے گراؤنڈ فلور کے کاؤنٹر پر ہوتی تھی۔ بک اسٹور کے سب سے اوپر والے فلور پر پرنٹرز / ڈرافٹنگ سے متعلق کتابوں کے سیکشن کے علاوہ ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ بھی موجود تھا۔ عباد اس سے وہیں جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ جانے لگی تب عباد پیچھے سے اسی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کچھ آرڈر کر دینا۔ میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"

وہ اوپر آگئی اور آکر آئس کافی کا آرڈر کرنے کے بعد عباد

کا انتظار کرنے لگی۔ وہ دس نہیں پندرہ منٹ بعد واپس آیا تھا۔ وہ میز پر اس کے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور پھر اپنی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ وہ ایک آئنمنٹ تھا۔

"ہاتھ دکھاؤ۔" کارٹن میں سے ٹیوب باہر نکالتے ہوئے اس نے اس سے کہا۔ اس نے کچھ حیران سی ہوتے اپنی جلی ہوئی کلائی اس کے سامنے کردی۔ وہ اس کے لیے یہ آئنمنٹ خریدنے گیا تھا' اس لیے اسے دیر لگی تھی۔ ایسی ایسی وہ صبح شام اپنے کتنی چوٹیں لگاتی رہتی تھی' جلد بازی اس میں تھی اور جلدی کے چکر میں بھی ہاتھ جلا لینا' کبھی کہیں اور چوٹ لگا لینا تو جیسے اس کے لیے ایک معمول کی بات تھی۔ ایسے معمولی جلنے وغیرہ کو تو وہ کسی گنتی میں رکھتی ہی نہیں تھی۔ وہ حیرت سے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ جو ٹیوب میں سے آئنمنٹ نکال کر اس کی جلی ہوئی کلائی پر لگا رہا تھا۔ ایک ڈیڑھ انچ سے زیادہ جلا ہوا نشان نہ تھا جس پر وہ آہستہ آہستہ آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" اس نے آئنمنٹ لگاتے ہوئے ہی سر اٹھائے بغیر پوچھا۔ ایک ٹک اس کے جھکے چہرے کو دیکھتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سر جھکائے عباد کو اس کا انکار میں ہلتا سر کیسے نظر آسکتا تھا۔ اس لیے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے دن میں تین' چار بار لگا لینا۔ اس سے ٹھنڈک بھی پہنچے گی اور زخم جلدی ٹھیک بھی ہو جائے گا۔"

اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو قصداً" نظر انداز کرکے وہ اسی اکھڑے اکھڑے سنجیدہ انداز میں بولا اور ٹیوب کا ڈھکن بند کرکے اور اسے کارٹن میں دوبارہ ڈال کر آئنمنٹ اسے پکڑا دیا۔

"جلدی پیو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

وہ آئس کریم اور گرینڈ چاکلیٹ سے سجے اپنے آئس کافی کے گلاس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ اسی سنجیدہ اور خفا انداز میں اس نے گلاس اٹھا تو لیا مگر اس کا اب اسے پینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عباد نے چند گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کردیا تھا۔ وہ دونوں بک اسٹور سے باہر نکل آئے۔ عباد کے ہاتھ میں بک اسٹور سے خریدی کتابوں کے دو شاپنگ بیگز تھے' اس کے سامنے تو اس نے ایک ہی کتاب خریدنے کے لیے اٹھائی تھی' شاید بے منٹ کے لیے نیچے جاکر اسے کچھ اور کتابیں بھی اچھی لگ گئی تھیں۔ اسے سب وے کے ذریعے اپنے گھر اور عباد کو بس سے اپنے آفس جانا تھا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے سب وے اسٹیشن تک آگئے تھے۔

"یہ لو۔" عباد نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ میں ... شاپنگ بیگز میں سے ایک اسے پکڑا دیا۔

"کیا ہے اس میں؟" شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے لیتے اس نے پوچھا بھی اور ساتھ ہی اندر جھانکا بھی۔ قدیم مصری آرکیٹیکچر پر وہی کتاب تھی جو وہ ابھی ذرا پہلے بک اسٹور میں دلچسپی اور محویت سے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

"سنو' تم تو مجھ سے ناراض تھے؟"

"ناراض تھا نہیں' ناراض ہوں۔" وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لیے اس کے پاس سے مڑنے لگا۔

"تمہاری ناراضی ایسی ہوتی ہے تو راضی ہونا کیسا ہوگا عباد عذیر؟ ویسے تم ناراض ہو کس بات پر؟ دیر سے اس بات پر یا میں نے اپنا ہاتھ جلایا اس بات پر؟" مسکراتے ہوئے وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"دونوں باتوں پر۔" وہ اس کی مسکراہٹ نظر انداز کرکے سنجیدگی سے بولا۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھا رہا تھا۔

"بوسٹن سے میں تمہیں فون نہیں کروں گا۔ اگلے تین چار دن میں بہت بزی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں' میں کرلوں گی۔" اس نے پیچھے سے زور سے کہا تاکہ آواز اس تک واضح پہنچ سکے۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھے بہت کام ہیں' میں ڈسٹرب ہوں گا۔"

مڑے بغیر اس نے آگے چلتے چلتے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ اسے خدا حافظ کہنے اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے کی اس نے زحمت گوارا نہیں کی تھی' وہ بس اسٹاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اسے بس اسٹاپ کی طرف جاتا دیکھتے اس نے شاپنگ بیگ سے وہ کتاب نکالی۔ اس کتاب کو دیکھتے اس کے ٹائٹل پر ہاتھ پھیرتے اس کے لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے کتاب کو کھولا' اس کے پہلے صفحے پر خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

"لاپروا لڑکی! میرے لیے ہی اپنی پروا کرلیا کرو۔ عالی"

اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی ...

... آئنمنٹ اور کتاب سنبھالے سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں اتر رہی تھی تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زمین پر نہیں آسمان پر چل رہی ہے۔ اسے خود اپنا آپ اتنا اہم' اتنا خاص لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات وہ اس کی تحفے میں دی اس کتاب کو پڑھ رہی تھی ڈیڑھ بجے کے قریب اس کا فون آگیا۔ وہ بوسٹن میں بہت مصروف ہوگا لہٰذا وہ اسے فون نہیں کرے گا اور وہ بھی اسے ہرگز فون نہ کرے' کا حکم صادر کرکے جانے کے بعد وہ اسے پہلی رات ہی فون کر رہا تھا۔

"تمہارا ہاتھ کیسا ہے؟" اس نے ہیلو کے بعد پہلی بات یہی پوچھی تھی۔ گویا فون ہوا ہی اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے تھا۔

"ہاتھ میں بہت تکلیف ہے عالی!" مسکراہٹ لبوں پر روکتے وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ وہ اس کی مسکراہٹ کو محسوس نہیں کرسکا تھا' اس لیے یک دم تشویش سے کہنے لگا۔

"تم نے آئنمنٹ نہیں لگایا ہوگا' مجھے پکا یقین ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ برہمی بھی در آئی تھی جیسے اس کی لاپروائی سے تنگ آگیا ہو۔

"آئنمنٹ بھی لگایا' ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا آپ کا ہاتھ تو بہت خطرناک جلا ہے' اس کا تو لمبا علاج چلے گا' شاید سرجری کرنی پڑے۔"

"ویری فنی!" وہ اس کے مذاق پر چڑ کر بولا۔

"تم میرا معمولی سا ہاتھ جلنے پر اتنا پریشان ہو رہے ہو' اگر کبھی میں واقعی بیمار پڑ جاؤں تو کیا کرو گے؟"

"میں تمہیں بیمار پڑنے نہیں دوں گا۔" سنجیدگی و خفگی ختم کرکے اس بار وہ مسکراتے انداز میں بولا۔

"تم سب کی اتنی پروا کرتے ہو' یا مجھ میں کچھ اسپیشل ہے؟"

"کیا دل چاہ رہا ہے سننے کو؟ کیا مجھ سے پھر یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ مجھے تم سے بہت محبت ہے؟"

"کیا حرج ہے پھر سے کہہ دینے میں۔ ایسی بات تو جتنی بار بھی کہہ دی جائے' دل کو اچھی لگتی ہے۔"

"اوکے۔ تو پھر سجاو! مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے بہت محبت ہوتی ہے میں انہیں تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔"

"اور ان لوگوں میں کون کون شامل ہے۔ میرا مطلب ہے یہ فہرست کتنی طویل ہے؟"

"انتہائی مختصر۔ مما' پاپا اور تم۔" وہ اسے اپنے ماں' باپ کے بعد اپنی زندگی کا سب سے اہم فرد کہہ رہا تھا اور صرف کہہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کا ردِعمل اور اس کے رویے اس بات کو ثابت بھی کر رہے تھے۔

"بک بہت اچھی ہے عالی! تھینک یو۔"

"تمہیں اچھی لگ رہی تھی' اسی لیے لی تھی۔"

"مجھے جو جو چیز اچھی لگا کرے گی' خرید کر دیا کرو گے؟" اس نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"ہاں' ہر وہ چیز جو میری دسترس میں ہوگی۔" وہ سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں بولا۔

گھڑی کی طرف اچانک اس کی نظر پڑی تو خیال آیا کہ اب گفتگو ختم کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً" بہت تھکا ہوا بھی ہے اور اسے کچھ دیر آرام کرلینا چاہیے پھر وہاں اس کی بہت زیادہ مصروفیات ہیں۔ اس نے اس سے یہ بات کہہ دی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ ابھی کچھ دیر اور بات کرو۔" اس سے باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنی شروع ہوگئی تھی۔

"عالی! مجھے نیند آرہی ہے۔" جمائیاں روکتے اور بند ہوتی آنکھوں کو کھولتے اس نے اس سے کہا۔

"تو سو جاؤ۔" اس کے اس جواب پر اسے یک لخت یہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے اس کے سونے ہی کا منتظر تھا' وہ سو جائے گی' تب وہ فون بند کرے گا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ گہری مسکراہٹ بکھری۔ بات کتنی رومانٹک تھی' کتنی سویٹ سی تھی۔ وہ کیتھی کو بتائے تو وہ یقین نہ کرے' بلکہ اس کی کوئی بھی دوست یقین نہ کرے۔

"آج ایک بات تو کنفرم ہوگئی عباد عذیر! کہ تم اگر چاہو تو بھی مجھ سے ناراض ہونا تو کیا ناراض ہونے کی اداکاری تک نہیں کرسکتے۔" آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے عباد سے مسکرا کر کہا۔ وہ جواباً "اب کیا کہہ رہا تھا' اسے ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا' وہ واقعی سونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں وہاں بہت مصروف ہوں گا اور ایک بار بھی فون نہیں کروں گا۔" کا زبانی اعلان کرنے کے بعد اب وہ اسے

کال روزانہ کر رہا تھا۔

"آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی نہیں؟" تیسرے روز رات میں جب بات ہوئی تب اس نے عباد سے کہا۔ اسے اس کا فکر کرنا اچھا بھی لگتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی۔

"اڑالو مذاق۔"

"مذاق نہیں اڑا رہی، تمہیں یاد دلا رہی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"تمہیں قدر ہی نہیں ہے میری محبت کی۔" وہ کچھ خفگی سے بولا۔

"قدر تو بہت ہے۔ مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم اتنی سی بات پر اتنا پریشان ہو گئے تھے اور اگر کبھی میں زیادہ بیمار ہو گئی تو کیا کرو گے؟"

"یار! میں کیا کروں۔ I cant help it میں ایسا ہی ہوں۔ مما کہتی ہیں عالی! تم اتنا پریشان ہو جاتے ہو کہ تمہارے ڈر سے اکثر بیماری مجھے چھپانی پڑتی ہے۔ مجھے بے وقت لیٹا دیکھ لو تو پریشان ہو جاتے ہو، مجھے معمولی نزلہ بخار ہو جائے تو ٹینشن سر پر سوار کر لیتے ہو، پر ہنی! میں کیا کروں یار! میں ایسا جان کر نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے مجھے شدید محبت ہے میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، میں انہیں معمولی سا بیمار بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پاپا کا چند سال پہلے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، تب میں ان کے سرہانے سے ہٹا نہ تھا۔ یونیورسٹی، دوست، پڑھائی، زندگی مجھے کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ پاپا کہتے تھے۔ میں ان جیسے بہادر آدمی کا بیٹا لگتا ہی نہیں ہوں۔"

وہ سنجیدگی سے اپنی ایک کمزوری کا جیسے اعتراف کرنے لگا۔

"عالی! تم بہت اچھے ہو۔ یو آر سو سویٹ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں سے بہت مختلف۔ تمہاری عمر کا کوئی لڑکا میں نے تمہارے جیسا نہیں دیکھا۔ اتنا سینسٹو اتنا لونگ اور اتنا کئیرنگ تمہارے مما پاپا بہت لکی ہیں کہ ان کا تمہارے جیسا چاہنے والا بیٹا ہے۔"

"اور تم لکی نہیں ہو؟" اس کی سچائی سے کی تعریف کے جواب میں اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"صرف لکی نہیں، میں lukiest گرل ہوں (خوش قسمت ترین لڑکی) ہوں اس دنیا کی۔"

"تھینکس تھینکس، آج کے لیے اتنی تعریفیں کافی ہیں۔ میں آسمان پر چڑھنے لگا ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"سنو ہم واپس کب آؤ گے؟" کچھ دیر بعد جب اسے نیند آنے لگی تھی تب آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے عباد سے پوچھا۔

"ایک دو دن میں، ان شاء اللہ۔"

"جلدی آؤ۔ میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔"

"مس! لیکن ہم روز تو بات کر رہے ہیں۔"

"روز تمہیں دیکھ تو نہیں رہی۔"

"تم اپنی آنکھیں بند کرو، میں تمہیں تمہارے بالکل سامنے نظر آؤں گا۔"

اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ واقعی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آنے لگا۔ اپنی خوب صورت ڈمپل والی مسکراہٹ لیے۔

"آیا نظر۔" اس کی آنکھیں بند تھیں اور آہستہ آہستہ وہ غنودگی میں بھی جا رہی تھی۔

"ہاں۔"

"یہ میرا بہت آزمایا ہوا اور کامیاب طریقہ ہے۔ مما پاپا مجھے جب بھی بہت زیادہ یاد آتے ہیں تو میں کسی پرسکون اور خاموش سی جگہ جا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا ہوں یا لیٹ جاتا ہوں اور وہیں مما پاپا میری نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے اب تک تو کبھی ایسا کیا نہیں تھا مگر آج کل کرنے لگا ہوں۔"

وہ اس سے اسی بات پر بھی کچھ کہنا چاہتی تھی، پوچھنا چاہتی تھی مگر نیند کے غلبے نے اسے مزید بولنے نہ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

Thanks giving کی چھٹیاں آ رہی تھیں اور عباد لوٹا نہیں تھا۔ تین چار دنوں کے لیے گیا تھا اور ہو گئے تھے سات دن۔ وہ اسے بے تحاشا مس کر رہی تھی۔ فون پر بات روز ہو رہی تھی مگر فون اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس روز تو اس کی عباد سے سرے سے بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔ عباد کا فون آیا نہیں تھا اور اس نے فون کیا تو سیل آف ملا تھا۔ اگلے روز "تھینکس گیونگ ڈے" تھا۔

چھٹی کا دن تھا اور وہ رات بھر اسے شدت سے یاد کرتی رہی تھی۔ اس کی خیریت کے لیے متفکر بھی ہوتی رہی تھی۔ اس کا فون کیوں نہیں آیا تھا۔ آخر ایسی کیا مصروفیت

آ گئی تھی جو اس نے اپنا سیل بھی آف کیا ہوا تھا۔ بوسٹن میں اس کا عباد سے رابطہ اس کے سیل ہی پر ہوتا تھا' جس جگہ وہ ٹھہرا تھا' وہاں کا نمبر اس کے پاس نہ تھا اور اب اسے رہ رہ کر اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہاں کا فون نمبر کیوں نہیں لیا۔

"یا اللہ! عباد بالکل خیریت سے ہو' وہ وہاں بالکل ٹھیک ہو۔"

پریشان ہوتے اور ساتھ ہی اس کی خیریت کی دعائیں مانگتے صبح چار ساڑھے چار بجے کہیں اس کی آنکھ لگی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی' جب سوتے سوتے اسے ایسا لگا جیسے عباد اس کے پاس آیا ہے۔ وہ بہت گہری نیند میں تھی' مگر اس احساس نے اس کی نیند کو پل دو پل کے لیے توڑا تھا۔ نیند سے بوجھل' مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد دیکھا' اس کا کمرہ خالی تھا۔ مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئی تھیں' وہ پھر سو گئی تھی۔ اس بار وہ پتا نہیں کتنی دیر سوئی تھی' جب اس کی آنکھ کسی کے باتیں کرنے اور ہنسنے کی آوازوں سے کھلی۔ ان کے بڑے سے پینٹ ہاؤس میں وہ زندگی سے بھرپور آواز اور ہنسی اسے مدہم سی اپنے کمرے تک سنائی دے رہی تھی۔

"عالی!" وہ یک دم بیڈ پر سے اٹھی۔

باتھ روم جانا' منہ ہاتھ دھونا' لباس تبدیل کرنا' بال باندھ لینا ان میں سے کسی ایک بھی بات کا اسے دھیان نہیں آیا تھا۔ اس نے کاٹن کا سفید رنگ کا سلیپنگ ڈریس پہن رکھا تھا جس کی قمیص اور ٹراؤزر پر سرخ سرخ رنگ کی خوب ساری اسٹرابریز بنی تھیں۔ یہ اس کا فیورٹ سلیپنگ سوٹ تھا اور اس میں وہ اپنی عمر سے کہیں چھوٹی بالکل اسکول کی بچی نظر آتی تھی۔ اس کے خوب صورت انداز میں کٹے بال اس وقت اس کے شانوں اور ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنکھیں ملتی بیڈ سے اٹھ کر سیدھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

باتوں کی آواز اور کچھ پکنے کی خوشبوئیں کچن سے آ رہی تھیں۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کچن کی طرف گئی۔ وہ اسے دروازے کے باہر ہی سے نظر آ گیا تھا۔ کل رات وہ اس کے لیے اتنی فکر مند' اتنی پریشان ہو رہی تھی کہ اس وقت اسے اپنے سامنے موجود دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ بھاگتی ہوئی جائے اور اس کے سینے سے لگ جائے۔ مگر وہ جانتی تھی عباد اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ دونوں ساتھ کہیں باہر جاتے' ان کے اردگرد دوسرے کپلز کیا کیا کچھ نہیں کر رہے ہوتے تھے اور وہ باتیں کرتے کرتے اگر کبھی اتفاقاً عباد کا ہاتھ تھام لیتی تو وہ چند منٹوں کے بعد ایسے کہ وہ برا بھی محسوس نہ کرے' اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کر لیا کرتا تھا۔ اس معاملے میں اتنا زیادہ مشرقی اور شرمیلا قسم کا تھا کہ نہ لوگوں میں نہ اکیلے میں کبھی بے وجہ اس کا ہاتھ تک نہ تھامتا تھا۔ خود کو خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے کسی بے ساختہ اظہار سے روکتے وہ کچن کے دروازے ہی پر رک گئی تھی۔

"عالی؟" عباد اور ماما جانی دونوں کچن میں موجود تھے۔ وہ دونوں کوکنگ رینج کے آگے کھڑے کچھ کر رہے تھے۔ کچن سے زبردست قسم کی کھانوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ اس کی آواز پر عباد اور ماما جانی دونوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے حلیے کو دیکھ کر عباد کے چہرے پر مسکراہٹ اور ماما جانی کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

عباد کو وہ اس سوئے سوئے انداز' الجھے بکھرے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے بچکانہ سے لباس میں' جس میں بقیہ سجاد جیسی دو تیلی پتلی لڑکیاں با آسانی سما سکتی تھیں' بڑی پیاری بہت سوئیٹ اور بڑی کیوٹ لگی تھی جب کہ ماما جانی نے اس کے حلیے کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ اس فضول حلیے میں وہ عباد کے سامنے آ رہی ہے کہ کوئی معقول آدمی تو ایسی مست ملنگ لڑکی سے شادی سے اسی لمحے ہی انکار کر دے۔

"آئیے بقیہ سجاد۔ آئیے۔" عباد نے اسی کے گھر میں اس کا خیر مقدم کیا۔

"تم کب آئے؟"

"جب لوگ ہاتھی گھوڑے سب بیچ کر سو رہے تھے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ وہ ماما جانی کے گھورنے کے باوجود کچن کے اندر گئی۔ اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے

"دیکھیں ماما جانی! یہ والی تو میں نے صحیح تلی ہے نا؟"

ماما جانی نے پیڑا اٹھا کر اسے بیلنے کی تیاری کرتے نظریں اٹھا کر برنر پر رکھی کڑھائی کو دیکھا جس میں پوریاں تلی جا رہی تھیں۔ وہ بیل بیل کر پوریاں کڑھائی میں ڈال رہی تھیں اور عباد انہیں چھلنی والے اسٹیل کے چمچے سے خوب دبا دبا کر تلنے میں مصروف تھا۔

"ہاں یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ پہلی والی تھوڑی کم تلی معلوم ہو رہی تھیں۔" وہ ان دونوں کے بالکل قریب چلی

آئی تھی۔

"بقیہ! پہلے منہ ہاتھ دھو آؤ بیٹا!" ماما جانی نے دانت پیستے بظاہر نرم انداز میں بیٹی کو مخاطب کیا۔ اپنے گھورنے کا کچھ اثر نہ ہوتا دیکھ کر آخر کار انہیں یہ بات بولنی ہی پڑ گئی تھی۔ عباد نے پوریاں تلنا روک کر ایک نظر ماما جانی کو اور پھر ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارت بھرے تاثرات تھے اور وہ لب بھینچ کر اپنی مسکراہٹ کو دبا رہا تھا۔

"ہاں تب تک میں اور ماما جانی ہمارا آج کا یہ اسپیشل ناشتہ بھی تیار کر چکے ہوں گے۔ حلوہ پوری بمعہ آلو کی ترکاری اور کھڑے مسالے کا زبردست اور چٹ پٹا قیمہ۔" کسی ریسٹورنٹ کے شیف کی طرح اس نے اسے مینیو بتایا۔ صبح صبح اٹھنے کے ساتھ ہی اسے اپنے سامنے دیکھنے کی خوشی' حیرت' ایکسائٹمنٹ ان سب کو ساتھ لیے وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے نہانے اور لباس تبدیل کرنے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔ وہ واپس کچن میں آئی اور ان دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تو عباد فوراً بولا۔

"یہ مہمان بن کر کھڑے ہونے کی نہیں ہو رہی۔ جلدی جلدی برتن لگاؤ ڈائننگ ٹیبل پر۔ گیارہ بج گئے ہیں اور اب مجھے اور مما جانی کو شدید بھوک لگ رہی ہے۔ تمہاری طرح ہم گیارہ بجے سو کر نہیں اٹھے ہیں بلکہ صبح سویرے کے جاگے ہوئے ہیں۔"

بقیہ نے میز پر برتن پہنچائے اور ٹیبل سیٹ کرنا شروع کر دی تھی جبکہ ماما جانی اور عباد جلدی جلدی پوریاں تل تل کر ہاٹ پوٹ بھرنے میں مصروف تھے۔ وہ کھانا اچھا پکا لیتا ہے' یہ بقیہ کو پتا تھا۔ عباد نے خود ہی اسے بتایا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کا ککنگ کا ہنر صحیح معنوں میں تو امریکہ آ کر نکھرا ہے' یہاں آ کر اکیلے رہنا پڑا اور سب کام خود کرنے پڑے تو کھانا پکانا اور بھی اچھا آ گیا' مگر امریکہ آنے سے پہلے وہ پاکستان میں بھی ہلکی پھلکی ککنگ شوقیہ کر لیا کرتا تھا۔ وہ صرف کھانے کا نہیں پکانے کا بھی شوقین تھا۔ وہ جب کراچی میں تھا تو اکثر اپنے مما' پاپا کو اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر کھلاتا تھا۔ وہ نیویارک آنے سے پہلے اپنی مما سے ڈھیر ساری ریسپیز ایک ڈائری میں نوٹ کروا کر لایا تھا۔ وہ اپنی مما کی ریسپیز کو ٹرائی کر کے اب خاصا اچھا کک بن گیا تھا۔

"روزانہ نہ باہر کا کھانا کھا سکتے ہیں جبکہ حلال حرام کا بھی مسئلہ ہے اور نہ ہی روز انہیں کوئی کھانے پر بلا سکتا ہے تو بہتر یہی ہے خود پکانا سیکھ لیا جائے۔"

اکثر رات میں بات ہونے پر جب عباد سے پوچھتی کہ آج رات کے کھانے میں اس نے کیا کھایا تو وہ اپنے کچھ نہ کچھ پکانے کا ذکر کرتے اس سے یہ بات کہتا تھا۔ کئی مرتبہ بات کرتے ایسا ہوتا کہ گفتگو کے درمیان عباد اسے ہولڈ کروا کر جاتا۔

"میں ذرا سبزی میں چمچہ چلا آؤں یا میں ذرا دال میں بگھار لگا آؤں۔"

لہٰذا وہ اسے اتنی مہارت سے کھانا پکاتے دیکھ کر حیران نہیں ہو رہی تھی مگر ماما جانی کو شاید یہ بات آج پہلی بار پتا چلی تھی اس لیے خوش ہونے کے ساتھ تھوڑی حیران بھی تھیں۔ حیرانی اس کی مہارت پر تھی ورنہ پڑھنے کے لیے باہر آئے لڑکے جب سر پر پڑتی ہے تو مارے باندھے کچن کا رخ کرتے ہی ہیں۔ اپنا کھانا بھی خود پکاتے ہی ہیں۔

ناشتا سارا لگ چکا تھا اور وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اسے حلوہ پوری اتنی زیادہ پسند نہیں تھی جتنی عباد اور ماما جانی کو۔ وہ دونوں تو خوب مزے لے لے کر تمام چیزیں کھا رہے تھے۔ جبکہ وہ سدا کی ڈائٹ کونشس یہ سوچ رہی تھی کہ ڈھیر سارے گھی میں تلی یہ پوریاں اور اصلی گھی اور مکھن اور پتا نہیں کیا کیا ڈال کر بنایا گیا سوجی کا حلوہ کھا کر اس کا وزن کہاں پہنچے گا۔

"نہیں ہو رہیں تم موٹی ڈھنگ سے کھاؤ۔" عباد نے اس کی پلیٹ میں ایک پوری مزید ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ دیکھو' عباد میرے لیے لایا ہے۔" ماما جانی نے سامنے صوفے پر رکھا ایک شاپنگ بیگ اسے اشارے سے دکھایا۔ وہ ایکسائٹڈ سی اٹھ کر گئی اور شاپنگ بیگ اٹھا کر دیکھا۔ اس میں ماما جانی کے لیے ایک اسکارف تھا' پرفیوم تھا اور سوئس چاکلیٹس کا ایک پورا ڈبا تھا۔ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ ماما جانی کی پسند کے عین مطابق چیزیں ان کے لیے لے کر آیا تھا۔

"تم آئے کب تھے؟" وہ واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آج صبح چھ بجے میں نیویارک پہنچا ہوں۔ گھر پر سامان رکھا' نہایا' کپڑے بدلے' تھوڑی دیر وقت گزرنے کا انتظار کیا۔ چھٹی کا یہ دن میرا اکیلے گزارنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں راستے میں یہی سوچتا ہوا آیا تھا کہ تم لوگوں کے ہاں آ جاؤں گا۔ جب آٹھ بجنے لگے' تب میں نے سوچا

"تم اٹھی ہو نہ اٹھی ہو' ماما جانی تو اب تک ضرور اٹھ چکی ہوں گی تو پھر بس فوراً" یہاں چلا آیا۔ تم سو رہی تھیں اور میں اور ماما جانی بور ہو رہے تھے تو میں نے ان سے کہا۔ چلیں ہم کچھ پکا لیتے ہیں۔ اب thanks givivg ہمارا تھوڑی ہے کہ ہم ٹرکی بنانے کھڑے ہوں۔ ہم تو اپنے دیسی کھانے بنائیں گے۔"

عباد نے اسے مفصل جواب دیا۔

"ناشتہ ہو گیا ہے ختم۔ اب میرا آج کے دن کا پروگرام سن لیں آپ لوگ۔ ہم تینوں آج کا یہ پورا دن کہیں باہر گھومتے پھرتے گزاریں گے۔ اور ماما جانی! آپ بالکل بھی منع نہیں کریں گی۔ آپ کو اکیلا چھوڑ کر میں اور ہنیہ کہیں نہیں جائیں گے۔"

ماما جانی کے انکار کے لیے کھلتے لب دیکھتے ہی عباد نے فوراً" کہا تھا۔

"آپ جلدی سے تیار ہو کر آجائیں۔ ہنیہ تو میرا خیال ہے تیار ہی ہے۔"

انھیں ساتھ لے جانے پر زبردستی آمادہ کر لینے کے بعد اس نے ان سے کہا۔ وہ ان کا اتنا فیورٹ تھا کہ وہ اسے ناراض کر نہیں سکتی تھیں' سو تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اب ڈائننگ ٹیبل پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ماما جانی کے سامنے اس سے اس طرح بات نہیں کر پا رہی تھی جیسے کرنا چاہتی تھی اگرچہ کہ بیٹھی ہوئی تو اس کی برابر والی کرسی پر ہی تھی۔

ان کے چلے جانے کے بعد اس نے عباد کو بغور دیکھا۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"تم نے کل فون کیوں نہیں کیا' میں اتنی پریشان ہو رہی تھی۔ اوپر سے سیل بھی آف۔" اس کی خیریت کا جواب دیے بغیر اس نے پوچھا۔

"میں نے سوچا' جب صبح یہاں پہنچ ہی رہا ہوں تو فون کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے پتا ہے' کل ہی پروگرام بنا لیا تھا کہ آتے ہی صبح صبح تمہارے ہاں پہنچ جاؤں گا۔"

وہ خوشگوار لہجے میں اسے بتا رہا تھا مگر وہ یک دم ہی برہمی سے بولی۔

"واہ یہ اچھا ہے۔ تم نے وہاں بیٹھے خود ہی سب کچھ سوچ لیا' فیصلہ کر لیا اور میں جو یہاں ساری رات پریشان ہوتی رہی ہوں۔"

"پریشان؟ لیکن کیوں؟ میرا فون نہیں آیا اس بات پر۔" وہ اس کی حیرانی پر مزید چڑ گئی۔

"جی اسی معمولی بات پر۔ خون خشک ہو گیا میرا پریشان ہو ہو کر۔ دل میں اتنے برے برے خیال آ رہے تھے۔ خود فون نہیں کیا تو نہیں کیا' آخر سیل کس خوشی میں آف رکھا ہوا تھا۔" وہ اس بار حیران ہونے کے بجائے مسکرایا تھا۔

"تمہارے اس طرح لڑنے سے پتا ہے کیا لگ رہا ہے؟ ایسا لگ رہا ہے ہماری شادی کو دس پندرہ سال تو ضرور ہو ہی چکے ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا مگر وہ منہ پھلائے اسے گھور رہی تھی۔

"اوکے۔ غلطی میری ہے' مجھے فون کر دینا چاہیے تھا۔ پر مائی ڈیئر مس ہنیہ سجاد! مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ آپ میرے فون نہ کرنے سے پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"ہاں۔ پریشان ہونے کا سارا حق تو بس صرف تمہیں ہے۔ میرا ذرا سا ہاتھ جلا تھا تو خود نے اس قدر واویلا مچایا تھا اور میں دوسرے شہر گئے ایک بندے کے لیے' جس کی کوئی خیر خبر کوئی اطلاع مجھ تک نہیں پہنچ رہی' پریشان ہوں تو میرا مذاق اڑایا جائے گا۔"

عباد نے بات تو کوئی ایسی نہیں کہی تھی جس پر [illegible] — مگر بولتے بولتے ایک دم ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں' آواز بھی بھرا گئی تھی۔

"ارے ارے۔ اچھا میری غلطی ہے۔ آئم سوری۔ آئم ایکسٹریملی سوری۔" وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"رونا مت' دیکھو پلیز رونا مت۔ تم اپنے اسٹرابیری والے سلیپنگ ڈریس میں بغیر منہ دھوئے اچھی لگ سکتی ہو مگر روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگو گی۔"

وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا۔ اسے ہنسانا چاہتا تھا مگر وہ بجائے ہنسنے کے رو پڑی تھی۔

"کل تمہارا فون نہیں آیا تو میں پریشان ہو گئی تھی۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان ہو گئی تھی عالی! مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ تم جہاں بھی ہو' میں نے تم سے وہاں کا نمبر نہیں لیا۔"

"آئم سوری۔" اس بار وہ سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ شرارت تھی نہ ہنسی۔

اس نے اسے رونے سے بھی منع نہیں کیا تھا۔ اسے خود ہی ایک دو منٹ بعد جب دل ذرا ہلکا ہوتا محسوس ہوا تو یہ احساس ہوا تھا کہ عباد کا مذاق اڑاتے اڑاتے وہ خود بھی اسی

جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ ایک دن اس کا فون نہ آنے کی اس کی اتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کے اس پر آنسوؤں کے دریا بہائے جائیں گے۔

"سوری۔ میں نے کچھ اوور ری ایکٹ کیا ہے۔" اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر شرمندہ سی آواز میں اس نے کہا۔

"لگتا ہے میں بھی تمہارے جیسی ہوتی جا رہی ہوں۔" وہ نظریں جھکائے شرمندہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تم میرا ہاتھ جلنے پر پریشان ہو رہے تھے' بوسٹن سے فون کر کر کے میری خیریت پوچھ رہے تھے تو میں تم پر ہنس رہی تھی اور اب حرکتیں خود بھی ویسی ہی کر رہی ہوں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے ناں ہنی! ذرا سوچو ہماری لائف کتنی انٹرسٹنگ ہو گی۔ تم میرے لیے پریشان ہوا کرنا' میں تمہارے لیے پریشان ہوا کروں گا۔ بس ماما پاپا کے لیے تھوڑی مشکل ہو جائے گی' پہلے صرف بیٹے کا بات بات پر پریشان ہونا اور ٹینشن لینا برداشت کیا کرتے تھے' اب خیر سے بہو بھی ایسی ہی مل جائے گی تو سونے پہ سہاگا ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی' تم چار دنوں کا کہہ کر گئے تھے اور سات دن لگا دیے۔ اوپر سے کل جب تمہارا فون نہیں آیا تو میرا دل اتنا پریشان ہونے لگا تھا' اتنا گھبرا رہا تھا۔"

"ہم زبانی دعوا نہیں کرتے کہ تمہیں مس کر رہے تھے۔ ہم تو جناب ثبوت بہم پہنچانے صبح آتے کے ساتھ ہی خود بنفس نفیس آپ کے گھر پہنچ گئے ہیں' اس وقت جب ابھی محترمہ خواب غفلت سے بیدار بھی نہ ہوئی تھیں۔"

"تم نے آ کر مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کے متبسم چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں آتے ہی ماما جانی سے سلام دعا کے بعد تمہارے کمرے میں آیا تھا مگر تم اتنی گہری نیند سو رہی تھیں' میرا تمہیں جگانے کو دل نہیں چاہا۔ میں نے سوچا چلو محترمہ کو کچھ دیر اور سونے دیتے ہیں۔"

وہ عباد کے اس جواب پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے صبح کسی وقت کی اپنی وہ کیفیت' وہ احساس یک دم یاد آیا تھا جب گہری نیند میں اسے اپنے قریب عباد کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ "تم میرے کمرے میں آئے تھے؟ واقعی؟"

"ہاں۔ اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ بس دروازے سے ذرا سا اندر آیا تھا' ایک آدھ سیکنڈ وہاں رک کر یہ فیصلہ کرتا رہا کہ تمہیں اٹھا دوں یا سویا رہنے دوں۔ ایک دل چاہ رہا تھا فوراً" اٹھا کر بٹھا دوں اور دیکھوں مجھے اچانک سامنے دیکھ کر تم کیسے ری ایکٹ کرو گی اور ایک دل تمہیں اتنی گہری نیند سے اٹھانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عالی؟ تم یقین نہیں کرو گے' مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتا مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عالی! سنو کیا تم نے مجھے آواز دی تھی' کیا کمرے میں کوئی شور ہوا تھا۔ کیا تم نے مجھے ہلا کر یا آواز دے کر اٹھانے کی کوشش کی تھی؟" عباد بھی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں تو تمہیں اتنی گہری نیند میں دیکھ کر دروازے سے بس ذرا سا اندر آیا تھا اور پھر وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ اف میرے خدایا ہنی! لگتا ہے تمہیں مجھ سے واقعی سچی محبت ہو گئی ہے۔" جملے کا آغاز سنجیدگی سے کرنے کے بعد وہ اختتام پر پھر اپنے انداز پر لوٹ گیا تھا۔

"بدتمیزی مت کرو۔" شرمانے ورمانے کے شوق میں ہرگز مبتلا نہ ہونے کے باوجود وہ کچھ جھینپ گئی تھی۔ اس لیے فوراً" بات بدلتے ہوئے اس سے بولی۔

"تم میرے لیے کچھ نہیں لائے؟"

"میں عباد عذیر پورا کا پورا ثابت سالم جو تمہارے لیے آ گیا ہوں۔ اتنے شان دار تحفے کے بعد کسی اور تحفے کی ضرورت ہے؟"

"باتیں بنانے کی نہیں ہو رہی ہے' کچھ نہیں لائے تو صاف صاف بتا دو نہیں لایا' فضول میں یہ ڈائیلاگز کیوں بول رہے ہو۔"

وہ کرسی پر سے اٹھ گئی تھی۔ ماما جانی تیار ہو کر آنے والی ہوں گی' وہ ان کے آنے سے قبل ناشتے کی میز سمیٹ دینا چاہتی تھی۔

وہ پورا دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا۔ چھٹی کا دن تھا' تہوار کا موقع تھا' اس لیے باہر ہر طرف خوب

گھما گسی تھی۔ باہر سردی خوب تھی۔ نومبر کے مہینے میں اتنی شدید ٹھنڈ تھی، لگتا تھا اس سال نیویارک میں سردیاں ہر مرتبہ سے زیادہ شدید آنے والی تھیں۔ وہ لوگ عباد کی گاڑی ہی میں گھومنے نکلے ہوئے تھے۔ شام سات بجے عباد نے انہیں ان کے اپارٹمنٹ ڈراپ کیا تھا۔

"یہ لو تمہارے لیے۔"

عباد کو خدا حافظ کہہ کر وہ اور ماما جانی گاڑی سے اتریں تب عباد نے ایک شاپنگ بیگ گاڑی کی ڈکی سے نکال کر اسے پکڑایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے وہ شاپنگ بیگ اس سے لے لیا۔ اسے پہلے ہی پتا تھا وہ یونہی بول رہا ہے "ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ عباد عذیر، نبیہ سجاد کے لیے کچھ لیے بغیر یونہی خالی ہاتھ آگیا ہو۔ وہ ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ نیویارک کے جس علاقے میں جس پر آسائش اور شاندار ریذیڈنٹ ہاؤس میں وہ اور ماما جانی رہ رہی تھیں اسے دیکھ کر ہی کوئی بھی ان کی مالی پوزیشن کا ایک لمحے میں اندازہ لگا سکتا تھا۔

اس کے پاپا نیویارک میں ایک کامیاب لائر رہے تھے۔ ایک بہترین فرم میں پارٹنر رہے تھے اور وہ اس کے اور ماما جانی کے لیے اتنا کچھ چھوڑ کر گئے تھے کہ اگر وہ پڑھائی ختم ہونے کے بعد کوئی جاب نہ بھی کرتی تب بھی بڑی اچھی زندگی گزار سکتی تھی۔ جب اللہ نے معاشی اعتبار سے اسے یہ خوش حالی دی ہوئی تھی تو وہ جب چاہتی اور جہاں سے چاہتی اپنے لیے کچھ بھی خرید سکتی تھی مگر خود خریدی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں اسے عباد کی تحفے میں دی اشیاء زیادہ پیاری لگا کرتی تھیں۔ جو کتاب عباد نے اسے خرید کر دی تھی، چاہتی تو وہ خود بھی کھڑے کھڑے خرید سکتی تھی مگر عباد کے خرید کر دینے سے وہ کتاب انمول ہو گئی تھی، بہت خاص، بہت اہم اور بہت پیاری ہو گئی تھی۔

عباد کے سامنے اس نے تھینک یو کہتے صرف شاپنگ بیگ کے اندر ذرا سا جھانکا تھا، اس میں کچھ کپڑوں ٹائپ کی چیز نظر آ رہی تھی۔ وہ اسے تسلی سے اوپر جا کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے اوپر آ کر دیکھا تو وہ ایک ماڈرن اسٹائل کا پاکستانی لباس تھا۔ ڈارک گرین ٹراؤزر، لائٹ گرین لونگ سی قمیص اور لائٹ گرین دوپٹہ۔ قمیص اور دوپٹہ پر ڈارک گرین رنگ کے دھاگوں سے بڑی نفیس کڑھائی ہوئی تھی۔

اس کے پاس اس طرح کے جدید انداز و فیشن کے چند پاکستانی ملبوسات تھے جنہیں وہ عید بقرعید وغیرہ پر یا یہاں مقیم پاکستانی کمیونٹی کا کوئی فنکشن وغیرہ ہوتا تو اس میں پہن جایا کرتی تھی مگر اتفاق سے اس نے ابھی تک بھی عباد کے سامنے پاکستانی ڈریس نہیں پہنا تھا۔ عباد اس کے لیے کپڑے لایا تھا یعنی وہ اسے اس لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے پاکستانی ملبوسات میں کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی پھر نیویارک کی شدید سردی میں پاکستانی لباس پہننا تھا بھی دل گردے کا کام مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس طرح کے کپڑے پہننے کی عادت ڈال لینی چاہیے۔ ہر وقت نہ سہی تو کم از کم جب عباد سے ملتی ہے تب تو ضرور اسی طرح کے لباس پہننے چاہئیں جن میں وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"آخر یہ میری ہونے والی بھابی صاحبہ کب تشریف لائیں گی؟"

اس کے ساتھ کچن میں موجود عدیل نے نجانے کون سی دفعہ یہ بات کی۔ عباد میکرونی ابال رہا تھا جبکہ عدیل کچن میں رکھی میز پر چڑھ کر بیٹھا سوائے باتوں کے کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔ عدیل سفیان اس کا سب سے قریبی، سب سے خاص اور بچپن کا دوست تھا۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے تھے۔ ان دونوں میں اتنی دوستی تھی کہ ان دونوں کی فیملیز بھی اس دوستی کے سبب ایک دوسرے کے قریب آ گئی تھیں۔ عدیل، عباد کے ممّا، پاپا سے اور عباد، عدیل کے والدین اور بھائی بہنوں سے بہت بے تکلف تھا۔ وہ دونوں دوست ایک دوسرے کے گھر بے تکلف جایا کرتے تھے۔ ان دونوں نے این ای ڈی سے ایک ساتھ انجینئرنگ کی تھی فرق صرف یہ ہوا تھا کہ عباد نے سول اور عدیل نے مکینیکل انجینئرنگ کی تھی۔ ایک ہی ساتھ پاس آؤٹ کر کے وہ دونوں اپنے اپنے متعلقہ شعبوں میں ایم ایس کرنے آگے پیچھے ہی امریکہ آ گئے تھے۔

عدیل بوسٹن میں مقیم تھا۔ وہ وہاں بوسٹن یونیورسٹی سے ایم ایس کر رہا تھا۔ امریکہ میں الگ الگ جگہوں پر رہنے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے سے ملنے کا موقع نکال ہی لیا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں جو وہ اپنی ریسرچ کے حوالے سے بوسٹن گیا تھا تب عدیل ہی کے پاس ٹھہرا تھا۔ ممّا، پاپا سے پہلے وہ نبیہ کے بارے میں اپنے کسی بھی

جاننے والے کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا، ملوانے کا تو ذکر ہی کیا تھا۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ جب وہ بوسٹن اس کے پاس جا کر ٹھہرا تو عدیل جیسا کائیاں اور چالاک اسے اتنی عقیدت اور محبت سے گھنٹوں کے حساب سے فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر فوراً "کسی گڑبڑ" کے آثار بھانپ گیا۔ پھر تو جب تک اس نے اس سے ساری بات اگلوا نہ لی چین سے نہ بیٹھا۔

اور اب جب وہ تین چار روز کے لیے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کے لیے نیویارک آیا ہوا تھا اور عباد ہی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تب عباد کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ اسے نبیہ سے ملوایا جائے۔ تب عباد نے اس ہفتے کی شام نبیہ کو کھانے پر انوائیٹ کر ہی لیا تھا۔ ان دنوں اس کی اپنی پڑھائی کی مصروفیات کافی بڑھی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ گھر پر کھانے وکانے کا جھنجٹ پالنے کے بجائے میزبانی کے فرائض نبھاتا، عدیل کو کہیں نہ کہیں باہر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔

آج کی یہ دعوت خاص عدیل ہی کے اصرار پر گھر پر ہو رہی تھی۔ وہ عباد کے باہر لے جا کر کھانا کھلانے کو اچھی میزبانی ماننے ہی سے انکاری تھا۔

"امریکہ آ کر تیرا خون سفید ہو گیا ہے۔ میرے پاس آیا تھا تو میں کیسا تجھے مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلاتا تھا اور تو۔ شرم کر عباد عذیر! شرم کر۔"

الگ بات کہ طعنے دیتا اپنے کھلائے جن مزے مزے کے کھانوں کا وہ ذکر کر رہا تھا، وہ عباد کا دل ہی جانتا تھا کس طرح کے ہوتے تھے۔ عدیل سفیان انجینئر اچھا بے شک تھا، مگر کک انتہائی برا۔ خیر اس کے طعنوں، تشنوں سے تنگ آ کر عباد نے آج کی اس زبردستی کی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس کے مہمان عدیل سفیان اور نبیہ سجاد تھے۔ وہ ابھی عدیل کو کوئی جواب دے نہیں پایا تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ "نبیہ آ گئی۔" وہ دروازہ کھولنے کے لیے جانا چاہتا تھا کہ عدیل جھٹ میز پر سے اترا اور اسے روک کر بولا۔

"دروازہ میں کھول دوں گا۔ تم کھانا پکاؤ۔"

اس کے گھورنے کو نظر انداز کرتا عدیل دروازہ کھولنے چلا گیا تھا۔ اس کے کچن سے اپارٹمنٹ کا مین دروازہ نظر آتا تھا، وہ گردن ترچھی کر کے اس طرف دیکھنے لگا۔ عدیل نے دروازہ کھول دیا تھا اور نبیہ کے کچھ کہنے سے قبل ہی گرم جوشی سے بولا تھا۔

"السلام علیکم۔ میں عدیل سفیان ہوں، عباد کے بچپن کا دوست اور آپ یقیناً نبیہ سجاد ہیں۔"

عدیل نے نبیہ کے ہاتھ سے اس کی چھتری لے لی تھی اور اسے دروازے کے ساتھ ہی موجود چھتریاں ٹانگنے کی جگہ پر ٹانگ دیا تھا۔

"آیئے ناں، آپ اندر آیئے۔ بڑی خوشی ہو رہی ہے مجھے آپ سے مل کر۔"

آج باہر سردی تو شدید تھی ہی ساتھ تیز بارش بھی ہو رہی تھی، نبیہ نے (اوور کوٹ) گلوز سب کچھ پہن رکھا تھا پھر بھی اس کا چہرہ سردی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اس بے تکلفی سے ملتے عباد کے دوست کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔" نبیہ نے گلوز اتارتے ہوئے عدیل سے کہا، وہ دونوں ساتھ چلتے اب کچن ہی کی طرف آ رہے تھے، عباد نبیہ کو دیکھ رہا تھا مگر نبیہ جب تک تھوڑا آگے نہ بڑھ آتی اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔

"ویسے آپ چاہیں تو مجھے تم کہہ سکتی ہیں۔ عباد آپ کا بھی دوست ہے اور میرا بھی اور دوست کا دوست دوست ہی ہوتا ہے۔"

نبیہ کو شاید وہ اس طرح ایک سیکنڈ کے اندر اندر اس درجہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا اچھا لگ رہا تھا تب ہی تو وہ مسکرا رہی تھی۔

"اوکے، میرے ابھی ابھی بنے دوست عدیل سفیان! کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ عباد کہاں ہے؟"

"وہ سگھڑ بچہ ہم دونوں کے لیے کھانا پکا رہا ہے۔ لاؤ یہ کوٹ میں ہینگ کر دوں۔"

نبیہ نے گلوز کے بعد اپنا اوور کوٹ بھی اتار لیا تھا۔ وہ اپنا کوٹ اور گلوز کہیں رکھنا چاہتی تھی کہ سدا کے کام چور عدیل سفیان نے بڑی شائستگی اور مینرز کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے اپنی خدمات پیش کیں۔

"کمینہ نہ ہو تو۔" شام سے مجال تھی جو وہ ٹس سے مس بھی ہوا ہو، اس کی ذرا سی بھی مدد کرائی ہو اور اب کیسے اپنی خدمات آفر کی جا رہی تھیں جیسے نبیہ خود تو اپنا اوور کوٹ کہیں رکھ نہیں سکتی تھی۔ عدیل کو گالیاں دے کر فارغ ہوا تو اب اس نے بھرپور اور تفصیلی نگاہ ڈالی تھی نبیہ پر۔ اس نے سبز رنگ کا وہی ڈریس پہن رکھا تھا جو وہ ابھی بوسٹن سے اس کے لیے لے کر آیا تھا۔

اسے بے اختیار ہنیہ پر شدت سے پیار آیا۔ اس نے بوسٹن میں ایک پاکستانی بوتیک سے اس کے لیے یہ ڈریس خریدا تھا' یونہی اس کا دل چاہا تھا وہ اپنے ہاں کے کپڑوں میں اسے دیکھے۔ ہنیہ لباس بڑا باوقار قسم کا پہنا کرتی تھی۔ پہنتی بے شک وہ جینز' ٹراؤزر' شرٹس اور لانگ اسکرٹس ہی تھی مگر اس کا لباس باوقار ہوتا تھا' اس میں نہ بے حیائی ہوتی تھی نہ جسم کی کسی بھی انداز سے نمائش۔ بلکہ زیادہ تر وہ پینٹ شرٹ کے اوپر اتنے ڈھیلے ڈھیلے اور لمبے سوئٹرز پہنا کرتی تھی کہ دیکھنے والے یہ تک نہیں جان سکتے تھے کہ اس لڑکی کا فگر کیسا ہے' وہ کتنی دبلی' کتنی اسمارٹ یا کتنے متناسب سراپے کی مالک ہے۔

اسے ہنیہ سے محبت پہلے ہو گئی تھی اور اس کی خوبیاں اور اچھائیاں بہت بعد میں جا کر پتا چلی تھیں۔ جب وہ ہنیہ سجاد کے لیے بے اختیار اور بے بس کر دینے والی محبت میں مبتلا ہوا تو یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی کی نیچر اور مزاج کیسا ہے' وہ کس کردار کی حامل ہے۔ پاکستانی اوریجن رکھتی تھی پر وہ ایک امریکن لڑکی تھی اور یہاں اس نے صرف پاکستانی ہی کیا دوسرے اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتی مسلمان لڑکیوں کو ہر وہ عمل کرتے دیکھا تھا جو خالص اور اصلی امریکن لڑکیاں کرتی نظر آتی تھیں۔ جس معاشرے میں پندرہ' سولہ سال کی لڑکیوں میں کنواری لڑکیاں تلاش کرنا کار محال ہو' وہاں وہ ایک امریکن لڑکی سے جو مسلمان بے شک تھی' محبت کر بیٹھا تھا اور جانتا نہیں تھا اس لڑکی کی زندگی کیسی ہے' اس کی آمد سے قبل اس لڑکی کی زندگی میں کون کون آ چکا ہے۔ مگر ابھی اس کی ہنیہ سجاد سے دوستی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی وہ صرف دور دور سے ہی اسے دیکھا کرتا تھا جب اسے یہ خوشگوار احساس ہوا تھا کہ جس سے وہ بے اختیارانہ محبت میں مبتلا ہوا ہے وہ ایسی لڑکی ہے جسے وہ فخریہ اپنے ماں باپ سے لے جا کر ملوا سکتا ہے۔

جب وہ پہلی مرتبہ ہنیہ کو اپنے اپارٹمنٹ لایا تھا اور وہ اندر آنے سے انکار کر گئی تھی' تب فوری طور پر اسے ہنیہ کا ایسا کرنا اپنے سچے اور خالص جذبوں کی توہین لگا تھا مگر کچھ ہی دنوں بعد جب وہ ہنیہ کو پروپوز بھی کر چکا تھا اور وہ اس کا پرپوزل قبول بھی کر چکی تھی اس نے اس بات کو دوبارہ سوچا تو اسے ہنیہ سجاد پر پیار آنے کے ساتھ ساتھ اس پر فخر بھی محسوس ہوا تھا۔ وہ کتنے مضبوط' کتنے اعلا کردار کی لڑکی تھی۔

وہ آج اس کے لیے' صرف اسے خوشی دینے کے لیے یہ لباس پہن کر آئی تھی' اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اتنی سخت ٹھنڈ میں اس نے یہ لباس اس کی خاطر پہنا تھا۔ وہ والہانہ نگاہوں سے اسے سر تا پاؤں دیکھ رہا تھا۔ اس نے قمیص کے اوپر سبز رنگ ہی کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ میک اپ اور جیولری سے وہ ہمیشہ کوسوں دور رہتی تھی پر آج وہ دیکھ رہا تھا کہ اس نے میک اپ بھی کر رکھا تھا اور زیور بھی پہنا ہوا تھا۔ دوپٹہ اوڑھنے کی اسے بالکل بھی عادت نہیں تھی مگر اس وقت اس نے شانوں پر اسی سوٹ کا ہلکے سبز رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

دوپٹہ سنبھال کر سج سج چلتی وہ اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ ہنیہ اور عدیل کچن کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

"کیسے ہو عالی؟" وہ دونوں کچن میں آ گئے تھے۔

"ٹھیک۔ بارش بہت تیز ہو رہی ہے' تم آرام سے پہنچ گئیں۔" وہ ایک ٹک اسے دیکھتا اس سے مخاطب تھا۔ جب سے وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی' اس نے ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

عدیل جو اسے بغور دیکھ رہا تھا' اس نے بلاوجہ کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

"چلو ہنیہ! ابھی کھانا تیار ہونے میں تو وقت ہے' جب تک عالی کھانا تیار کر رہا ہے' اتنے میں ہم اندر چل کر کچھ گپ شپ کر لیتے ہیں۔" عدیل' ہنیہ سے بولا۔ وہ جیسے کوئی کک یا شیف تھا' اس نے خار بھری نگاہوں سے عدیل کو گھورا۔

"میرا خیال ہے' باتیں یہیں کر لیتے ہیں۔ عدیل! ساتھ ساتھ عالی کی ہیلپ بھی کرا دیں گے۔" ہنیہ ان دونوں دوستوں کے بیچ کی بے تحاشا بے تکلفی سے آگاہ تھی نہ عدیل کی عادات سے' وہ ایسا عالی کے چڑانے اور تنگ کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا' وہ تو بس سنجیدگی سے جواباً" یہ بولی تھی اور پھر اس کے قریب آ گئی تھی۔

"لاؤ عالی! میں ہیلپ کراؤں' کیا کام رہ گیا ہے؟" وہ کچن کے کاموں سے کوسوں دور رہنے والی لڑکی تھی' مارے باندھے کچن کا رخ کرنے والی اور اس وقت پوری طرح کام کرنے کے موڈ میں' اس کی مدد کرانے کے موڈ میں۔

"میں کروں گا' تم ابھی آئی ہو' کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔"

"تو میں کیا پیدل چل کر آئی ہوں۔ سلاد بنی ہے کیا؟" اس نے بولتے بولتے میز پر رکھی سبزیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ عدیل خاموش کھڑا ایک نظر اسے دیکھ رہا تھا' ایک نظر ہنیہ کو۔ اسے اس کی ہونق اور حیرت بھری شکل دیکھ کر بڑا مزا آ رہا تھا۔ امریکہ ہی میں پیدا ہوئی اور یہیں پڑھی لڑکی سن کر یہ نہیں اس نے ہنیہ کے متعلق کیا خاکہ اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا اور وہ ملاقات کے اولین لمحوں ہی میں اتنی زیادہ مشرقی ثابت ہو رہی تھی۔

اس کے منع کرنے کے باوجود ہنیہ سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنے لگی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے میکرونی تیار کی ہنیہ نے سلاد بنالی' اس کے بعد اس نے چکن لیگ' ڈیپ فرائی کرنے میں عباد کی مدد کرائی تھی۔ کام چوروں اور بے شرموں کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے عدیل سفیان کو بھی آخر کار شرم آ ہی گئی تھی اور اس نے میز پر برتن لگانے شروع کر دیے تھے۔ اس سارے عمل کے دوران عدیل اور ہنیہ کی آپس میں بات چیت بھی مسلسل ہو رہی تھی۔ وہ خود جان بوجھ کر کم بول رہا تھا۔ عدیل کو ہنیہ سے ملنے کا' دوست کی پسند سے متعارف ہونے کا اتنا شوق تھا تو اب وہ چاہتا تھا عدیل' ہنیہ کی شخصیت کو پوری طرح جان جائے اور اسے اتنا ہی اچھا اور اتنا ہی منفرد سمجھے جتنی وہ حقیقت میں ہے۔ عدیل اور ہنیہ کی زیادہ تر بات چیت اپنے اپنے پروفیشن' سول انجینئرنگ اور میکینکل انجینئرنگ پر ہو رہی تھی۔ وہ پڑھائی میں تھی ہی زبردست۔ اپنے مضمون پر اسے پوری دسترس حاصل تھی چنانچہ وہ اپنی پکی تلی گفتگو سے عدیل سفیان کو مرعوب و متاثر کر رہی تھی۔ ایسی نازک کامنی سی لڑکی اور باتیں اتنی بھاری بھرکم' وہ دوست کے چہرے کے تاثرات کو انجوائے کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ ہنیہ نے بھی میز پر سے برتن اٹھانے شروع کر دیے تھے۔ وہ ان برتنوں کو دھونے کے بھی موڈ میں تھی۔

"فار گاڈ سیک ہنیہ! میں نے تمہیں ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا' گھر کے کام کروانے کے لیے نہیں۔ دھل جائیں گے یہ برتن' چھوڑو انہیں۔"

آج چونکہ بارش خاصی تیز ہو رہی تھی' اس لیے کھانے کے بعد ہنیہ زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ اپنا چاکلیٹ کلر کا اوور کوٹ اور گلوز پہنتے جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

عدیل اس پوری شام سارا وقت ان دونوں کے ساتھ موجود رہا تھا اور اسے ایک پل کے لیے بھی ہنیہ کے ساتھ اکیلے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔ وہ آج بہت اچھی لگ رہی ہے' یہ بتانا چاہتا تھا مگر عدیل جان بوجھ کر سارا وقت اس کے سر پر سوار رہا تھا۔ ہنیہ دروازے تک آ گئی تھی' وہ اس کے ساتھ نیچے تک جانا چاہتا تھا۔

"ہاں چلو ہم ہنیہ کو نیچے تک خدا حافظ کہہ کر آتے ہیں۔" اسے بھی ہنیہ کے ساتھ دروازے سے نکلتا دیکھ کر عدیل فوراً" بولا۔

"ہنیہ کو نیچے تک میں چھوڑ آؤں گا۔" دانت پیستے اس نے دوست کو گھورا۔ بتیسی کی نمائش کرتا عدیل وہیں رک گیا تھا۔

"تمہارا دوست بہت اچھا ہے عالی! بہت جولی اور زندہ دل سا۔" لفٹ میں داخل ہوتے وہ اس سے بولی۔ اس نے آج ہنیہ کو یہی کہہ کر انوائیٹ کیا تھا کہ اس کا بچپن کا اور بہت گہرا دوست عدیل سفیان اس سے ملنا چاہتا ہے سو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"میں ٹھیک سے تیار ہو کر آئی تھی ناں عالی! تمہارے دوست پر میرا امپریشن ٹھیک پڑا ہو گا نا؟"

"صرف ٹھیک؟ تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ویسے مجھے تو تم اسٹرابیری والے سلیپنگ ڈریس میں بھی بہت پیاری لگتی ہو مگر آج میرا خیال ہے' تم سب کو اچھی لگ رہی ہو گی۔"

وہ اس کے شرارتی انداز پر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ دونوں اس کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ سے نکل آئے تھے۔ اسے کیب کے ذریعے واپس جانا تھا۔ عباد نے اس کے چھتری کھولنے سے پہلے اپنی چھتری کھول لی تھی اور اس کے نیچے اسے پوری طرح لے لیا تھا۔ خود اس پر بارش کی چھینٹیں آ رہی تھیں مگر ہنیہ پر اس نے بارش کا ایک قطرہ نہیں گرنے دیا تھا۔

"ممی' پاپا اور ماما جانی نے مجھے لاڈ پیار میں بالکل نہیں بگاڑا تھا مگر مجھے لگتا ہے تم مجھے Spoil کر کے ہی چھوڑو گے۔ مجھے بلاوجہ اپنے ناز' نخرے اٹھوانے کی عادت ہوتی جا رہی ہے۔"

وہ اس پر چھتری تانے اس کا محافظ بنا کھڑا تھا اور وہ مسکرا کر اس سے کہہ رہی تھی۔ (باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

ایک اتفاق ہنیہ اور عباد کو ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ ہنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عباد کی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ ہنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ عباد کا دوست عدیل' ہنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا' ہنیہ' عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۳
تیسری قسط

ایک ٹیکسی روکی' جب وہ رک گئی تب وہ اس سے بولا' "میں تمہارے سارے ناز' نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا ہنیہ سجاد۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی۔

ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب وہ اندر جانے کے لیے واپس مڑا۔ اپنے اپارٹمنٹ واپس آیا تو عدیل لیونگ روم میں صوفے پر اوندھا لیٹا اسپرائٹ کا کین ہاتھ میں لیے ٹی وی پر فٹ بال کا کوئی میچ دیکھنے میں مگن تھا۔

"یہ نہیں ہوا کہ کچن سمیٹ دیتے۔ اول درجے کے کام چور ہو تم عدیل سفیان۔" اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا۔

"میرے گھر میں نوکروں کی فوج نہیں ہے' شرافت سے کچن میں آؤ اور میرے ساتھ برتن دھلواؤ۔ پہلے تم جیسے پیٹو کے لیے پکاؤں' کھلاؤں اور پھر برتن مانجھوں' مجھے کیا نوکر سمجھ رکھا ہے۔"

اسے ڈانٹتا وہ کچن میں آ گیا۔ برے برے منہ بناتا عدیل اس کے پیچھے کچن میں آگیا تھا۔ وہ اسفنج کی مدد سے ایک سنک میں برتنوں پر ڈش واشنگ لیکوڈ لگاتا جا رہا تھا اور برابر والے دوسرے سنک میں عدیل انہیں پانی سے دھو دھو کر رکھتا جا رہا تھا۔ وہ اب منتظر تھا کہ عدیل ہنیہ کے تعلق کوئی تبصرہ کرے گا' کچھ کہے گا مگر وہ گھما پھرا ادھر ادھر کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا برتنوں کو کھنگال رہا تھا۔

"عدیل! تمہیں ہنیہ کیسی لگی؟ وہ ممّا' پاپا کو پسند آئے گی نا؟"

اس کے گھنے پن سے ہار مانتے اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔ عدیل اس کی طرف دیکھتا قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"مجھے پتا تھا اتنی دیر سے اس بات کی بے چینی ہو رہی ہے پر میں نے کہا عاشق صادق جب تک خود نہ پوچھیں گے خود سے ایک لفظ نہیں کہوں گا۔" عدیل ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یار ہنیہ تو واقعی کام سے گیا۔ میں شروع میں سمجھا تھا یونہی کوئی چھوٹا موٹا سا افیئر ہے مگر تمہیں دیکھ کر تو لگ رہا ہے تم سانس بھی اسے دیکھ کر لیتے ہو۔ میں تھا تب اس پر سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں' آنکھیں اسے دیکھ کر چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگی تھیں۔ اکیلے میں خدا جانے کیا حال ہوتا ہو گا۔"

"میں نے تم سے یہ فون بک کرنے کے لیے نہیں کہا' جو پوچھا۔ اس کا جواب دو۔"

وہ اپنا مذاق اڑائے جانے پر خفگی سے بولا۔

"تم اس سے بہت محبت کرتے ہو نا عالی؟" اس بار ہنسی مذاق ترک کر کے عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت زیادہ۔ اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔ اسی لیے تو اس بات کے لیے فکرمند ہوں کہ وہ ممّا' پاپا کو پسند آ جائے گی کہ نہیں؟ تم بتاؤ عدیل! بالکل سچائی سے' وہ ممّا' پاپا کو کیسی لگے گی؟"

ان دنوں اس کے لیے زندگی کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہنیہ اس کے ممّا' پاپا کو پسند آ جائے گی کہ نہیں۔

"سو فیصد پسند آئے گی۔ جب بوسٹن میں تم نے مجھے ہنیہ کے بارے میں بتایا تو سچی بات ہے میں کچھ خاص خوش نہیں ہوا تھا' میں نے کہا یہ تم کس چکر میں پڑ گئے' پاکستانی اور بچپن والی امریکن لڑکی' مجھے تمہارے لیے یہ چیز مناسب نہیں لگی تھی۔ مگر ہنیہ سے مل کر مجھے اپنے تمام biased خیالات سے دستبردار ہونا پڑ رہا ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ ہر لحاظ سے تمہارے قابل' تمہاری فیملی کے شایان شان' آنٹی' انکل کی اکلوتی بہو بننے کے لائق۔ اور جیسے تم احمقوں کی طرح اسے تک رہے تھے ویسے ہی وہ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد تمہیں دیکھ رہی تھی۔ باتیں مجھ سے کر رہی تھی پر دھیان اس کا سارا وقت تم پر تھا۔ ہماری پاکستانی لڑکیوں کی طرح وہ behave کر رہی تھی۔ اس

کا بس نہیں چل رہا تھا تمہیں ہاتھ پکڑ کر بٹھا دے اور کچن کا سارا کام خود نمٹا دے۔ ایسے مٹھاس بھرے لہجے میں تمہیں عالی کہہ رہی تھی کہ میں بلاوجہ تم سے جیلس ہوا جا رہا تھا۔ ایک لڑکی جو خوبصورت بھی ہے' ذہین بھی ہے' اعلا تعلیم یافتہ بھی ہے' اچھی عادات و مزاج بھی رکھتی ہے' اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ سے بہت زیادہ اور والہانہ محبت بھی کرتی ہے' عالی! ایسی لڑکیاں کہاں ملا کرتی ہیں؟ یہ ہنیہ سجاد تمہیں کہاں ملی تھی؟ اس کی کوئی چھوٹی بہن وہن ہے تو پلیز' مجھے اس سے ملوا دو۔"

وہ سرشاری و سکون سے مسکرا دیا تھا۔ ہنیہ اس کے لیے جو تھی' وہ تو تھی مگر ان دنوں اسے اصل فکر اپنے ممّا' پاپا کی تھی۔ ہنیہ انہیں کیسی لگے گی؟ وہ انہیں پسند آئے گی کہ نہیں؟ وہ چاہتا تھا جیسی والہانہ محبت ہنیہ سے وہ کرتا ہے' ویسی ہی محبت اس کے ممّا' پاپا کو بھی ہو جائے اس سے۔ عدیل کے کمنٹس نے اسے خوشی اور بھرپور سکون پہنچایا تھا۔

"اول تو اس کی کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے' ایک ہی بہن ہے اور وہ اس سے کئی سال بڑی اور شادی شدہ ہے' دوسرے یہ کہ اگر ہوتی بھی تو وہ ہنیہ سجاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس دنیا میں ہنیہ سجاد صرف ایک ہی ہے اور وہ عباد عذیر کے لیے ہے۔" وہ کچھ مغرورانہ انداز میں بولا تھا۔

وہ دونوں برتن دھونے اور سکھانے کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد اب عباد کے بیڈ روم میں آگئے تھے۔ جہاں عدیل' عباد کے کمپیوٹر اور پرنٹر پر کچھ کام کرنا چاہتا تھا۔

"کب ملواؤ گے تم آنٹی' انکل کو ہنیہ سے؟" پرنٹر میں صفحات لگاتے ہوئے عدیل نے اس سے پوچھا۔

"ممّا' پاپا کے نیویارک آنے کا ہو رہا ہے' ویسے ہو تو ان کے آنے کا پچھلے کئی مہینوں سے رہا ہے۔ پاپا آنے کی ڈیٹ کنفرم کرتے ہیں پھر ان کی کوئی مصروفیت آ جاتی ہے۔ کوئی امپورٹنٹ کلائنٹ' کوئی اہم پروجیکٹ اور ان کا آنا ملتوی ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس بار میں پاپا سے تھوڑا ناراض ہوا تھا' میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ہائی اسٹینڈرڈ میں اس بری طرح پھنسا ہوں کہ کرسمس اور نیو ایئر کی چھٹیوں میں بھی پاکستان آنے کا سوچ تک نہیں سکتا اور آپ ہیں کہ اپنے آنے کو مسلسل ٹالے چلے جا رہے ہیں۔ خدا کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کے حال پر رحم کریں' آپ دونوں سے ملنے کے لیے میں ترس رہا ہوں۔ لہٰذا پاپا نے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ پوری کوشش کریں گے کہ کرسمس کی چھٹیوں میں اگر یہاں نہ بھی آ سکے تو نیو ایئر پر تو ہر حالت میں میرے ساتھ نیویارک میں ہوں۔"

"پھر تو اب کم دن رہ گئے ہیں۔ دسمبر آدھا تو سمجھو گزر ہی گیا ہے۔"

"ہاں۔ اسی لیے تو میں بہت ایکسائیٹڈ بھی ہوں اور تھوڑا سا ڈر بھی رہا ہوں۔ حالانکہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہنیہ ایسی ہے کہ ممّا اور پاپا دونوں کو پہلی نظر ہی میں دل و جان سے پسند آ جائے گی۔"

"وہ پاکستان میں سیٹل ہونے کے لیے تیار ہے؟"

"ہاں۔ صرف پاکستان کیا' وہ کہتی ہے وہ دنیا کے ہر اس حصے میں میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہے جہاں میں رہنا چاہوں گا۔" اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

"عباد عذیر! میں تجھ سے جیلس ہو رہا ہوں۔" بیڈ پر اوندھے لیٹے اس نے اب اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

پاکستان رہنے اور پاکستان میں سیٹل ہونے کی بات پر اس کا دھیان خود بخود اپنے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ تصور کی آنکھ سے اپنے گھر کو دیکھنے لگا تھا۔ کراچی میں اس کا پیارا سا دہ گھر' شام کا وقت' اس کے گھر کا بڑا سا' خوبصورت سا لان' لان چیئرز پر ممّا' پاپا' ہنیہ اور وہ خود' کتنا مکمل تھا وہ منظر' بہت زیادہ وقت تو نہیں رہ گیا تھا اب اس منظر کو حقیقت بن جانے میں۔

"یہ اکیلے اکیلے کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے؟" اس کے لبوں پر بکھری دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر عدیل پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

"ہر بات بچوں کو بتانے کی نہیں ہوتی۔" آنکھیں بند کیے کیے ہی اس نے چڑانے والے انداز میں عدیل کو جواب دیا۔

"جاتے وقت لائٹ آف کر کے جانا۔" وہ کروٹ لے کر تکیے پر سر رکھ کر صحیح سے لیٹ گیا تھا۔ عدیل کچھ دیر بعد اپنا کام مکمل کر کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ بھی یقیناً برابر والے کمرے میں سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ ہنیہ کو اپنے گھر کے مختلف حصوں میں ممّا' پاپا اور اپنے ساتھ گھومتے پھرتے اور چلتے دیکھتے اسے نیند آنے لگی تھی۔ اس کی آنکھ لگنے لگی تھی۔

"میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عالی! تم

یقین نہیں کرو گے، مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتا مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عالی!"

ہنیہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ جس دن سے اس نے یہ بات اسے بتائی تھی وہ ہر روز دن سے نجانے کتنی بار اس بات کو سوچتا اور اس پر خوش ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسے اتنا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سوتی اپنے قریب اس کی موجودگی یوں پہچان گئی تھی جیسے عباد عذیر کے ساتھ اس کا دل کا نہیں روح کا رشتہ تھا۔

جس روح کے ساتھ اس کی روح نے ازل کی صبح ہمیشہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا اس کی طرف خود بخود کھنچی چلی آئی ہے۔ جیسے وہ بس کسی ان دیکھی، ان جانی قوت کے زیر اثر اس کے قریب کھنچتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک روح کا دوسری روح کے ساتھ ازل کے روز قائم ہوا لافانی رشتہ تھا، اور انسانی فہم سے بہت بالاتر تھا۔

سنا ہے
زمین پر وہی لوگ ملتے ہیں جن کو
کبھی آسمانوں کے اس پار
روحوں کے میلے میں
اک دوسرے کی محبت ملی ہو!

✡ ✡ ✡
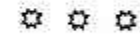
"تو عالی کے پیرینٹس امریکہ آنے والے ہیں؟" لائبریری کے ریڈنگ روم میں اس کے ساتھ بیٹھی کیتھی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں ابھی ڈیٹ کنفرم نہیں۔ لیکن دسمبر کے اینڈ یا جنوری کے شروع میں وہ لوگ یہاں آئیں گے، یہ بالکل کنفرم ہے۔"

ہنیہ ہی کے حوالے سے کیتھی اور مائیک کی بھی عباد کے ساتھ کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں عباد سے جب بھی ملا کرتے ان تینوں کی آپس میں خوب دوستانہ انداز اور بے تکلفی سے بات چیت ہوا کرتی تھی۔ کیتھی اپنی بچپن کی دوست کے لیے بہت خوش تھی، اسے عباد بہت پسند تھا۔ ہائی اسکول میں جب کیتھی سمیت ان کی کلاس کی کوئی لڑکی ایسی نہ تھی جس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو تب ہنیہ کو تنہا دیکھ کر کیتھی کڑھا کرتی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ ہنیہ کے ساتھ کوئی لڑکا ڈیٹ پر جانا نہیں چاہتا تھا اس کے مسلسل انکار کے بعد تو لڑکے اس کی طرف اور بھی زیادہ متوجہ ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کا ایک مستقل انکار، ایک مستقل نہیں۔ وہ اپنے مذہب پر کاربند رہی دوستوں کی پارٹیز میں، فنکشنز میں ہر جگہ تنہا رہتی، ہر جگہ تنہا نظر آتی۔ اور کیتھی اسے تنہا دیکھ کر کڑھتی یہ سوچنے لگتی کہ کہیں اس کی دوست ہمیشہ یونہی تنہا نہ رہ جائے۔ اور اب جب اس کی دوست کو وہ مل گیا تھا جس کے انتظار میں اس نے جونیئر اسکول، ہائی اسکول اور یونیورسٹی کے ابتدائی تمام سال بالکل تنہا گزار دیے تھے تب کیتھی اس کے لیے بہت خوش تھی۔ جس کے انتظار میں اس نے یہ تمام سال اپنی عمر کی باقی تمام لڑکیوں کے برخلاف بالکل تنہا کاٹے تھے، وہ تھا اس قابل کہ اس کے انتظار میں عمر گزار دی جائے۔ وہ ہنیہ سے کتنی محبت کرتا تھا یہ تو کوئی پوچھنے اور بتانے والی بات ہی نہ تھی۔

ہنیہ اب کیتھی سے یہ بات کر رہی تھی کہ پتا نہیں وہ عباد کے والدین کے معیار پر پوری اتر سکے گی یا نہیں اور کیتھی اسے دوستانہ گرم جوشی سے یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہ انہیں ضرور پسند آئے گی۔

"فرائی ڈے کو عالی آرہا ہے نا تمہارے ساتھ؟" کچھ دیر بعد کیتھی نے اس سے پوچھا۔ کرسمس ایو پر اس نے اپنے گھر پارٹی رکھی تھی، جس میں اپنے تمام قریبی اور خاص دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ کیتھی نیویارک میں تنہا رہ رہی تھی۔ پہلے اس کے والدین بھی یہیں تھے پھر جب اس کے والد ریٹائر ہو گئے تو وہ اور اس کی والدہ واپس کیلی فورنیا اپنے آبائی شہر لاس اینجلس منتقل ہو گئیں۔ اپنی تعلیم کی وجہ سے کیتھی یہیں رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے گھر پارٹی میں ہنیہ کے ساتھ عباد کو بھی آنے کی دعوت دی تھی۔ خود اسے فون کر کے پارٹی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ کیتھی کے بذات خود انوائیٹ کرنے کے باوجود بھی عباد کا وہاں جانے کا کچھ خاص موڈ نہ تھا۔

"یار میں کیا کروں گا تمہارے فرینڈز کی پارٹی میں جا کر۔ تمہاری کیتھی اور مائیک کے علاوہ میں وہاں کسی کو جانتا تک نہیں ہوں گا۔"

"وہاں میری سب فرینڈز اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ آئیں گی۔ کیتھی نے تو ان کے بوائے فرینڈز کو انوائیٹ بھی نہیں کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں انوائیٹ کر رہی ہو تو ہم پارٹی میں اکیلے تو ہرگز نہیں آئیں گے۔ عالی! میں وہاں

جاؤں گی، تمہیں اچھا لگے گا؟ پلیز میرے ساتھ چلو۔ آج تک ان ہی فرینڈز کی پارٹیز میں ہمیشہ بالکل اکیلی گئی ہوں۔ اپنی فرینڈز کی طرح میرے ساتھ کوئی ہوتا ہی نہیں تھا جسے میں پارٹیز میں اپنے ساتھ لے جا سکوں، دوستوں کے سامنے تھوڑا سا اترا سکوں۔"

اس نے کہا اس بے ساختگی سے تھا جیسے اپنی کوئی بہت بڑی حسرت بیان کر رہی ہو کہ عباد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے اترانا اور شو آف کرنا ہے۔"

"تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا، میں پراؤڈ فیل کروں گی۔ وہ سب تو صرف اپنے بوائے فرینڈز کو ساتھ لائیں گی اور میرے ساتھ وہ آیا ہے جس نے مجھے پرپوز کیا ہے، جو مجھ سے شادی کرنے والا ہے۔ عالی! پلیز فار مائی سیک!"

"اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر چلنے کو کہو گی میں اس کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ اچھا جانا کتنے بجے ہے؟"

وہ اس سے اپنی بات منوا کر فخریہ مسکرائی تھی اور پھر اسے چلنے کا ٹائم بتانے لگی تھی۔

"ہاں، عالی آرہا ہے۔" اس نے کیتھی کو مسکرا کر جواب دیا تھا۔

کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے کے لیے اس نے بڑے اہتمام سے تیاری کی تھی۔ اس بار جو عید گزری، اس پر ماما جانی نے اسے سیاہ رنگ کا ویلویٹ کا بہت خوب صورت ڈریس بنا کر دیا تھا۔ اپنی کسی جاننے والی سے وہ انہوں نے اس کے لیے بطور خاص کراچی سے وہاں کے کسی مشہور ڈیزائنر کی بوتیک سے منگوایا تھا۔ ویلویٹ کا بلیک کلر کے انارکلی اسٹائل کی اونچی سی قمیص، ویلویٹ ہی کا ٹراؤزر، قمیص کے گلے، آستینوں اور دامن پر سلور رنگ کا کام بہت خوب صورت اور نازک سا کام بنا ہوا تھا۔ عید پر وہ اسے پہننے کا موقع نہیں مل سکا تھا مگر آج اس نے اسی ڈریس کا انتخاب کیا تھا۔ چونکہ ویلویٹ کا سوٹ تھا۔ اس لیے آج کے اس ٹھنڈے موسم کے لیے یہ ڈریس موزوں تھا۔ شوق نہیں تھا تو جیولری وغیرہ کا کوئی خاص کلیکشن بھی نہیں تھا۔ ماما جانی نے اپنا ایک سلور کا سیٹ نکال کر دیا تھا۔ سلور ہی کی چین میں سلور سے آراستہ نیکلس، ایئررنگز اور انگوٹھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے گہرے شیڈ کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ آئی لائنر، مسکارے اور بلش آن کا استعمال کیا تھا۔ بالوں کو وہ آج دوپہری ایک نئے انداز میں سیلون سے کٹوا کر آئی تھی۔ اس نئے ہیر کٹ میں اس کے بالوں کے قدرتی کرلز اور بھی اچھے لگ رہے تھے۔ آج سردی چونکہ بہت زیادہ تھی، اس لیے بڑے اہتمام سے اس نے اپنا سب سے قیمتی منک کوٹ اور منک ہیٹ پہنا تھا۔

ماما جانی کو خدا حافظ کہتی وہ عباد کے گھر آگئی تھی۔ کیتھی کا اپارٹمنٹ چونکہ عباد کے اپارٹمنٹ سے نزدیک تھا لہٰذا اس کے اور عباد کے بیچ یہی طے ہوا تھا کہ پارٹی میں جانے کے لیے وہ عباد کے گھر آجائے گی۔ دوپہر میں جب عباد اپنے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر واقع لانڈری روم میں لانڈری کے لیے آیا ہوا تھا، تب اس نے تہمینہ کو فون کر کے اس سے پوچھا تھا کہ وہ آج کس کلر کے کپڑے پہن رہی ہے۔

"بلیک کلر کے" اس نے اسے بتا دیا تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ پہنچی تو عباد تیار ہو کر اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلیک کلر کا ٹو پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ جب تہمینہ نے اسے پارٹی میں ساتھ چلنے کے لیے راغب کر لیا، پھر اس نے اس سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ پارٹی میں بہت اہتمام سے تیار ہو کر چلے گا۔

آج کیتھی کے ہاں پارٹی میں شریک لوگوں کو ان کی تیاری اور خوش لباسی کے حوالے سے مختلف خطابات

لیے جاتے تھے۔ ان خطابات میں ایک خطاب "کپل آف دی ایوننگ" کا بھی تھا جو آج پارٹی میں شریک سب سے پرفیکٹ کپل کو دیا جاتا تھا۔ کیتھی اپنی پارٹیز میں ایسی ایکٹویٹیز ضرور رکھا کرتی تھی۔ باقاعدہ ایک باکس رکھ دیا جاتا تھا' جس میں لوگ اپنا ووٹ خاموشی سے ڈال دیا کرتے تھے۔ ایسا ہی آج بھی ہوتا تھا۔

عباد نے اس وقت تو ہنسی مذاق میں اس کی ساری بات ٹال دی تھی مگر اس وقت وہ جس اہتمام اور جس تک سک سے درست بھرپور انداز میں تیار نظر آ رہا تھا' اسے دیکھتے پتا چل رہا تھا کہ اس کی یہ بات کہ۔

"عالی! میں چاہتی ہوں آج پارٹی میں "کپل آف دی ایوننگ" ہم ہی دونوں قرار پائیں۔"

دل سے چاہے وہ اس کی اس فرمائش کو جتنا بھی بچکانہ اور امیچیور سمجھتا ہو' پر اس نے اس کی بات ٹالی نہیں تھی۔

"دیکھ لینا عالی! آج کپل آف دی ایوننگ ہم ہی ہوں گے۔" وہ بے تحاشا خوش اور ایکسائٹڈ تھا۔ عباد کے ساتھ کسی پارٹی میں جانا اسے بہت زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ عباد اس کی ایکسا ئٹمنٹ پر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کی خاطر' اس کی خوشی کی خاطر اس کے ساتھ جا رہا تھا اور اسے خوشی دینا اسے ہمیشہ ہی کی طرح بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے عباد کو بتایا تھا کہ کیتھی نے گٹار کا بھی انتظام کر کے رکھا ہوا ہے اور اس نے خاص طور پر کہلوایا ہے کہ آج عباد پارٹی میں سب کو گٹار پر کچھ اچھی دھنیں ضرور سنائے۔ عباد نے اپنا کیمرہ ساتھ لے لیا تھا۔

"باہر کرسمس کی اتنی رونق ہے' پیدل چلیں ہنی؟"

کیتھی کا اپارٹمنٹ عباد کے گھر سے نزدیک تو تھا' پر واکنگ ڈسٹینس۔ پر بھی نہ تھا۔ مگر کرسمس کے موقع پر نیویارک کی سڑکوں پر جو بے تحاشا رونق اور گہما گہمی ہوتی تھی' اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے پیدل چلنے سے زیادہ بہترین اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

نومبر کی آخری تاریخوں سے جنوری کی ابتدائی تاریخوں تک ہر سال نیویارک شہر سیاحوں سے بھر جاتا تھا۔ نومبر سے لے کر جنوری تک یوں لگتا جیسے شہر کی سڑکوں پر کسی جشن کا اہتمام ہے۔ چھوٹی بڑی تمام دکانیں سجی ہوئی' روشنیوں سے جگمگاتی ہوئی۔ ہر اسٹور' ہر شاپ کے باہر خوب صورت کرسمس ٹری سجے نظر آتے تھے۔

نیویارک شہر جو روشنیوں سے یوں بھی جگمگا رہا تھا' کرسمس کے موقع پر اس کی رونقیں اور روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کر دیا کرتی تھیں۔ عباد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی موڈ ہو رہا تھا کہ نیویارک کی سڑکوں پر کرسمس کی رونقوں اور ہنگاموں کو انجوائے کرتے کیتھی کے گھر جائیں۔ وہ دونوں باہر نکل آئے تھے۔ موسم بے انتہا سرد تھا۔ سب کچھ پہنے ہوئے ہونے کے باوجود بھی سرد ہوائیں آر پار گزرتی محسوس ہو رہی تھیں مگر مجال تھی سخت ترین سردی لوگوں کے جوش و خروش اور تہوار کی رونقوں کو کچھ کم کر دیتی۔

وہ دونوں Lexington Avenue پر آ گئے تھے۔ وہ سڑک کے دونوں اطراف موجود اسٹورز کو دیکھتے' وہاں کی رونق اور گہما گہمی سے لطف اندوز ہوتے آگے بڑھ رہے تھے۔ تہوار کی خوشی سے سرشار نیویارکرز اور سیاح ان اسٹورز میں داخل ہوتے اور وہاں سے نکلتے نظر آ رہے تھے۔ بڑے بڑے اسٹورز کے باہر اور اندر خوب صورت کرسمس ٹریز نظر آ رہی تھیں۔ اسٹورز کے باہر سرخ لباس اور سفید داڑھیوں والے گیٹ اپ میں سانتا کلاز کھڑے نظر آ رہے تھے۔ جو ان اسٹورز میں جاتے اور وہاں سے نکلتے بچوں میں چاکلیٹس اور ٹافیاں تقسیم کر رہے تھے۔

عباد نے ایک اسٹور پہ رک کر کیتھی کے گھر لے جانے کے لیے کرسمس کیک' چاکلیٹس کا ایک باکس اور ایک فلاور شاپ سے پھولوں کا بڑا سا گلدستہ خریدا تھا۔ پھول اس نے پکڑ لیے تھے' باقی دونوں چیزیں عباد نے اٹھا رکھی تھیں۔ وہ دونوں اب نیویارک کی سب سے فیشن ایبل سڑک (میڈیسن ایونیو) پر آ گئے تھے۔

یہاں Brand کونشس امراء تو بڑی تعداد میں نظر آتے ہی تھے مگر ساتھ ہی ونڈو شاپنگ کرتے وہ بے شمار افراد بھی جو ان جگہوں سے شاپنگ کرنا تو ہرگز افورڈ نہیں کر سکتے تھے مگر ان کی رونقوں سے لطف اندوز ضرور ہو سکتے تھے۔ میڈیسن ایونیو پر کرسمس کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں کی رونق اور مختلف بوتیکس اور اسٹورز کی سجاوٹیں اور روشنیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہاں خاص کی چیز ان شاپس اور ڈپارٹمنٹ اسٹورز کی (ڈسپلے) ونڈوز تھیں' جنہیں کرسمس کے موقع پر بے حد خوب صورتی

سے سجایا جاتا تھا۔ بچے ان ونڈوز کے شیشوں سے ناک لگائے ان میں سجی اپنی من پسند اشیاء کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"سال کا یہ واحد موقع ہوتا ہے جب نیویارکرز نائس اور فرینڈلی نظر آتے ہیں۔" عباد اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ اسے چھیڑنے کے لیے اکثر اس طرح کی باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ اسے چھیڑنے کو نیویارکرز کو Snob بولا کرتا' جنہیں ہر لمحہ خود کو بہت مصروف پوز کرنے کا شوق ہے بولا کرتا اور وہ چونکہ ایک نیویارکر تھی تو برا مان کر جھٹ بولا کرتی۔

"بڑے شہروں کے بارے میں لوگ یونہی یہ غلط فہمی رکھتے ہیں۔ اصل میں بڑے شہروں میں رہنے والے تیز رفتار زندگی گزارتے ہیں۔"

ساڑھے سات بجے وہ دونوں کیتھی کے گھر پہنچے تو تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے۔ کیتھی نے گرم جوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا۔ منیبہ کے ہائی اسکول کے دنوں کے وہ چند دوست جن سے اب کم کم اور ایسے کسی خاص موقع پر ملنا ہوا کرتا تھا۔ پارٹی میں موجود تھے۔ وہ سب چونکہ آج عباد سے پہلی مرتبہ مل رہے تھے' اس لیے ابتدا تعارف اور رسمی خیر و عافیت ہی سے ہوئی تھی۔

کیتھی اسے اپنے گھر جب بھی مدعو کرتی ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھا کرتی تھی کہ وہ اس کے لیے اس طرح کی حلال ڈشز کا اہتمام ضرور کرے جنہیں وہ با آسانی کھا سکے۔

اس کے اپارٹمنٹ کا لیونگ روم اور ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیونگ روم میں ایک طرف بڑا سا اور بہت خوب صورت کرسمس ٹری سجا تھا۔

فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا' قہقہے لگ رہے تھے اور مختلف لوگ کیتھی کے یاد دلانے پر وقتاً "فوقتاً" باکس کے پاس رکھی چھوٹی چھوٹی چٹس پر Best ویل ڈریسڈ مین' بیسٹ ویل ڈریسڈ لیڈی' لیڈی آف دی ایوننگ' جنٹل مین آف دی ایوننگ اور کپل آف دی ایوننگ کے ناموں کا اندراج کر کے اپنی اپنی پرچیاں باکس میں ڈالتے جا رہے تھے۔ چند من چلوں کا گروپ تیز میوزک پر ڈانس کرنے میں مشغول تھا۔ وہ اپنے اور عباد کے لیے پلیٹس میں کچھ ڈال کر لانا چاہتی تھی۔ عباد کو سب دوستوں سے ملوانے اور متعارف کرانے کی مصروفیت میں ابھی تک ان دونوں نے کچھ لیا ہی نہیں تھا۔

"عالی! کیا لوگے؟" وہ صوفے پر اس کے برابر سے اٹھنے لگی۔

"جو دل چاہے۔ میرے لیے بھی اپنی ہی پلیٹ میں ڈال کر لے آؤ۔"

وہ اٹھی اور میز پر سے ایک بڑی سی پلیٹ اٹھا کر اس میں اپنے اور عباد کے لیے کافی کچھ ڈال کر فورکس اور چمچے لے کر واپس آگئی۔ پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ کولڈ ڈرنک لینے کے لیے جانے لگی۔

"کیا کولڈ ڈرنک بھی ایک ہی گلاس میں لے آؤں؟" اس نے تو مذاق میں پوچھا تھا مگر عباد نے سنجیدگی سے سر اقرار میں ہلا دیا۔ آج وہاں سب شیمپین اور ریڈ وائن پی رہے تھے' اسپرائٹ اور کوک کی بوتلیں کیتھی نے میز پر رکھی ہی ان دونوں کے لیے تھیں۔ اس نے بوتل میں سے ایک گلاس میں اسپرائٹ ڈالی اور واپس عباد کے پاس آگئی۔

"واؤ سو رومینٹک۔" وہ دونوں ایک ہی پلیٹ میں ساتھ بیٹھ کر کھانے اور باتیں کرنے میں اتنے مگن تھے کہ اردگرد سے اتنے لاتعلق تھے کہ کیتھی کی مسکراتی آواز پر دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اگر آپ دونوں برا نہ مانیں تو میں آپ دونوں کی ایک تصویر کھینچ سکتی ہوں؟ اصل میں تم دونوں اس وقت ساتھ بیٹھے مجھے اچھے بہت لگ رہے ہو۔"

"شیور۔" عباد نے مسکرا کر اسے اجازت دی۔ کیتھی نے ان دونوں کی طرف جھک' ایسے جیسے کوئی رازداری کی بات ان سے کرنا چاہتی ہو۔

"باقی لوگ جسے بھی کہیں' پر میرے لیے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔ وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال یہی آتا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں۔"

وہ دوست کے محبت بھرے تعریفی تبصرے پر کچھ فخریہ انداز میں مسکرائی تھی جبکہ عباد تھینکس کہتا بے ساختہ ہنسا تھا۔ کیتھی نے ان دونوں کی اسی انداز میں بیٹھے ایک تصویر کھینچ لی تھی۔ باہر ہلکی برف باری شروع ہوئی تو اندر پارٹی میں موجود تمام افراد نے زوردار تالیاں بجا کر اس برف باری کا خیر مقدم کیا۔

نیویارک میں ہر سال کرسمس پر برف باری نہیں ہوتی تھی' ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا اور جب بھی کرسمس ایو اور کرسمس کے دن برف باری ہوتی لوگ یونہی جوش اور ولولے کے ساتھ اس برف باری کا استقبال کرتے۔ پارٹی اپنے عروج پر تھی' برف باری نے لوگوں کے جوش اور خوشی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ کیتھی نے شور و غل مچاتے تمام لوگوں کو خاموش کرا کے گٹار عباد کے ہاتھ میں لا کر پکڑا دیا تھا۔

اس نے ایک خوب صورت اور مدھر دھن بجانی شروع کر دی تھی۔ وہ لوگ جو ہنگامے اور شور شرابے کے موڈ میں تھے اور ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر گٹار سننے میں زیادہ انٹرسٹڈ نہیں تھے' وہ بھی آہستہ آہستہ اس کی بجائی خوب صورت دھن کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔ عباد نے اپنا کوٹ اتار کر تہمینہ کو دے دیا تھا' جسے وہ گود میں رکھے بیٹھی تھی' قمیص کی آستین کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں اور ٹائی بھی قدرے ڈھیلی کر کے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا وہ دھن بجا رہا تھا۔ باہر ہوتی برف باری جو کیتھی کے اپارٹمنٹ کی بڑی بڑی ونڈوز سے صاف نظر آ رہی تھی' روئی کے گالوں کی طرح آسمان سے گرتی برف اور اندر ایک رومینٹک سی دھن۔ وہ دھن بجاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے بہت خوش بیٹھی تھی۔ وہ صرف ایک دھن سنانے بیٹھا تھا مگر وہاں موجود بلیہ کے دوستوں نے اصرار کر کے اس سے مزید بھی کئی دھنیں سنی تھیں۔

پارٹی ابھی اپنے جوبن پر تھی مگر چند لوگ چونکہ جانے کی اجازت مانگ رہے تھے تو کیتھی باکس کھول کر آج کون کس اعزاز کا حق دار قرار پایا ہے کا اعلان کرنے لگی۔ بلیہ کی خواہش کے عین مطابق "کپل آف دی ایوننگ" وہ دونوں ہی قرار پائے تھے اور وہ بھی بڑی غالب اکثریت سے۔

"آج یہاں دوسرے کئی کپلز ایسے ہیں جو تہمینہ اور عباد سے زیادہ خوش لباس اور خوش شکل ہیں مگر جو کیمسٹری ان دونوں کے بیچ نظر آ رہی ہے' جو ایک ہونے کا احساس ان دونوں میں ہے وہ اور کسی میں بھی نہیں۔"

کیتھی نے ان دونوں کو بیسٹ کپل قرار دینے کے بعد کہا تھا۔ عباد مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پتا تھا وہ اس وقت مارے خوشی کے پھولی نہیں سما رہی ہے۔ اور وہ اس کے چہرے سے سمجھ گئی کہ وہ یہاں سے اٹھنا چاہ رہا ہے' اس

لیے اس سے بولی تھی۔

"چلیں عالی؟"

"ہاں! تم یہاں ٹھہرو' میں گھر سے گاڑی لے آتا ہوں۔"

"گاڑی کی کیا ضرورت ہے' جیسے پیدل آئے تھے ایسے ہی چلیں گے سڑکوں پہ رونق دیکھتے ہوئے۔"

"اس وقت برف باری نہیں ہو رہی تھی ہنی۔ اب باہر برف پڑ رہی ہے' ٹھنڈ بھی یقیناً" زیادہ ہو گئی ہوگی۔"

وہ اپنے اپارٹمنٹ جا کر وہاں سے اپنی گاڑی لانے یا پھر نیچے سے کوئی کیب روکنے کے پوری طرح موڈ میں تھا مگر وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی۔ برف باری میں اس کا ہاتھ تھام کر روشن جگمگاتی سڑکوں پہ چلنا کتنا رومانٹک تھا۔

"میں اتنی نازک نہیں ہوں عالی! اس موسم کی عادی ہوں۔ نیویارک کی سردیاں اور برف باری' میں اس میں پیدا ہوئی اور بڑی ہوئی ہوں۔ پلیز عالی! پیدل چلو نا۔ رات میں اس وقت برف باری میں پیدل چلنا اتنا اچھا لگے گا۔ پلیز!"

وہ اس کی پلیز سے ہار مان کر چپ ہو گیا تھا۔ عباد اس اسٹینڈ جس پر تمام مہمانوں کے اوور کوٹ ٹنگے تھے' وہاں سے اپنا اور اس کا اوور کوٹ اٹھا کر لے آیا تھا۔ جتنی دیر میں اس نے اپنا اوور کوٹ پہنا وہ اس دوران اس کا ہیٹ اور گلوز پکڑ کر کھڑا رہا۔ بلیہ کا ایک دوست جو اس منظر کو دور سے بیٹھا دیکھ رہا تھا' اس نے کیتھی کو جو قدرے دور کھڑی تھی زور سے آواز دے کر کہا تھا۔

"آج اور کچھ صحیح دیا گیا ہو یا نہیں Best کپل کا اعزاز بالکل درست جگہ پر دیا گیا ہے۔"

اس نے بلیہ سجاد اور عباد عذیر کی جوڑی کو جنت میں بنائی جوڑی قرار دیا تھا۔

"خوش ہو اب' تمہیں بیسٹ کپل کا ٹائٹل چاہیے تھا' وہ مل گیا۔"

سب کو خدا حافظ کر کے جب وہ دونوں باہر نکل آئے تب عباد نے اس سے پوچھا۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے مگر نیویارک کی سڑکوں پر ابھی کرسمس کی رونقیں اور ہنگامے ذرا ماند نہیں پڑے تھے۔ برف باری اور سردی کی شدت نے بھی لوگوں کے ذوق و شوق اور ایکسائٹمنٹ کو کم نہیں کیا تھا۔

نیویارک کی ان جگمگاتی' خوب صورت سڑکوں پر برف باری میں چلنا اپنے آپ میں ایک بے حد خوب صورت تجربہ تھا۔ ابھی ہر چیز پر ہلکی ہلکی برف پڑنی شروع ہوئی تھی' صبح تک تمام سڑکیں' درخت' مکانات' بلڈنگز برف سے ڈھک جاتی تھیں۔ پورا شہر برف اوڑھے نظر آنے لگتا تھا۔ جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح کے حساب سے بدنام اس شہر میں عام دنوں میں رات کے وقت یوں پیدل چلنا خطرے سے خالی نہ تھا مگر یہ کرسمس ایو تھا۔ باہر رونقیں ایسی تھیں' چہل پہل اس قدر تھی کہ کم از کم آج رات ایسے حادثات اور واقعات کا ہونا ناممکن تھا۔ آسمان سے گرتی نرم اور سفید برف جو ان دونوں پر ایک ساتھ گر رہی تھی' اس برف باری میں اس طویل سڑک پر عباد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا' اس سے زیادہ حسین اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا' بلیہ سجاد جیسی رومانٹک لڑکی کے لیے۔

آج یہ موسم یہ برف باری زندگی کے سب موسموں سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ عباد کا ہاتھ تھام کر چلے' اس نے آہستگی سے اپنے گلوز میں عباد کا ہاتھ تھام لیا تھا' اسے پتا تھا وہ دو تین منٹ بعد اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لے گا۔ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی' کاش آج صرف آج کے دن وہ ایسا نہ کرے۔ زندگی کے ان خوب صورت اور یادگار لمحات کو وہ یونہی اسی انداز میں گزارنا رہنے دے۔ پھر اگلے سال تو وہ دونوں یہاں ہوں گے بھی نہیں۔ کراچی میں عباد کے گھر میں "نتالیا" اس کے بیڈ روم میں بیٹھے نیویارک کی اس سرد ترین مگر بے حد رومینٹک رات کو یاد کر رہے ہوں گے۔ (میڈیسن ایونیو) پر واقع تمام بڑے اور چھوٹے اسٹورز پر ابھی بھی خریداروں کا رش تھا' وہ ان خوب صورت اور بڑے بڑے اسٹورز کے باہر سے ونڈو شاپنگ کرتے گزر رہے تھے۔ اسے ایک بڑے سے اسٹور میں باہر ڈسپلے پر بہت خوب صورت مردانہ شرٹس' ٹراؤزرز اور ٹائیاں وغیرہ ٹنگے نظر آئے تھے۔

"عالی! اندر چلیں؟" اس کے کہنے پر عباد اس کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ اندر آ جانے کے بعد اب وہ اسے اپنے اندر آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔

"عالی! منع مت کرنا پلیز! ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔ دیکھو میں نے آج تک کبھی تمہیں غصے میں کچھ نہیں دیا ہمیشہ تم دیتے ہو' میرا ابھی تو دل چاہتا ہے تمہیں کوئی گفٹ دینے کو۔ دیکھو یہ شرٹس مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ میں ان میں سے ایک تمہارے لیے خریدنا چاہتی ہوں۔" جس طرح ہر جگہ

خود پیسے خرچ کرتا اور اسے کہیں ذرا سے بھی پیسے خرچ نہ کرنے دیتا اس سے وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں عباد یہاں بھی منع نہ کر دے۔ مگر وہ آج اس کے تمام اندازے غلط ثابت کر رہا تھا' اس نے سڑک پر اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا بلکہ اب کافی دیر بعد جب وہ اسٹور میں آئے تھے۔ تب اسٹور کے اندر آ کر اپنا ہاتھ الگ کیا تھا اور اس نے اس سے تحفہ لینے سے بھی انکار نہیں کیا تھا۔

"دل چاہتا ہے تو دیتی کیوں نہیں ہو گفٹ! میں تو اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ یہ ہنیہ بڑی کنجوس لڑکی ہے اس نے آج تک کبھی مجھے گفٹ میں کچھ نہیں دیا۔"

وہ متبسم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ یکدم بہت خوش ہو گئی تھی۔ خوشی سے سرشار ہوتے وہ ہینگرز میں ٹنگی شرٹس دیکھنے لگی۔

"عابی! تمہیں کون سا کلر اچھا لگ رہا ہے؟ یہ بلیو یا وہ فان؟" اس نے دو ڈیزائن شرٹس کی جانب اشارہ کیا۔

"فان۔" وہ شرٹس سے زیادہ اس کی خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"عابی! مجھے بلیو زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ تم پر بلیو کلر بہت زیادہ سوٹ کرتا ہے۔" اس نے جیسے ایک الجھن عباد کے سامنے رکھی مگر وہ فوراً ہی بولا۔

"نو پرابلم۔ ہم بلیو ہی لے لیتے ہیں۔"

"پر تمہیں فان زیادہ اچھی لگ رہی ہے نا؟" اسے بلیو شرٹ زیادہ پسند آ رہی تھی مگر وہ عباد کی پسند کو بھی مقدم رکھنا چاہتی تھی۔

"مجھے ہر وہ چیز سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے جو ہنیہ سجاد کو اچھی لگتی ہے' اب تو یہ بلیو شرٹ ہی خریدی جائے گی۔" اس نے وہ شرٹ اٹھائی تھی اور پیچھے کھڑی سیلز گرل کے سپرد کرتا اس کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف پے منٹ کے لیے آ گیا۔

"پیسے میری فیانسی دے گی۔ یو نو یہ میرا نیو ایئر گفٹ ہے۔"

وہ کاؤنٹر پر کھڑے اطالوی کیشئر کو بتانے لگا۔ اس کی فخریہ انداز میں دی جانے والی اس اطلاع پر وہ درمیانی عمر کا اطالوی بندہ مسکرایا تھا' ساتھ ہی اس کی فیانسی کے اتنا اچھا تحفہ دینے پر اسے سراہا بھی تھا۔ جبکہ وہ عباد کی اس حرکت پر جھینپی اور پھر مسکرائی۔ وہ اس شرٹ کو اچھے سے ریپنگ پیپر میں ریپ کرواتا اور اس پر خوب صورت سا ربن بھی بندھوانا چاہتی تھی مگر عباد نے منع کر دیا تھا۔

"تم اس پر مجھے کچھ لکھ کر دو۔ تاکہ میں اسے جب بھی پہنوں یہ یاد آجائے کہ یہ تم نے دی ہے۔"

کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹنے کے بعد وہ اس سے بولا۔

"شرٹ خراب ہو جائے گی۔" وہ متامل سی ہوئی۔

"اندر کی طرف چھوٹا سا کچھ لکھ دو Just your signatures۔" عباد نے شاپنگ بیگ میں سے ڈبا اور ڈبے میں سے شرٹ نکال کر اسے پکڑائی اور پھر اپنی جیب سے قلم نکال کر اسے دیا۔

"نہیں خراب ہو گی یار! اندر کی طرف بالکل چھوٹا سا لکھ دو۔ یہ لیبل پر لکھ دو۔" اسے گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر وہ بولا' ساتھ لکھنے کے لیے جگہ بھی بتا دی۔

ہنیہ نے کالر کے نیچے پشت پر جہاں اس مشہور ڈیزائنر کا لیبل لگا تھا جس کی ڈیزائن کردہ یہ شرٹ تھی اس پر To Aabi Love Honey کے الفاظ انتہائی چھوٹی اور باریک لکھائی میں لکھ دیے۔ عباد بڑی خوشی خوشی اس شرٹ اور اس پر لکھی گئی تحریر کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"اب یہ گفٹ ہمیشہ کے لیے یادگار ہو گیا ہے۔" وہ اب شرٹ کو تہہ کر کے واپس ڈبے میں ڈال رہا تھا۔ اسٹور میں ان دونوں کے علاوہ بھی کئی لوگ موجود تھے اور اپنی اپنی شاپنگ میں مصروف تھے۔ وہ سر پہ اپنے منک ہیٹ کو ٹھیک کر رہی تھی' جب عباد اس سے بولا۔

"او ہنی! میں تمہاری ایک تصویر کھینچوں۔"

شاپنگ بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ کر اس نے کیمرہ سنبھال لیا۔ اس نے آج پارٹی میں ہنیہ کی کئی تصویریں کھینچی تھیں۔ وہ اس انداز اور اس لباس میں اسے اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ بے اختیار دل چاہا تھا اس کی ایک اور تصویر کھینچے۔ وہ عباد کے کہنے پر اسٹور کی بڑی سی ونڈو کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ عباد نے کیمرہ آنکھ سے لگایا اسٹور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا ہنیہ کے چہرے پر اس طرح روشنی پڑ رہی تھی کہ تصویر بہت اچھی کھینچ سکتی تھی۔ اس نے اسے اس بڑے سے شیشے کی کھڑکی کے سامنے اس لیے کھڑا کیا تھا کہ یہاں سے باہر سڑک کا منظر بھی نظر آ رہا تھا۔

وہ تصویر میں ہنیہ پر فوکس رکھتے بیک گراؤنڈ میں گرتی ہوئی برف کو بھی لانا چاہتا تھا جو باہر سڑک پر روشنیوں کی

چکاچوند کے سبب تصویر میں نظر آ رہی تھی۔ اس تصویر میں ہنیہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنی عمر سے بہت چھوٹی اور بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"اب ہم دونوں ساتھ ساتھ ایک تصویر کھنچوائیں۔" عباد یہ بولتے ہوئے اس اطالوی کیشیئر کے پاس چلا گیا۔ جو فی الوقت فارغ کھڑا تھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان دونوں کی ایک تصویر کھینچ دے۔ عباد خود بھی اس کے ساتھ اس جگہ کھڑا ہو گیا تھا' جہاں ابھی ہنیہ نے اکیلے کھڑے ہو کر تصویر کھنچوائی تھی۔

"Nice Couple۔" تصویر کھینچ جانے کے بعد جب عباد نے اس اطالوی کا شکریہ ادا کیا' تب اسے کیمرہ لوٹاتے اس نے مسکرا کر ان دونوں کو اپنے تعریفی تبصرے سے نوازا۔

"اب تو تم اور بھی خوش ہو گی۔ آج ہر جگہ تمہیں یہی کمنٹس اور یہی ٹائٹل مل رہے ہیں۔"

وہ دونوں اسٹور سے باہر نکل آئے تب عباد اسے چھیڑنے لگا۔

"ہاں بہت خوش ہوں۔" اس نے مغرورانہ انداز میں گردن اکڑائی۔

"صبح تک تو یہ ساری سڑکیں اور سب درخت برف سے ڈھک چکے ہوں گے۔" اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے عباد نے سر اٹھا کر آسمان سے گرتی برف کو دیکھا۔ اسٹور سے باہر نکلتے ہی عباد نے از خود اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر چند قدم چلتے ہی اسے عباد کے ہاتھ پکڑنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس نے موسم کے لحاظ سے بند جوتے پہنے ہوئے تھے مگر آخر فیشن بھی کسی چڑیا کا نام ہے سو ہائی ہیل والے بند جوتے پہننے سے وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔

وہ اپنی ہائی ہیل کے سبب برف پر پھسل نہ جائے' اس کے کوئی چوٹ نہ لگ جائے' اس لیے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس کا کس طرح خیال رکھا کرتا تھا جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے کانچ کی گڑیا ہے' اپنے لیے اس کی یہ پروا' یہ فکر اسے بے انتہا اچھی لگ رہی تھی۔

"کاش نیویارک میں سارا سال برف باری ہوا کرے' کم از کم اس بہانے عباد عزیز نے میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔"

دل میں جو بھی خوشی محسوس کی تھی' پر زبان سے وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ رہی تھی۔

"تمہاری فرمائش پر آج میں تمہارے ساتھ چلا گیا' ہم نے پوری شام ساتھ گزاری' خوب انجوائے بھی کر لیا' اب میرا خیال ہے ان تفریحات کو ختم کر کے پڑھائی کے متعلق کچھ سیریس ہو جاؤ' تمہارے ایگزیمز سر پہ ہیں۔" اس کی شوخی اور شرارت کے جواب میں وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ دونوں اب عباد کے اپارٹمنٹ کے کافی نزدیک پہنچ چکے تھے۔

"اتنا تو پڑھتی ہوں میں عابی۔"

"کوئی نہیں پڑھ وڑھ رہیں۔ روز تمہیں ملنا ہوتا ہے' روز تمہیں گھنٹوں فون پہ باتیں کرنا ہوتی ہیں۔ روز تمہیں ملنا ہوتا ہے' روز تمہیں گھنٹوں فون پہ باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ ذرا سوچو تمہارا رزلٹ پہلے جیسا نہ آیا تو ماما جان تو یہی سوچیں گی نا کہ ایسا میری وجہ سے ہو رہا ہے' مجھ سے ملنے سے پہلے ان کی پوتی خوب پڑھاکو تھی۔" وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کی اس سنجیدگی اور دو ٹوک انداز سے اسے کچھ خطرے کی بو آئی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آج کے بعد اب جب تک تمہارے ایگزیمز نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔" اس ظالمانہ حکم پر اس نے اپنے سینے پہ بے ساختہ ہاتھ رکھا اور احتجاجی انداز میں چلائی۔

"ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔"

"نہیں مانو گی یا بحث کرو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔ کچھ ہوش کے ناخن لو لڑکی! ایگزیمز میں پاس ہونا ہے کہ نہیں۔"

وہ اپنے ظالمانہ فیصلے میں بالکل اٹل تھا' اختلاف اور بحث کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اسے اتنا دو ٹوک اور اٹل دیکھ کر دھونس' دھمکی والا انداز ترک کر کے وہ التجائیہ انداز پر فوراً آ گئی۔

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟ پلیز عابی! اتنا سنگ دلانہ حکم مت دو۔ میں تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں پرامس کر رہی ہوں اسٹڈیز پر پوری توجہ دوں گی' تمہیں شکایت نہیں ہو گی۔ میں بہت اچھا رزلٹ لاؤں گی۔"

"تم کچھ بھی کہو میرا فیصلہ اٹل ہے ہنیہ سجاد! ہاں فون پر ہم ضرور بات کیا کریں گے مگر گھنٹوں کے حساب سے

نہیں بلکہ تھوڑی سی دیر کے لیے۔"

"رہنے دو اس احسان کی بھی کیا ضرورت ہے۔"

اس کا منہ پوری طرح پھول چکا تھا۔ وہ اب اس سے ایک لفظ بات نہیں کر رہی تھی۔ عباد نے کئی بار اس سے موسم پر' برف باری پر' رات کی خوب صورتی پر بات ——— کرنا چاہی مگر وہ اس سے رخ پھیرے' منہ پھلائے خاموش چلتی رہی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ پہنچ گئے تھے۔ وہ اس سے کچھ بولے بغیر سیدھی اپنی گاڑی کے قریب آ گئی۔ وہ اسے خدا حافظ کہے بغیر اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی۔

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟"

وہ اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اسے گاڑی میں بیٹھنے سے روکا تھا۔ ہنیہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کا جملہ اس کو لوٹاتے وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"ہنیہ سجاد! صرف تم نہیں' میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ ملنے کی بات جو میں نے کہی ہے تو کوئی بہت خوشی سے نہیں کہی ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اتنا زیادہ وقت میرے ساتھ گزارتے تم اپنی اسٹڈیز کو کچھ اگنور کر رہی ہو اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اس لیے یہ بات کہہ رہا ہوں اور میں نے یہ کب کہا کہ ہم سرے سے ملا ہی نہیں کریں گے۔ میں نے روز ملنے سے منع کیا ہے' ملنے سے تو نہیں۔ ہم ہفتے میں دو دفعہ ضرور ملا کریں گے۔"

"تین دفعہ۔" اس کے نرم لب و لہجے میں کی بات کے اختتام پر وہ بے ساختہ بولی۔ وہ اس بار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"یعنی تمہیں میری بات ماننی تو نہیں ہے' یہ طے ہے۔ اگر میں تین دفعہ کہتا تو تم چار دفعہ کہتیں۔" وہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"اور تمہارے مما' پاپا جو آنے والے ہیں؟" آنے والے دنوں میں ملنے اور نہ ملنے کے ذکر پر اسے یکدم ہی اس بات کا بھی خیال آیا تو وہ فوراً" ہی سنجیدہ ہوتے پوچھنے لگی۔

"وہ جب آئیں گے میں تمہیں بتا دوں گا۔ پاپا نے شاید سیٹ بھی کنفرم کرا لی ہے مگر مجھے بتا نہیں رہے عادت ہے ان کی مجھے سسپنس میں رکھنے کی' لگتا ہے بالکل آخری لمحے میں بتائیں گے۔ خیر ابھی ان کے آنے کی ڈیٹ مجھے بھی نہیں پتا' فی الحال تو تم سنجیدگی سے اپنی پڑھائی کرو۔" اس نے بھی اسے سنجیدگی ہی سے جواب دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے ایگزیمز تقریباً" ختم ہو چکے تھے' ان دنوں اس کے ڈیزائن پروجیکٹ کے وائیوا چل رہے تھے اور عباد کے ظالمانہ حکم کے مطابق ان کا ملنا اس دوران بہت کم رہا تھا۔ فون پہ بات بھی ان دنوں گھنٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ صرف ایک یا دو منٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ عباد کے مما' پاپا ابھی تک امریکہ نہیں آئے تھے۔

اپنے ایگزیمز کے دوران اسے مسلسل اس بات کا دھیان رہا تھا کہ وہ کب آئیں گے؟ ماما جانی ان دنوں شکاگو گئی ہوئی تھیں۔ اس کے بہنوئی کی طبیعت کچھ خراب تھی اور وہ ہاسپٹلائزڈ تھے۔ ماما جانی نے جیسے ہی ان کی بیماری کا سنا وہ بے قرار ہو گئیں۔ اگرچہ کہ ان کے اس عمل سے کسی اور کو تو کیا اس کی بہن کو بھی کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ اس کے دونوں بھائی اور بہن سب کے سب مکمل امریکن تھے۔

اس گھر اور اسی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود جب انہوں نے اپنی زندگیاں اپنے طور پر اپنے انداز میں گزارنی شروع کیں تو زندگی گزارنے کے لیے وہی سب نے Materialiste سوچ اور نظریات' وہی مشینی سا انداز اختیار کر لیا' جو اس معاشرے کا خاصا تھا۔ وہ تینوں ہنیہ اور ماما جانی سے محبت بے شک کرتے ہوں گے مگر اس محبت کے اظہار کے لیے ان کے پاس نہ وقت تھا نہ فرصت۔ منیبہ سول انجینئر تھی' ایک کامیاب پروفیشنل تھی اور خالد اپنے والدین کے حوالے سے جس کا پاکستان سے تعلق تھا مگر تھا وہ بھی ان ہی لوگوں کی طرح پیدائشی امریکن شہری' وہ بھی ایک انجینئر ہی تھا۔

ان لوگوں کے گھر جا کر کم از کم اسے تو کبھی یہ نہیں لگتا کہ وہ اپنی بہن کے گھر آئی ہے۔ بہن اتنی مصروف تھی کہ اس کے پاس اپنے میاں اور بچوں کے لیے فرصت نہیں تھی تو کسی اور کے لیے کیا ہوتی۔ یہی حال اس کے دونوں بھائیوں کے گھروں کا بھی تھا۔ وہی جذبات سے عاری ماحول۔ گھر کے افراد ہی باہم ایک دوسرے سے لاتعلق' اس کے بھائی' بھابھیاں اور بھتیجا' بھتیجی ہر کوئی اپنی اپنی انفرادی زندگی گزار رہا تھا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ ایک بے

نیازی' ایک لاتعلقی سی میاں' بیوی' ماں' باپ اور بچوں کے بیچ۔ میاں کے پاس بیوی کے دل کی بات سننے کا وقت نہیں تھا اور بیوی کی پروفیشنل مصروفیات اسے میاں کے دل میں جھانکنے کی مہلت نہ دیتی تھیں۔

منیبہ' جنید اور معاذ وہ تینوں اپنے اس ماحول میں بہت خوش تھے۔ جہاں میاں بیوی اور بچوں کا آپس میں اتنا سرسری تعلق تھا' وہاں بہن اور دادی کے لیے فرصت اور وقت نکالنا ناممکن ہی تھا۔ اپنے والدین کے انتقال کے بعد سے گزشتہ کئی برسوں سے اب اس کا اپنے بہن بھائیوں سے خاص خاص موقعوں اور تہواروں ہی پر ملنا جلنا رہ گیا تھا۔ وہ لوگ عید پہ یہاں آ جاتے' عید کا دن ان کے ساتھ گزارتے یا ہنیہ اور ماما جانی کی برتھ ڈیز پر ان تینوں کی جانب سے فون کالز اور تحفے موصول ہو جاتے۔ بھائیوں سے لاڈ اٹھوانا' ضدیں پوری کروانا' بھابھیوں سے دوستی' بہن سے رازدارانہ سرگوشیاں' ایسا کچھ نہیں تھا' اس کے اور اس کے بہن بھائیوں کے بیچ۔ بلکہ اگر کبھی وہ اپنی ایسی کسی حسرت کا اظہار کرتی تو اس سے بارہ سال بڑے جنید جو ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے' اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اسے ماما جانی کی خالص پاکستانی تربیت اور پرورش کا جیتا جاگتا شاہکار قرار دیتے تھے' احمقانہ قسم کی جذباتیت سے بھرپور۔

وہ اس کا چاہے جتنا بھی مذاق اڑا لیتے اسے ماما جانی کے زیر سایہ پرورش پانے پر فخر تھا۔ ان ہی سے تو اس نے اس خود غرضی سے بھرے معاشرے میں رشتے ناتوں کو اہمیت دینا سیکھا تھا۔ اسے اپنے بہن بھائیوں کی بھاگتی دوڑتی مشینی اور بے تحاشا مصروف زندگیوں اور زندگی گزارنے کے مادہ پرستانہ انداز سے شدید ڈپریشن ہوتا تھا۔

خدا جانے ماما جانی کا منیبہ کے ہاں کتنے دن قیام رہنا تھا۔ جب تک وہ خالد کی صحت کی طرف سے مطمئن نہ ہو جاتیں ان کے واپس آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ ماما جانی کے اتنے دنوں کے لیے چلے جانے پر کبیدہ خاطر اس لیے بھی تھی کہ کل اس کی برتھ ڈے تھی اور ماما جانی کے بغیر برتھ ڈے کا کیا مزا تھا۔ ایک طرف ماما جانی کی غیر موجودگی اسے ناخوش کر رہی تھی تو دوسری جانب عباد کی سنگ دلی غصہ دلا رہی تھی۔ وہ اس سے کیے وعدے کی لاج نبھاتے اسے فون بھی نہیں کرتی تھی اور ملنے پر اصرار بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ خود ہی دن میں ایک آدھ بار اسے فون کر لیا کرتا تھا۔ جبکہ ملنے کے لیے دو' تین دن چھوڑ کر یا تو اس کے گھر جاتا یا اگر وہ کیمپس گئی ہوتی تو وہاں آ کر مل لیتا۔

اسے اپنے ایگزیمز کالے پانی کی سزا لگ رہے تھے۔ وہ ایگزیمز جو اسے عباد عزیر سے ملنے سے روکنے کا سبب بن رہے تھے' اسے ان سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ اسے کسی کسی دن جب وہ بہت ہی یاد آ رہا ہوتا تو خود پہ غصہ آنے لگتا آخر اسے اتنی مشکل پڑھائی میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی وہ دل پہ جبر کر کے جیسے تیسے اس روٹین کو جھیل رہی تھی مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔ آج اسے عباد سے بات کیے پورے سات دن ہو گئے تھے۔ پہلے دن اس کا فون نہیں آیا اس نے صبر کیا' خود بھی فون نہیں کیا۔ اگلے روز پھر یہی ہوا' اس سے اگلے روز پھر یہی اور یوں آج ساتواں دن تھا۔ اسے عباد سے ملے اور بات کیے بغیر۔ وہ اب اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چاہے عباد کتنا بھی ناراض ہو۔ اب اس کی تسلی فون پہ بات کرنے سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے ہر صورت اس سے ملنا تھا۔

وہ عباد کے اپارٹمنٹ جا رہی تھی۔ وہ ان دنوں اس کے ایگزیمز کے اچھے ہو جانے کے لیے جتنا فکر مند تھا' ایسے میں اسے یہی امید تھی کہ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی وہ ناراضی اور برہمی کا اظہار کرتا کسی سخت گیر استاد کی طرح اس کے پڑھائی سے لاپروائی برتنے پر خفا ہو گا اور پھر اسے ایک طویل لیکچر دے گا۔ اس لیکچر سے بچنے کے لیے اس نے زبردستی ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے اگلے ORAL ایگزیم سے متعلق کچھ سوالات نکالے تھے' جنہیں وہ اس سے پوچھنے والی تھی۔ وہ اتنا بھولا معصوم تو نہ تھا کہ اس کی چالاکی کو سمجھ نہ پاتا' خیر اس کی بھولی بھالی صورت پر اسے ترس آ ہی جاتا تھا۔

شام کے سات بج رہے تھے اور عباد کی روزانہ کی مصروفیات کی جس طرح لمحہ لمحہ کی اسے خبر رہتی تھی' ایسے میں وہ جانتی تھی کہ آج اس وقت وہ اسے لازمی طور پر گھر پہ ہی ملے گا۔ اس لیے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دیے بغیر وہ یوں ہی آن دھمکی۔ اس کے بیل دینے پر عباد نے دروازہ کھولا۔ وہ اسے غیر متوقع اور بغیر اطلاع کے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"تم؟"

"ہاں میں۔" اس نے بصد اطمینان کہا اور اندر قدم رکھ دیا۔ اس کے کسی لیکچر کے شروع ہونے سے قبل وہ اکڑ

کر بولی۔ "لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ اسٹیل اسٹرکچرز میں کچھ چیزیں تم سے پوچھنی ہیں، صرف اس کی وجہ سے آئی ہوں ورنہ تم سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔"

"تو تم کیوں آئیں مجھے کہہ دیتیں، میں آجاتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں آجاتا۔ بول ایسے رہے ہو جیسے میری بہت پروا ہے۔ اتنے دنوں سے ماما جانی شکاگو گئی ہوئی ہیں، فون کرکے ایک بار بھی میری خیریت تک تو پوچھی نہیں ہے۔" وہ چمک کر بولی۔

"ماما جانی شکاگو گئی ہیں؟ کیوں خیریت؟ تم نے مجھے بتایا نہیں۔" اس بار اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ فکرمندی پھیلی تھی۔

"تم سے بات ہو تو بتاؤں نا۔ آج میری آپ سے سات دن بعد بات ہو رہی ہے عباد عذیر! خالد بھائی کی طبیعت کچھ خراب ہے، اسی لیے وہاں گئی ہیں ماما جانی۔" اس کا بات کرنے کا انداز بالکل لڑاکا عورتوں والا تھا۔

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" وہ کچھ سنجیدگی اور کچھ فکرمندی سے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر ایک بار بھی مسکرایا نہیں تھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ وہ بہت تھکا تھکا اور بجھا ہوا سا بھی لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے حلقے یہ بتا رہے تھے کہ شاید گزشتہ چند راتوں سے وہ سویا ہی نہیں ہے۔ اس نے عباد کو بغور دیکھا۔

"لگتا ہے تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟ اندر کون ہے؟" اس نے قصداً غیر سنجیدگی سے کہا۔ وہ اسے ہنسانا چاہتی تھی۔ اگر پڑھائی کا پریشر اور تھکن ہو تو اسے اپنی اوٹ پٹانگ باتوں سے دور کردے۔

"تو میرا شک صحیح نکلا نا۔ میرے ایگزیمز کو بہانہ بنا کر مجھ سے ملنے اور فون کرنے سے اس لیے منع کیا جا رہا ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"وہ کون؟" وہ پتا نہیں ذہنی طور پر کہاں تھا اس نے پوری طرح اس کی بات بھی شاید نہیں سنی تھی۔

"وہی تمہاری نئی گرل فرینڈ۔" اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔

"تو یہ ہے تم سے ہنیہ سجاد! جا کر دیکھ لو اچھی طرح پورا اپارٹمنٹ۔ کرلو اپنی تسلی۔"

"ہاں تو میں دیکھنے جا رہی ہوں۔" وہ اس کی باتوں پر مسکرا تو رہا تھا مگر یہ مسکراہٹ عباد عذیر کی مسکراہٹ نہ تھی۔ نہ آنکھوں میں چمک، نہ چہرے پر خوشی، اسے تو مسکراتے وقت نمایاں ہوتا اس کا ڈمپل بھی سوگوار سا لگ رہا تھا۔ بات کیا تھی؟ آخر کیا ہوا تھا؟ وہ پورے دل سے قہقہے لگا کر ہنسنے والا شخص، یہ سنجیدگی اور رنجیدگی تو اس کے مزاج کا حصہ ہی نہ تھی ابتدائی چند لمحوں کی کنفیوژن کے بعد اب وہ یہ بات یقین سے کہہ سکتی کہ بات جو بھی ہے وہ پڑھائی کا پریشر یا تھکن ہرگز نہیں، وہ کسی بات پر پریشان ہے، کوئی چیز اسے ڈسٹرب کیے ہوئے ہے، وہ کسی بات پر بہت ملول اور اداس ہے۔ اسے عباد کی زندگی کی چمک سے بھرپور آنکھوں میں بے تحاشا اداسی نظر آرہی تھی۔ ہنیہ اسے بغور دیکھ رہی ہے، وہ اس کی اداسی کو محسوس کر رہی ہے۔ اسے جیسے یک دم ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے فوراً اپنے چہرے پر موجود مصنوعی مسکراہٹ کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر خود اپنا پورا اپارٹمنٹ چیک کروا رہا تھا، ہر کمرے کا دروازہ خود کھول کھول کر جبکہ وہ اسے دیکھتے اس کے ساتھ بس یونہی خاموشی سے چلے جا رہی تھی۔ بالکونی، کچن، باتھ روم وہ اسے خود ہر جگہ دکھاتا جا رہا تھا۔

"دیکھ لو شکی لڑکی! میرے اپارٹمنٹ میں کوئی نہیں ہے۔" وہ ملامتی انداز میں بولا۔ وہ اس کی توجہ خود پر نہیں چاہ رہا تھا، وہ اسے اپنی آنکھوں کو پڑھتا دیکھ رہا تھا اور ایسا چاہتا نہیں تھا کہ اسی لیے اس کی توجہ خود سے ہر حال میں ہٹا دینا چاہتا تھا، وہ اس سب کو محسوس کر سکتی تھی، محسوس کر رہی تھی۔

"ہو گئی تسلی؟ دیکھ لو یہاں کوئی نہیں ہے۔ توبہ ہے ہنی! تم کتنی شکی لڑکی ہو۔"

"عالی! کیا ہوا ہے؟" اس نے عباد کی بات کا جواب دیے بغیر پوچھا۔ اب وہ سنجیدہ اور عباد غیر سنجیدہ تھا۔

"کسے کیا ہوا ہے؟" وہ اسے ساتھ لے کر اپنے لیونگ روم میں آگیا تھا۔

"تمہیں۔" وہ اس کے اشارہ کرنے پر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"لو جی چھٹی ہوئی۔ پہلے کسی لڑکی کی موجودگی کا وہم ہو رہا تھا، اب مجھے کچھ ہو گیا ہے۔ ہنیہ سجاد! تمہارے زرخیز دماغ میں اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔ چار دن تم سے ملوں گا نہیں تو میری محبت ہی مشکوک ہو جائے گی۔" وہ

اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"جھوٹ مت بولو۔ کچھ ہوا ہے کوئی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ ذرا چہرہ دیکھو اپنا اتنا کمزور اور بجھا ہوا لگ رہا ہے، تین چار دنوں سے سوئے ہی نہیں ہو، اتنے گہرے حلقے پڑے ہیں آنکھوں کے نیچے۔"

"میں تمہاری جدائی میں کمزور ہو گیا ہوں ہنیہ ڈیئر۔ اور چلو اس سے تمہیں یہ تسلی تو ہو گئی ہو گی کہ تم سے ملے بغیر میں کتنا اداس ہوں۔" اس نے مسکرا کر بولتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھی اس کی کتابیں اٹھا کر دیکھنی شروع کردیں۔

"اب یہ ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو اور جو پوچھنے آئی ہو وہ پوچھو۔ پھر مجھے بھی اپنا کافی کام کرنا ہے۔"

وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ کچھ ہوا تھا جو وہ اس سے چھپا رہا تھا، کچھ تھا جو وہ اسے چھپا لینا چاہتا تھا۔ اسے یک لخت ہی احساس ہوا کہ اس کچھ کو چھپائے رکھنے ہی کے لیے وہ اس سے پچھلے سات دنوں میں نہ تو ملا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا تھا۔

"کیا پیو گی تم؟ اسٹرابیری شیک بنا کر لے آؤں؟"

وہ کتنا بھی اس وقت خود کو لاپروا و بے نیاز ظاہر کرتا جس قدر بھی غیر متعلقہ باتیں کر لیتا، وہ اس کی باتوں میں آ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس مصنوعی ہنسی اور لاپروائی وغیرہ سنجیدگی سے دھوکا کھا جانے والوں میں سے نہ تھی۔ عباد عذیر اس کے سینے میں دل بن کر دھڑکتا تھا، وہ اسے نہ سمجھتی اس کی آنکھوں کو نہ پڑھتی تو آخر کسے سمجھتی؟ کسے پڑھتی؟

"عالی! مجھے بتاؤ پلیز کیا ہوا ہے؟" وہ اپنے صوفے پر اٹھ کر اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے عباد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ لگتا ہے میری سات دنوں کی جدائی نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے، تمہیں میں ہٹا کٹا تندرست بندہ بیمار اور کمزور بھی لگ رہا ہوں اور کیا کیا کچھ نظر آنے لگا ہے؟ اچھا یار! اب ہم روزانہ ملیں گے، اتنی جدائی میں تمہاری یہ حالت تو مجھ سے واقعی نہیں دیکھی جا رہی۔"

"اور مجھے لگتا تھا ہمارا رشتہ اتنا مضبوط تو ہے ہی کہ ہم ایک دوسرے سے کبھی بھی اپنی کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔ مگر شاید میں غلط تھی۔" اس کی آواز یک دم ہی بھرا گئی تھی۔

"تم مجھے نہیں بتانا چاہتے کوئی بات نہیں، مگر کچھ نہیں ہوا کا جھوٹ بول کر میری محبت کی انسلٹ مت کرو۔ میں تمہارا چہرہ دیکھ کر یہ جان سکتی ہوں عباد عذیر! کہ کچھ ہوا ہے جو تمہیں بہت پریشان کر رہا ہے۔" ناراضی اور شکوے ہی نہیں اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ وہ عباد کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا تھا۔

"ہنی۔" اس کے آواز دینے پر اس نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی تذبذب میں مبتلا لگ رہا تھا۔

"ہمارا رشتہ جتنا تم سمجھتی ہو اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ تمہیں مجھ پر، میری ذات پر ہر طرح کا حق حاصل ہے۔ مگر پلیز! ابھی مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے اصرار مت کرو۔ میں تمہیں تمہارے ایگزیمز کے دوران پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ تم سکون سے اپنے ڈیزائن پروجیکٹ سے فارغ ہو لو ہم اس بات کو پھر ڈسکس کریں گے۔"

وہ نرمی اور محبت سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ اسے بات بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"کوئی بات ہے اور مجھ سے ہی متعلق ہے، ہے نا عالی؟" وہ جواباً خاموش رہا۔ "میں پریشان نہیں ہوں گی۔ تم ہمارے رشتے کو توڑنا چاہتے ہو؟ اپنی نئی گرل فرینڈ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" وہ اتنا بجھا ہوا، اتنا اداس، اتنا دل گرفتہ ذرا بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس نے اسے ہنسانا چاہا تھا اور وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس بھی پڑا تھا۔

"یہ میری نئی گرل فرینڈ تمہارے اعصاب پر کب سے سوار ہو گئی؟"

"جب سے تم نے مجھ سے ملنا اور مجھے فون کرنا چھوڑا ہے۔ میں اتنی کمزور نہیں ہوں عالی! مجھ میں ہر بات سننے کا حوصلہ ہے۔"

غیر سنجیدگی سے بولتے بولتے اس نے یک لخت ہی سنجیدگی سے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ عباد نے اپنے ہاتھ کے اوپر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا دوسرا ہاتھ محبت سے رکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ہنیہ! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر میں یہ بات پاپا کو سمجھا نہیں پا رہا

ہوں۔"

انجانے وسوسوں اور خدشات کے تحت تیز تیز دھڑکتا اس کا دل ایک پل کے لیے بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس پر جیسے کوئی بجلی آگری تھی' اس کے خوابوں کے حسین محل کو کوئی جیسے مسمار کرنے لگا تھا۔ اس کے بدترین خدشات یکدم ہی حقیقت بن کر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ عباد کی خود سے والہانہ اور شدید محبت دیکھتی تو کبھی کبھی خود ہی ڈر جایا کرتی تھی۔ وہ اتنا اچھا انسان' وہ اسے اتنا ٹوٹ کر اتنا والہانہ اور بے حساب چاہتا تھا' اس میں اچھائیاں ہی اچھائیاں تھیں' اس کی محبت میں سچائیاں ہی سچائیاں تھیں' عباد کی محبت اتنی سچی اتنی والہانہ تھی' سب کچھ اتنا اچھا' اتنا مکمل اور اتنا بھرپور تھا کہ کبھی کبھی اسے کسی ان ہونی کے ہونے کا ڈر لگنے لگتا تھا۔ زندگی اتنی مکمل نہیں ہوتی' زندگی اتنی پرفیکٹ اور اتنی خوشیوں بھری نہیں ہوتی اور عباد اس کے خدشات کی تصدیق کر رہا تھا' اس کا ڈر ٹھیک تھا۔ اس کے وہم درست تھے۔

زندگی ہنیہ سجاد کے لیے بھی مکمل اور پرفیکٹ نہ تھی۔ لیکن وہ عباد کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ زندگی کی دی ہر خوشی سے خوشی خوشی دستبردار ہونے کو تیار ہے مگر عباد عذیر سے نہیں۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی' وہ اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔ "زندگی مجھ سے میرا سب کچھ لے لو مگر مجھ سے اس شخص کو مت لینا۔ یہ ساتھ ہو گا تو زندگی ہو گی ورنہ تو میرے پاس کچھ ہو گا ہی نہیں۔" وہ سانس روکے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے اب بالکل خاموش تھا۔

"عالی!" ابھی لمحہ بھر پہلے اس نے عباد سے کہا تھا وہ کمزور نہیں ہے اور اس وقت وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ عباد عذیر کے بغیر زندگی؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ چند دن اس سے ملے بغیر' اس سے فون پر بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی تو اس کے بغیر زندگی کس طرح گزار سکتی ہے۔ یہ خدشات' یہ اندیشے' یہ ڈر کیوں اچانک ہی کہیں سے داخل ہو گئے تھے' ان کی خوب صورت دنیا میں' ان کی محبت بھری حسین زندگی میں۔

"تمہارے مما پاپا نے مجھے ریجیکٹ کر دیا عالی! میں امریکن ہوں اس لیے؟ میں ان کے مشرقی اور پاکستانی لڑکی کے تصور پر پوری نہیں اترتی؟" اس نے رندھی آواز میں جیسے اپنے رد ہونے کی وجہ جاننا چاہی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں' وہ انہیں بہنے سے روک رہی تھی۔

"نہیں ہنی! ایسا نہیں' مما' پاپا بہت براڈ مائنڈڈ ہیں۔ تم امریکن ہو یا تم شلوار قمیص اور دوپٹہ نہیں پہنتیں' اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ نہیں ہے اور انہوں نے تمہیں ریجیکٹ کیا بھی نہیں ہے۔"

"لیکن انہوں نے مجھے قبول بھی تو نہیں کیا ہے۔ ہے نا عالی؟" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ بزدل نہیں تھی۔ وہ بڑی باہمت اور بہادر لڑکی تھی۔ مگر اس وقت وہ خود کو اتنا بے بس اور بے اختیار محسوس کر رہی تھی کہ اس کا اختیار صرف اپنے آنسوؤں پر ہی رہ گیا تھا۔

"تمہیں کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے پاگل لڑکی! تم سے تو مما' پاپا ملے ہی نہیں ہیں۔ تم سے ایک بار مل لیں تو میرا دعوا ہے تم ان دونوں کو پہلی نظر میں پسند آجاؤ گی۔ تمہیں نہ انہوں نے ناپسند کیا ہے نہ ریجیکٹ کیا ہے۔ وہ تمہیں جانتے ہی نہیں۔ تم سے ملے ہی نہیں تو؟" عباد نے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کو گرنے نہیں دیا تھا' وہ ابھی اس کی پلکوں سے گرے نہیں تھے اور اس نے انہیں اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔

"لیکن انہوں نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے' ہے نا عالی؟ انہوں نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تب ہی تو وہ امریکہ ابھی تک نہیں آئے؟"

"وہ امریکہ آرہے تھے۔ وہ دبئی ہوتے ہوئے امریکہ آ رہے تھے۔ دبئی میں میرے تایا رہتے ہیں' انہیں ان سے ملتے ہوئے میرے پاس امریکہ آنا تھا۔ وہ سات دن پہلے یہاں پہنچ بھی چکے ہوتے مگر۔"

"مگر کیا عالی؟ خدا کے لیے جو بات بھی ہے مجھے بتاؤ۔"

"پاپا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں ہنی! وہ اور مما امریکہ آنے کے بجائے واپس پاکستان چلے گئے ہیں؟" وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر آہستگی سے بولا۔

"اور تم کہہ رہے ہو' انہوں نے مجھے ریجیکٹ نہیں کیا۔ ریجیکٹ کرنا اور ہوتا ہے عالی؟ وہ ایک آزاد معاشرے میں پلی لڑکی کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ہنی! کہ ایسا نہیں۔ پاپا نے ہنیہ سجاد کو ریجیکٹ نہیں کیا' انہوں نے اس ان جانی لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے' جس سے ان کا بیٹا محبت

کا اقرار اس وقت کر رہا ہے جب وہ اس کی کہیں اور منگنی کر چکے ہیں۔" عباد نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا تھا۔

"منگنی؟" اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ کچھ پل کے لیے اس کا دل شاید دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ وہ بالکل ساکت عباد کو دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے تھے' عباد سر تھامے فرش کو دیکھ رہا تھا اور وہ اسے۔

"آج آٹھواں دن ہے ہنی! اس ساری بات کو۔ منڈے کی رات کو جب ہماری بات ہوئی اس کے کچھ ہی دیر بعد پاپا کی دبئی سے کال آگئی تھی۔ پاپا بہت خوش اور ایکسائیٹڈ لگ رہے تھے۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے خوشی خوشی مجھے یہ اطلاع دی کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے میرے تایا کی بیٹی انوشہ کو رنگ پہنا کر میری اس کے ساتھ باقاعدہ انگیجمنٹ کر دی ہے اور شادی کا پروگرام میری پاکستان واپسی پر طے کریں گے۔ پہلے تو میں اس ساری بات کو مذاق سمجھا' وہ مجھ سے پوچھے بغیر' مجھے بتائے بغیر میری کہیں منگنی کیسے کر سکتے ہیں۔ مگر وہ مذاق نہیں کر رہے تھے' وہ بڑی خوشی خوشی مجھے میری منگنی کی اطلاع دے رہے تھے۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ انوشہ انہیں اپنی بھتیجی کی حیثیت سے تو ہمیشہ سے پسند تھی ہی' مما بھی اسے بہت پسند کرتی ہیں اور پھر میری بھی اس سے بچپن سے ہمیشہ بہت اچھی دوستی رہی ہے' وہ انجینئرنگ نہیں کر رہی تو کیا ہوا میڈیسن تو پڑھ رہی ہے' یعنی ایک پروفیشنل ڈگری تو لے ہی رہی ہے۔ دبئی آنے پر جب انہیں میرے تایا انکل طارق سے انوشہ کے لیے آنے والے چند رشتوں کا پتا چلا جن پر میرے تایا اور تائی سنجیدگی سے غور بھی کر رہے تھے تو یکدم ہی انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی اتنی اچھی' اتنی پیاری بھتیجی وہ کسی اور کے گھر میں جاتے نہیں دیکھ سکتے' اسے تو وہ اپنے گھر لائیں گے' اپنی بہو بنا کر۔ انہوں نے انکل طارق کے سامنے یہ رشتہ رکھا' انکل طارق نے وہ رشتہ اسی وقت قبول کر لیا اور پاپا نے اس رشتے کو پکا کرنے کے لیے "فوراً" ہی انوشہ کو انگوٹھی بھی پہنا دی۔

یعنی سب کچھ ایک ہی دن کے اندر اندر ہو گیا۔ رشتہ دیا گیا' اسے "فوراً" قبول بھی کر لیا گیا اور "فوراً" ہی انوشہ کو رنگ بھی پہنا دی گئی۔ پاپا اسے رنگ پہنانے کے فوراً بعد مجھے فون کر رہے تھے۔ میں یہ بات سن کر سکتے میں رہ گیا تھا ہنی! میں انہیں تمہارے بارے میں اس طرح نہیں بتانا چاہتا تھا' میں تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں ان سے پہلے یونہی ملواؤں کچھ بھی بتائے بغیر اور جب تم انہیں اچھی لگ جاؤ تو پھر انہیں یہ بتاؤں کہ یہ جو لڑکی آپ کو بہت اچھی لگی ہے نا پاپا! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو اتنے مہینوں میں فون پر ان سے تمہارا ذکر تک اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں ان پر تمہارا پہلا تاثر ہی بہت اچھا قائم کروانا چاہتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہیں ملنے سے پہلے وہ عام تاثر کے مطابق تمہیں کوئی آزاد خیال امریکن لڑکی نہ سمجھیں۔ ان کے خوابوں اور خواہشوں کو فراموش کر کے میں نے اپنے لیے ایک آزاد خیال معاشرے کی کوئی آزاد خیال لڑکی پسند کر لی ہے' میں ان پر تمہارا یہ امپریشن ہرگز نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں تو ان کے امریکہ آنے کا اتنی شدت سے انتظار ہی اس لیے کر رہا تھا۔ مجھے پتا تھا پاکستان بیٹھ کر فون پر ایک ان دیکھی' ان جانی امریکن لڑکی کا ذکر مما' پاپا کے دل کو زیادہ اچھا نہیں لگے گا۔ مگر سب کچھ میری خواہش کے مطابق نہیں ہوا۔ مجھے انہیں ایک غلط ماحول' غلط جگہ اور غلط وقت پر تمہارے بارے میں بتانا پڑ گیا۔

جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہے تب بے ساختہ میں نے ان سے کہا۔

"لیکن پاپا! میں یہاں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ وہ لڑکی بہت اچھی ہے پاپا! میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تو وہ غصے میں آگئے' مجھ پہ ناراض ہونے لگے۔ میں نے رشتے ناتوں کو مذاق سمجھ لیا ہے' جب انہوں نے اور مما نے میرے لاسٹ ٹائم پاکستان جانے پر مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کوئی لڑکی پسند ہے تو اپنی پسند انہیں بتاؤں' تب میں نے انہیں کچھ نہ بتایا اور اب جب یہ دیکھ کر کہ میری کوئی اور پسند نہیں انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے تو میں انہیں ان کے بھائی' بھابھی اور بھتیجی کے آگے ذلیل کروانا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں یہ بات بہت سمجھانا چاہی ہنی! کہ جب میں پاکستان گیا تھا اور وہ لوگ مجھ سے میری پسند بار بار پوچھ رہے تھے تب تم میری زندگی میں آئی ہی نہیں تھیں۔ پاپا میرے بہت یقین دلانے پر بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ میں جب سے امریکہ آیا ہوں تب ہی سے تمہیں جانتا ہوں۔ تب ہی سے تم سے میری دوستی ہے اور میں نے ان سے جان بوجھ کر اس بات کو اب تک چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ مجھے اتنا غلط سمجھ رہے تھے ہنی! میں انہیں اپنی صفائی

دے ہی نہیں پا رہا تھا میں انہیں کچھ سمجھا ہی نہیں پا رہا تھا۔ پاپا مجھ سے ایک دم ہی اتنے ناراض ہو گئے تھے۔ کچھ بھی پوچھے بغیر سخت غصے میں فون بند کر دیا تھا۔ میری فون کالز بھی ریسیو نہیں کر رہے۔ کاش ان گزرے مہینوں میں، میں نے مما اور پاپا کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہوتا عالی!"

اور وہ عباد عذیر اپنے والدین سے کتنی محبت کرتا تھا۔ محبت کی انتہا ہی تھی جو وہ ایک ایسے معاملے میں جہاں ساری غلطی سراسر اس کے پاپا کی تھی، انہیں موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنی غلطیاں تلاش کر رہا تھا۔ اگر وہ بیچ میں نہ ہوتی، اگر فرض کر لیں کہ عباد کی زندگی میں سرے سے کوئی لڑکی ہی نہ ہوتی اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ عباد نے اپنے لیے لڑکی پسند کرنے کا اختیار مکمل طور پر اپنے والدین کو دے رکھا تھا، تب بھی کیا بقول عباد کے اس کے بہت اعلا تعلیم یافتہ، کھلے ذہن کے، براڈ مائنڈڈ، ماڈرن اور سب سے بڑھ کر اکلوتے بیٹے پر جان چھڑکنے اور اس سے بہت محبت کرنے والے باپ کو یہ بات سوٹ کرتی تھی کہ وہ بیٹے کا رشتہ اسے بتائے بغیر طے کر دیتے؟ ہم تمہارا یہاں رشتہ طے کر رہے ہیں انگوٹھی پہنانے سے قبل یہ اطلاع تک نہیں؟

عباد کے بہت براڈ مائنڈڈ پاپا جو عباد کے کہنے کے مطابق اس پر جان بھی چھڑکتے ہیں، اس کو بے حد و بے حساب چاہتے بھی ہیں کیا رشتہ دینے اور انگوٹھی پہنانے سے پہلے دبئی ہی سے بیٹے کو ایک فون کال نہیں کر سکتے تھے؟ وہ ان کا بیٹا تھا یا ان کی جاگیر، ان کی ملکیت؟ انگوٹھی پہنانے کے بعد اسے اطلاع دی جا رہی ہے، جس کی زندگی کا یہ فیصلہ تھا۔ کیا ماں، باپ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اولاد کی زندگی بھی خود جینے لگیں؟

اسے عباد کے پاپا ایک مغرور اور حاکمانہ مزاج کے شخص لگ رہے تھے۔ ایک ڈکٹیٹر کی طرح سخت مزاج اور اپنی منوانے والے۔ پر وہ عباد اپنے پاپا سے کتنی محبت کرتا تھا۔ وہ ان کی غلطی سے صرفِ نظر کرتا، اس سارے معاملے کا الزام خود کو دے رہا تھا کہ اس نے انہیں ہنیہ کے بارے میں پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔

"پاپا دبئی سے اگلے ہی روز واپس کراچی چلے گئے۔ پاپا تو مجھ سے بات کر ہی نہیں رہے ہیں مگر مما سے میری بات ہوئی تھی انہوں نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباد بولا تھا۔

"عالی! تمہاری مما کیا کہہ رہی ہیں؟"

اس نے لیونگ روم میں بالکل سامنے دیوار پر لگی اس کے والدین کی بڑی سی تصویر کو دیکھا۔ اس کی زندگی کی تمام تر خوشیوں کا دارومدار اور انحصار ان دو لوگوں پر تھا۔ وہ اسے قبول کر لیتے ہیں یا نہیں۔

وہ نہیں چاہتی تھی عباد اس کے لیے اپنے والدین کو چھوڑ دے مگر وہ یہ بھی تو نہیں چاہتی تھی کہ اس کے پاپا اپنی ایک بے جا ضد اور ایک ناجائز اور غلط عمل پر عباد کو اس سے چھین لیں، اپنے ایک سراسر غلط اور حاکمانہ فیصلے پر بیٹے سے اس کی فرماں برداری کا امتحان مانگیں۔

"مما سے کل میری بات ہوئی تھی ہنی! وہ پاپا کی طرح غصے میں تو نہیں پر مجھ سے کچھ خفا ضرور ہیں۔ پاپا کی منتخب کردہ لڑکی سے رشتے سے انکار کر کے میں کسی امریکن لڑکی کا نام لے رہا ہوں، اس پر وہ ناخوش نہیں مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ دبئی میں جب پاپا نے انکل طارق سے انوشہ کا رشتہ مانگنے کی بات ان سے کی تو انہوں نے پاپا سے کہا تھا کہ وہ پہلے مجھ سے فون پر بات کر لیں، میری مرضی معلوم کر لیں کزن کی حیثیت سے دوستی ہونا الگ بات ہے، کیا پتا نہیں میں انوشہ کو اس دوسری حیثیت میں پسند کروں گا یا نہیں۔ مگر پاپا، مما بات ہنسی میں ٹال کر فخریہ لہجے میں بولے۔

"پسند کیوں نہیں کرے گا بھائی جان! وہ میرا بیٹا ہے اور اپنے پاپا کی پسند کو وہ دل و جان سے قبول کرے گا، اسے پتا ہے پاپا اس کے لیے کبھی کچھ برا نہیں سوچ سکتے۔"

پاپا کے اس فخر اور مان بھرے انداز پر مما چپ ہو گئی تھیں، ورنہ وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ باقاعدگی سے رشتہ مانگنے سے قبل ایک بار مجھ سے پوچھ لیں۔ مما مجھے سمجھا رہی تھیں ہنی! کہ پاپا کو انوشہ کا رشتہ مانگنے سے قبل مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا، پر ایسا نہیں ہو سکا۔ اب مجھے ان کے فیصلے کی عزت کرنی چاہیے، مجھے ان کا مان اور فخر نہیں توڑنا چاہیے۔ مجھے ان کے فیصلے کو تسلیم کر کے اسے مان کر پاپا کا مان بڑھانا چاہیے۔"

تصویر میں نظر آتے عذیر فاروق اس سے سات سمندر کی دوری پر ایک دوسرے ملک میں بیٹھے تھے، ورنہ وہ انہیں بلا کر ان کے بیٹے کی بجھی آنکھیں، اس کا اداس چہرہ اس کا نڈھال وجود ضرور دکھاتی۔ وہ ان آٹھ دنوں میں ایک ناکردہ غلطی پر باپ کی ناراضی کا بوجھ اٹھائے کتنا ٹوٹا پھوٹا اور

[illegible] بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے پاپا اس سے ناراض ہو گئے [illegible] وہ اس بات سے کتنا زیادہ مضطرب اور پریشان تھا۔ عباد [illegible] سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا، وہ اس طرح [illegible] ہاتھوں میں سر تھامے اس سے آہستہ آواز میں بات کر رہا [illegible]۔ وہ بات ختم کر چکا تھا اور اب بالکل خاموش تھا۔ وہ بھی [illegible] خاموش تھی۔ وہ اس کی بات ختم ہونے کے بعد بھی بہت [illegible] تک کچھ نہ بولی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں [illegible] نے تمہیں بھی پریشان کر دیا نا! میں اسی لیے ابھی تمہیں [illegible] کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔"

وہ آنسو بھری اداس نگاہوں سے چپ چاپ اسے [illegible] دیکھتی رہی۔

"ہنیہ یار! پلیز! اتنی اداس مت ہو، اتنی مایوسی خود پر [illegible]اری مت کرو دیکھ لینا ان شاء اللہ جلد ہی سب ٹھیک ہو [illegible] جائے گا۔ ایک غلط فہمی ہو گئی ہے، ایک مس انڈر سٹینڈنگ ہو گئی ہے میرے اور پاپا کے بیچ مگر یہ سب بہت [illegible] جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا عالی! تمہارے پاپا تمہاری [illegible] انگیجمنٹ کر چکے ہیں۔" وہ بے بس سے انداز میں [illegible]رے بلند آواز میں بولی۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟ میری محبت پر یقین ہے؟" [illegible] عباد نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال پوچھا۔

"اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر۔ اپنے آپ سے بھی بڑھ [illegible] کر۔" جو جواب اس کے دل سے نکل رہا تھا وہ اسے جھٹلا کر [illegible] کچھ اور نہیں بول سکتی تھی۔

"بس پھر مجھ پر یقین رکھو میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ [illegible]ب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مما پاپا اپنے دل کی پوری خوشی [illegible] کے ساتھ تمہیں قبول کریں گے تم ہر فکر اور ہر اندیشہ دل [illegible] سے نکال کر بس صرف میرے اس وعدے کا یقین رکھو۔ [illegible] کچھ وقت ضرور لگے گا مگر میں پاپا کو منا لوں گا۔ وہ ابھی [illegible] میں ہیں مگر وہ میرے پاپا ہیں اور مجھ سے بہت پیار [illegible]تے ہیں۔"

[illegible] دل میں چھپے ہر ڈر اور ہر خوف کے باوجود اس کی امید [illegible]لی اور حوصلہ دلاتی یہ باتیں دل کو بہت اچھی لگ رہی [illegible]۔

"اچھا تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" عباد اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ وہ اب لیونگ روم [illegible] بالکل تنہا تھی۔ اس نے اپنے پیر صوفے پر اوپر رکھ لیے تھے۔ اپنے دونوں ہاتھ پیروں کے گرد مضبوطی سے باندھ لیے تھے اور چہرہ گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔ رخسار اور ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکائے وہ پھر سامنے لگی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ یک ٹک وہ اس ہینڈسم شخص کو دیکھ رہی تھی، جو عباد کے پاپا تھے۔

"پلیز عالی کو مجھ سے مت چھینیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، میں کس سے محبت کرتی ہوں یہ آپ کے لیے ہرگز اہم نہیں ہو گا مگر آپ کا بیٹا وہ تو آپ کے لیے اہم ہے نا؟ پلیز اسے محبت کی اس آزمائش میں مت ڈالیں، وہ مجھ میں اور آپ میں سے کسی ایک کو چنے یقین کریں میں اتنی بری نہیں ہوں۔ مجھ سے ملے بغیر مجھے ریجیکٹ مت کریں۔ میرے امریکن ہونے پر مجھ سے نفرت مت کریں۔ میں آپ کے پاکستانی ماحول کو پوری طرح اپنا لوں گی۔ میں شلوار قمیص اور دوپٹہ پہنا کروں گی۔ میں عالی کی خاطر کچھ بھی اپنا سکتی ہوں، میں عالی کی خاطر کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں۔ وہ دوسری جو بھی کوئی ہے چاہے مجھ سے جتنی بھی اچھی ہو پر میری جیسی محبت نہیں کر سکتی عالی سے وہ آپ دونوں سے بہت محبت کرتا ہے مگر وہ مجھ سے تو بھی تو محبت کرتا ہے میں آپ کی محبت کی برابری نہیں کر رہی، آپ اس کے ماں باپ ہیں۔ وہ جتنی محبت مجھ سے کرتا ہے یقیناً اس سے کہیں زیادہ آپ دونوں سے کرتا ہو گا۔ اس کا امتحان مت لیں۔ پلیز! عالی کو مجھ سے مت جدا کریں۔"

گھٹنوں پر سر رکھے، اس تصویر کو مخاطب کرتی وہ بے آواز رو رہی تھی، اسے روتے روتے نجانے کتنی دیر ہو گئی تھی، وہ کچھ غنودگی جیسی کیفیت میں جانے لگی تھی۔ پھر شاید وہ سو گئی تھی۔ کہیں سے کوئی آواز آ رہی تھی۔ کسمسا کر اس نے گھٹنوں پر رکھے سر کو اٹھانا اور آنکھیں کھولنا چاہیں، اس آواز کو سمجھنا چاہا۔ وہ عالی تھا۔ وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھے رکھے ہی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لیونگ روم کی تمام لائٹس آف تھیں۔ اس کے عین سامنے عباد ہاتھوں میں دو بڑی بڑی کینڈلز پکڑے کھڑا تھا۔ لیونگ روم کے اس اندھیرے میں تمام تر روشنی صرف ان کینڈلز کی تھی جن کی روشنی عباد کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیر ہنی! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

اس نے بے اختیار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ ٹھیک

بارہ بج رہے تھے۔ وہ شام سات بجے یہاں آئی تو اسے کل آنے والی اپنی سالگرہ بہت اچھی طرح یاد تھی، مگر یہاں آنے پر جو کچھ اسے پتا چلا اس کے بعد وہ اپنی سالگرہ کو یکسر بھول چکی تھی۔

"تھینکس عالی...! میں پتا نہیں کب سو گئی، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ صوفے پر سے فوراً کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے سو جانے سے تو میرا مسئلہ آسان ہو گیا، ورنہ میں سوچ رہا تھا تمہیں بارہ بجے تک کیسے روکوں۔" وہ جواباً مسکرایا۔

"میرا ارادہ تھا کہ کل صبح صبح جب ابھی تم سو کر اٹھی بھی نہیں ہو گی اس وقت تمہارے گھر آ کر تمہیں وش کروں گا، سرپرائز دوں گا۔ مگر ابھی تم سے جب یہ پتا چلا کہ ماما جانی شکاگو گئی ہوئی ہیں تو میں نے یہ پروگرام فوراً کینسل کر دیا۔ اب وہ نہیں ہیں تو دروازے پر بیل ہونے پر دروازہ تم آ کر کھولو گی جبکہ مجھے تو تمہیں سونے سے اٹھا کر حیران کرنا تھا، وش کرنا تھا۔ سو میں نے سوچا کل کے بجائے آج رات بارہ بجے ہی وش کر دیتے ہیں۔ میں یہاں سے اٹھ کر گیا تھا نا، تھوڑی دیر بعد آ کر دیکھا تو تم سو رہی تھیں، میں نے لائٹ بھی آف کر دی کہ اچھا ہے بارہ بجے تک ایسے ہی سوتی رہو۔" وہ کچھ دیر پہلے کی اداسی اور افسردگی کو مٹائے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آؤ۔"

"کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم آؤ تو سہی۔" اس نے اسے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ وہ حیران حیران سی اس کے ساتھ چلتی اس کے اپارٹمنٹ کی بالکونی تک آ گئی۔ یہاں ایک بے حد خوب صورت منظر اس کا منتظر تھا۔ اس کی بڑی سی بالکونی میں ہر طرف ڈھیر سارے پھول اور غبارے نظر آ رہے تھے۔ فرش پر جا بجا بچھے پھول اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے ہارٹ شیپڈ بلونز۔ بالکونی کے عین وسط میں رکھی چھوٹی سی میز پر بہت ساری کینڈلز جلی ہوئی تھیں اور ان کینڈلز کے درمیان میز کے بالکل سینٹر میں ایک بڑا سا چاکلیٹ کیک رکھا تھا، جس پر سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی بہت ساری کینڈلز لگی ہوئی تھیں۔ کیک پر رکھی کینڈلز ابھی جلائی نہیں گئی تھیں۔ یہ چودھویں کی رات نہیں تھی مگر آسمان پر جگمگاتا چاند اپنا نور پھر بھی یہاں بکھراتو رہا تھا۔

اس نے ایک نظر اس ساری سجاوٹ اور اہتمام پر ڈالی اور پھر ایک نظر عباد پر، جو اس کی حیرت کو انجوائے کرتے مسکرا رہا تھا۔

"اوہ عالی! اتنا سارا کچھ۔ تم نے یہ سارا کچھ ابھی ابھی کیا ہے؟" اتنا رو کر بیٹھی تھی مگر ایسا لگا تھا کہ وہ خوشی میں پھر رو پڑے گی۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے، دیکھو ہم کو یاد ہے نا!" وہ متبسم سے انداز میں گنگنایا۔

"تم سو رہی تھیں، میں تمہیں اپارٹمنٹ میں بند کر کے باہر سے دروازہ لاک کر کے یہ سب چیزیں لانے چلا گیا تھا۔" وہ اسے اپارٹمنٹ کے اندر لاک کر کے جانے والی بات کہہ کر خود ہی ہنسا۔ یونہی ہنستا ہوا وہ میز کے قریب چلا گیا تھا۔ وہ اب ایک ایک کر کے کیک پر لگی کینڈلز جلا رہا تھا۔

"آؤ ہنی! ایک کاٹو۔" وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ وہ کیک کی طرف نہیں گئی تھی، وہ اس کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

"عالی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے نہیں کروں گا؟"

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی عالی! پلیز خود کو مجھ سے الگ مت کرنا، مجھ سے دور مت جانا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"میں بھی نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ اور ہم الگ نہیں ہو رہے ہیں ہنی! ہم دور بھی نہیں ہو رہے ہیں۔"

اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلایا، پھر فوراً مسکرا کر کہنے لگا۔

"آج کے لیے اتنی سنجیدہ اور اتنی اداس کر دینے والی باتیں کافی ہیں۔ تمہاری سالگرہ ہے لڑکی آؤ اسے مناؤ۔" وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کیک تک لے آیا۔ اس نے کیک کاٹ کر اس کا ایک ٹکڑا عباد کی طرف بڑھایا۔

میں مما، پاپا کو ہمیشہ ان کی برتھ ڈیز اور ویڈنگ اینی ورسریز پر صبح صبح ان کے کمرے میں جا کر وش کرتا ہوں۔ میری ککنگ اسکلز تو تم نے دیکھی ہی ہیں۔ میں اس روز صبح صبح اٹھ کر ان میں سے جس کی بھی سالگرہ ہو اس کی پسند کا خوب اہتمام والا ناشتہ بناتا ہوں، ناشتے کی ٹرے کے ساتھ پھول اور گریٹنگ کارڈ بھی لیتا ہوں اور ناک کر کے ان کے کمرے میں پہنچ جاتا ہوں۔ اب تو مما، پاپا کو بھی کنفرمڈ پتا ہوتا ہے کہ میں جم جم ان کے کمرے میں وش

کرنے آنے والا ہوں، اس لیے اگر وہ سو کر اٹھ بھی چکے ہوتے ہیں تو بھی بستری پر موجود رہتے ہیں۔ مما کہتی ہیں انہیں میرا وش کرنے کا یہ اسٹائل بہت اچھا لگتا ہے اور پاپا مسکراتے ہوئے میرے لائے کارڈ اور پھولوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا تمہیں بھی صبح اس طرح وش کروں گا۔ مگر خیر نیکسٹ ایئر سہی۔"

وہ کیک کے ساتھ کچھ اور بھی کھانے پینے کی اشیاء لے کر آیا تھا۔ رات کا کھانا ان دونوں ہی نے نہیں کھایا ہوا تھا لہٰذا اب ایپل پائی، ڈونٹس، سینڈوچز اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ کھانے کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔ عباد نے شاید لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے پتا نہیں کب سے، کتنے دنوں سے شاید کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔ اس نے ایک کیک پیس عباد کی پلیٹ میں مزید ڈال دیا تھا۔

"میں کھا چکا ہنی!"

"یہ بھی کھا لو، پلیز۔" وہ اسے ایسا کمزور کمزور سا اچھا نہیں لگ رہا تھا، کہتی۔

"تمہاری پلیز پلیز میں وزن بڑھا لوں، موٹا ہو جاؤں، یہ چاہتی ہو۔ تاکہ پھر کوئی لڑکی میری طرف دیکھے بھی نا!" وہ ہنس پڑی۔

"شکر تم ہنسیں تو سہی۔ لگتا تھا آج کی تاریخ میں مجھے ہنیہ سجاد کا ہنستا چہرہ دیکھنے ہی کو نہ ملے گا۔" وہ اس کی سالگرہ اتنی خوشی خوشی سلیبریٹ کر رہا تھا، اسے خوش اور ہنستا دیکھنا چاہتا تھا سو وہ دل میں چھپی کوئی پریشانی اور خوف اب اس وقت مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس وقت سب بھلا کر ان لمحات کی خوب صورتی میں کھو جانا چاہتی تھی۔

"میری ہنسی میں تو اتنا خاص کچھ نہیں، خاص تو تمہاری ہنسی ہے۔ سچ عالی! تمہاری ڈمپل والی ہنسی مجھے اتنی اچھی لگتی ہے۔" وہ میز پر رکھی کینڈلز کو بے وجہ ادھر سے ادھر رکھتا مسکرایا۔ اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ہی ہنیہ کو دیکھا۔

"یہ بات تم مجھے پہلے بھی بتا چکی ہو اور تب سے مجھے اپنے ڈمپل سے بڑی محبت ہو چلی ہے۔"

"مجھے تمہارا ڈمپل بہت اچھا لگتا ہے۔ کسی لڑکے کے چہرے پر ڈمپل اتنا اچھا لگ سکتا ہے تم سے ملنے سے پہلے مجھے پتا نہیں تھا۔"

"بس اتنی تعریف کافی ہے۔ بلاوجہ میں مغرور ہونے لگا ہوں۔" وہ زمین پر موجود غباروں کو اپنے پیروں سے ادھر ادھر کرتی کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی۔

"جلدی سے ختم کرو، تمہیں واپس بھی جانا ہے۔" عباد نے اسے رات کے ہونے کا احساس دلایا۔ گھڑی میں وقت دیکھتے اسے بھی فوراً ہی اس بات کا دھیان آ گیا تھا۔ رات کا پونا ایک بج رہا تھا، واقعی دیر ہو گئی تھی۔

"مجھ سے پرامس کرو گھر جا کر اکیلے میں کچھ بھی سوچ کر پریشان نہیں ہو گی، روؤ گی نہیں۔" اسے رخصت کرتے وقت وہ بولا۔

"میں روؤں گی نہیں عالی! لیکن...."

"لیکن کچھ نہیں۔ تم نے کہا ہے تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے تو بس اب اپنی بات پر قائم رہو۔ یہ وقتی مشکل ہے مگر میں اسے ان شاء اللہ ٹھیک کر دوں گا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر مستحکم لہجے میں بولا۔

"جلدی سے گھر پہنچو، میں تمہیں فون کروں گا، ہم آج ساری رات بات کریں گے۔" وہ واقعی اسے خوش کرنا چاہتا تھا، اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

"ساری رات؟ لیکن ساری رات بات کرنے سے تو میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے نا! ساری رات بات کروں گی تو صبح کب اٹھوں گی، دیر سے اٹھوں گی تو پڑھوں گی کب؟" اس نے جیسے جتانے والے انداز میں اسے اس کی باتیں یاد دلائیں۔

"کوئی بات نہیں ہونے دو حرج۔ اب ہم روز بات کریں گے، روز ملیں گے۔"

"میرے خدا! یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں؟ پروفیسر عباد عذیر کیا فرما رہے ہیں، کہیں حیرت سے میں بے ہوش نہ ہو جاؤں۔" وہ اسے چھیڑنے کے لیے ان دنوں جب وہ پڑھائی پڑھائی کا زیادہ واویلا کرتا تو پروفیسر عباد عذیر ہی کہا کرتی تھی۔

"میرا مذاق اڑاؤ گی تو تمہاری سالگرہ کے موقع پر دی جانے والی اس آفر کو ابھی کے ابھی کینسل بھی کر دوں گا۔"

"کتنا اتراتے ہو تم عالی! واقعی تمہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دے کر میں نے تمہارا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔"

یونہی الٹی سیدھی بے سروپا باتیں کرتی وہ اس سے رخصت ہوئی تھی۔ اپنے گھر آ کر وہ ابھی اپنے کمرے تک پہنچی نہ تھی کہ اس کی کال آ گئی تھی۔ اسے گھر پہنچنے میں کتنا

وقت لگے گا اس کا منٹوں سیکنڈوں کے حساب سے ایسا صحیح اندازہ لگا کر اس نے فون کیا تھا کہ وہ حیرت زدہ ہوتی ہنس پڑی۔

"ابھی مجھے کپڑے چینج کر کے دانت تو برش کر لینے دو۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے تم چاہو تو اپنے سارے کام کرتے ہوئے باتیں کرتی رہو' نہیں تو میں اتنی دیر انتظار کر لیتا ہوں۔" وہ لائن ڈس کنیکٹ کر کے دوبارہ کال کرنے کی بات نہیں کر رہا تھا بلکہ انتظار کر لینے کا کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت وہ اسے تھوڑی سی دیر کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا اور اگر اس وقت وہ اسے کال نہ کر رہا ہوتا تو وہ کیا کر رہی ہوتی؟ وہ گھر آتے ہی بغیر لباس تبدیل کیے اپنے بستر پر اوندھی لیٹ کر رو رہی ہوتی۔

وہ نہ اس وقت اسے رونے کا موقع دینا چاہتا تھا نہ تنہا رہنے کا۔ پھر یہی ہوا تھا وہ اپنے یہ چند کام کرنے کے دوران اس سے باتیں کرتی رہی تھی اور کچھ منٹوں بعد بستر پر لیٹی تو بھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم نے اس دن بھی ابھی بالکونی میرے لیے ایسے ہی سجائی تھی؟" اس نے عباد سے اس دن کا ذکر کیا جب وہ اسے پہلی بار اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔

"ہاں' تب ذرا اس سے بھی زیادہ اچھی سجائی تھی۔ آج تو سب کچھ ایمرجنسی میں ارینج کرنا پڑا ہے۔"

جو اہم بات تھی' جو اہم ترین اور سنگین مسئلہ ان دونوں کی زندگیوں کو لاحق ہو گیا تھا اس ایک بات کے علاوہ وہ دونوں دنیا زمانے کے ہر موضوع پر بات کر رہے تھے۔ رات کی اس تنہائی میں وہ اپنے گھر آ کر بہت رو رہی ہوتی مگر وہ اسے رونے دے نہیں رہا تھا۔ وہ اسے رونے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا وہ اسے تنہا رہنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہونے لگی تھی' باتیں کرتے کرتے نیند آنے لگی تھی مگر وہ بات ختم کرنے اور خدا حافظ کہنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے یا چھ بجنے والے تھے' کس وقت باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگی تھی' کارڈ لیس اس کے ہاتھ سے گرا تھا اسے ذرا یاد نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلا پورا دن وہ گھر پر رہی تھی۔ بظاہر کمرے میں کتابیں بکھرائے پڑھتی ہوئی مگر حقیقت میں ایک بھی لفظ نہ پڑھتی صرف اور صرف ایک ہی بات سوچتی ہوئی۔ صرف ایک دن پہلے اس کی زندگی میں سب کچھ کتنا ٹھیک تھا وہ کتنی خوش تھی اور آج وسوسے ہی وسوسے تھے' خوف ہی خوف تھے۔ شام ساڑھے چھ بجے جب وہ اپنے کمرے میں رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھ کر خالی الذہنی کی سی کیفیت میں بیٹھی تھی تب دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ اس کا اس بیل کو اگنور کرنے کا پروگرام تھا' وہ اس وقت کسی سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھی' مگر دوسری بیل کے ساتھ ہی اس کے سیل پر عباد کی کال بھی آ گئی تھی۔

"دروازہ کھولو۔" اس نے کمرے سے نکل کر باہر آ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ ہنستا مسکراتا خوب ہشاش بشاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اندر آ کر اس نے اوور کوٹ کے ساتھ ساتھ اپنا سوئٹر بھی اتار دیا۔ اس نے بلیک پینٹ کے ساتھ وہی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی۔ جو ہنیہ نے اسے گفٹ کی تھی۔ سوئٹر اتارنے کا مقصد بھی شاید اسے وہ شرٹ دکھانا ہی تھا۔ وہ رات والے ہی لباس اور حلیے میں تھی۔ ان ہی کپڑوں میں سوئی' ان ہی میں اٹھی' اس نے تمام دن نہ خود کو آئینے میں دیکھا تھا نہ بالوں کو برش کرنے کی زحمت ہی کی تھی۔ بالوں کو یونہی لپیٹ کر کیچر لگایا ہوا تھا اور مختلف جگہوں سے بالوں کی الجھی لٹیں نکل رہی تھیں۔

"یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے تم نے؟ اگر میرے بجائے اس وقت ماما جانی ہوتیں' وہ اچانک واپس آ گئی ہوتیں تو سوچو تمہیں اس طرح دیکھ کر کتنی پریشان ہو جاتیں؟" وہ ناراضی سے بولا۔

"کچھ کھایا پیا ہے یا صبح سے بھوکی ہو؟" وہ صبح اٹھنے کے بعد سے ایک بار بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی' کچھ کھانا تو در کنار اس نے ایک گلاس پانی تک نہ پیا تھا۔

"مجھے اس طرح کی امیدیں تھیں تم سے اس لیے لائبریری سے سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔" اس نے اسے دیکھتے مایوسی سے سر ہلایا۔

"بھوکا پیاسا رہنے سے کیا مسئلے حل ہو جاتے ہیں؟" وہ اس کے کچن کی طرف جانے لگا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو عالی؟"

"میں آپ کے لیے کچھ کھانے کے لیے لانے جا رہا ہوں' جتنے میں کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں آپ براہ

مہربانی اپنا حلیہ سدھاریے۔" وہ خفگی سے بولتا کچن میں آ گیا تھا۔

"تم رہنے دو عالی! فریزر میں ہو گا کچھ نہ کچھ' میں مائیکرو ویو میں گرم کر لیتی ہوں۔"

"تم سے جو میں کہہ رہا ہوں تم وہ کرو۔ کھانے کی فکر میں کر لوں گا۔"

اس کے حتمی انداز پر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ گرم پانی سے نہائی' کافی دیر تک پانی اپنے جسم پر بہاتی رہی' اس نے اپنے پاس موجود چند شلوار قمیص کے جوڑوں میں سے ایک نکال کر پہن لیا۔ وہ واپس کچن میں آئی تو وہاں خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اپنی نئی شرٹ کو کسی داغ دھبے کے لگنے سے محفوظ رکھنے کے لیے عباد نے ماما جانی کا کچن میں ٹنگا ایپرن پہنا ہوا تھا۔

"آ جاؤ بس پانچ چھ منٹ اور لگیں گے۔ ایسا کرو تم ٹیبل پر برتن لگاؤ تب تک یہ آملیٹ تیار ہو چکا ہو گا۔"

وہ نان اسٹک پین کو کسی شیف کی طرح برنر سے اوپر اٹھا کر زور زور سے ہلاتے ہوئے بولا۔ اس نے میکسیکن آملیٹ اور سلاد بنائی تھی' اس کے ساتھ کھانے کے لیے فرنچ بریڈ بھاگ کر جا کر ان کے اپارٹمنٹ کے نزدیک ترین اسٹور سے وہ تین منٹ میں خرید لایا تھا۔

"کچھ اور بناتا تو وقت لگتا۔ میں نے سوچا یہ آملیٹ مجھ سے اچھا بن بھی جاتا ہے اور اس میں وقت بھی کم لگے گا۔"

وہ ڈائننگ روم کے بجائے وہ کچن ہی میں موجود لکڑی کی چار کرسیوں والی میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ اسے دن بھر میں ایک بار بھی کھانا کی خواہش نہ ہوئی تھی' بھوک نہیں لگی تھی لیکن اس وقت عباد کے ساتھ بیٹھ کر وہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی۔

وہ دن بھر کا تھکا ہارا صرف اس کی خاطر یہاں آیا تھا وہ کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر اس سے باتیں کر رہا تھا' ہلکی پھلکی خوشگوار باتیں۔ وہ اسے مسلسل اور بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کی ٹینشن دور کرنے اور اسے خوشی دینے کے لیے چہرے پر سجائی اس کی یہ مسکراہٹ کتنی سچی تھی' وہ جانتی تھی۔

"تم نے لنچ کیا تھا عالی!" وہ یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ کل رات کے بعد سے اس نے کچھ نہیں کھایا۔

"کھانا... ہاں وہ...!"

"مجھ سے جھوٹ مت بولو عالی! مجھے پتا ہے تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر افسردگی سے بولی۔

"تمہیں میری فکر ہے' مجھے خوش کرنے کے لیے جھوٹی ہنسی ہنس رہے ہو' خود کو خوش اور مطمئن ظاہر کر رہے ہو۔ عالی پلیز! مجھے خود سے الگ مت کرو۔ مجھ سے وہ کہو جو تمہارے دل میں ہے' جو تمہیں اندر ہی اندر تکلیف دے رہا ہے۔ مجھے بہلانے' مطمئن کرنے کے لیے یہ مصنوعی ہنسی مت ہنسو عالی!"

اس کے لفظوں میں گہرائی تھی' سچائی تھی' محبت کی شدتیں تھیں۔ عباد کے مسکراتے چہرے پر یک دم ہی اداسی بکھر گئی تھی۔

"تم مجھ سے الگ نہیں ہو ہنیہ! ہمارا رشتہ تو بہت خاص ہے' بہت گہرا ہے یوں لگتا ہے جیسے میں تمہیں جانتا تب سے ہوں' جب ابھی یہ کائنات تخلیق کی جا رہی تھی۔" وہ اس کی طرف دیکھتا آہستگی اور نرمی سے بول رہا تھا۔

"پاپا مجھ سے زندگی میں پہلی بار اس طرح ناراض ہو گئے ہیں ہنیہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ انہیں کیسے مناؤں؟ یہ کیسے بتاؤں کہ میں بدلا نہیں' میں ان کا وہی عالی ہوں۔"

وہ اپنی ممی' پاپا سے اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا اور اپنے پاپا کی ناراضی نے اس کی ساری توانائیاں سلب کر لی تھیں' وہ باپ کی ناراضی پر کسی چھوٹے سے بچے کی طرح سہم گیا تھا' ڈر گیا تھا باپ کی ناراضی نے اس کے چہرے پر سے ساری رونق اور تازگی مٹا کر وہاں افسردگی ہی افسردگی بچھا دی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی ہنیہ! مجھے ممی' پاپا کو تمہارے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ میرا ارادہ ممی' پاپا کا دل دکھانے کا تو نہیں تھا' وہ میری کوئی کال ریسیو نہیں کر رہے' میری ای میلز' میرے ٹیکسٹ میسجز کسی کا جواب نہیں دے رہے۔ پاپا کے دل کو دکھا کر میں سکون سے نہیں رہ سکتا۔"

وہ کل عباد کی اس طرح کی باتوں پر چپ رہی تھی' مگر آج اس کا احساس جرم وہ بھی بغیر کسی جرم' کسی غلطی' کسی خطا کے وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ صاف دل کی' اصولوں کی' صحیح اور غلط میں فرق کی واضح بات کرنے والی لڑکی تھی۔

اس نے عباد کے چہرے پر بکھرے پچھتاووں' ملال اور افسردگی کو دیکھا پھر آہستگی سے بولی۔

"عالی! ایک بات کہوں۔ تمہارے پاپا کو تمہارے انکل سے تمہاری کزن کا رشتہ تمہارے لیے مانگنے سے پہلے at least تمہیں انفارم تو کر دینا چاہیے تھا۔ اگر میں بیچ میں نہ ہوتی' اگر تم کسی بھی لڑکی کو پسند نہ کرتے ہوتے تب بھی اتنا تو تمہارا حق تھا کہ تمہارا رشتہ کہیں طے کرنے سے قبل پوچھا نہ سہی کم از کم تمہیں انفارم کر دیا جائے۔ وہ تم سے تمہاری مرضی معلوم کر سکتے تھے عالی! اور انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔ تم جس بات کو لے کر خود کو اتنا قصوروار سمجھ رہے ہو اس میں تمہاری غلطی کہاں ہے؟ تم صرف اتنا ہی تو چاہتے تھے کہ تم اچھے انداز میں مجھے ان سے متعارف کرواؤ تاکہ میرا اچھا امپریشن قائم ہو ان پر۔ غلطی چھوٹے ہی نہیں بڑے بھی کر سکتے ہیں۔ وہ اگر آج اپنے بھائی اور ان کی فیملی کے سامنے اپنی پوزیشن اکورڈ محسوس کر رہے ہیں تو اس کی وجہ تم نہیں بلکہ ان کی اپنی غلطی ہے۔"

"ہم جس سے بہت محبت کرتے ہیں نا ہنی! اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ تم جو کہہ رہی ہو شاید وہ صحیح ہو مگر پاپا کی مجھ سے بے تحاشا محبت کے تناظر سے اس معاملے کو دیکھو تو وہ بالکل درست نظر آئیں گے۔ سادہ سی بات ہے ہنی! وہ مجھ سے اپنے اکلوتے بیٹے سے شدید محبت کرتے ہیں' وہ اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے اس حق کو پورے حق کے ساتھ استعمال بھی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ اپنے پاپا کی غلطی کا دفاع کر رہا تھا۔ محبت کیسی ہوتی ہے۔ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے لیے نہ خود کچھ برا سوچیں گے' نہ کسی دوسرے کو سوچنے دیں گے۔ اسے اس باپ پر رشک آیا جس کا اتنا چاہنے والا بیٹا تھا۔ اسے اس باپ پر افسوس ہوا جو اپنے اتنے محبت کرنے اور چاہنے والے بیٹے سے یوں اتنی آسانی سے بدگمان ہو گیا تھا۔

"عالی! اگر میں تمہاری زندگی میں نہ ہوتی اور پھر تمہارے پاپا یونہی ایک فون کال کے ذریعے تمہیں تمہاری منگنی کی اطلاع دے رہے ہوتے تو کیا تم اس کو قبول کر لیتے؟" اس کی محبت اور حق والی بات پر وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"ہاں' بالکل۔" عباد نے ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً جواب دیا۔

"پاپا کا فیصلہ میرے لیے غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے لیے اتنا اچھا نہیں سوچ سکتا جتنا وہ سوچ سکتے ہیں میں خود اپنے آپ سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی وہ مجھ سے کرتے ہیں۔" وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

"چلو ہنیہ۔ کہیں باہر چلتے ہیں۔" وہ بولتا ہوا میز پر سے اٹھ گیا۔ وہ بلیو کلر کی شرٹ پہنے ہوا تھا جو اسے پسند تھی جبکہ عباد کو فان کلر کی پسند تھی لیکن وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

وہ اسے لے کر ایسٹ ریور کے نزدیک ایک پارک میں آ گیا تھا۔ وہ دونوں پارک میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ وہ گھر سے نکلنے کے بعد سے بالکل خاموش تھی۔ عباد ہی وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔ ابھی رات کے آٹھ بجے تھے اور نیویارک شہر کی روایتی رونقیں ہرگز ماند نہ پڑی تھیں۔ مگر چونکہ اندھیرا پھیل رہا تھا نیویارک اور سردی بھی کافی زیادہ تھی اس لیے پارک سے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔

"کیا ہوا ہنیہ! تم اتنی چپ کیوں ہو گئیں؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"عالی! مجھے معاف کر دو میں کل شام سے تمہارے پاپا کے لیے اتنا کچھ نگیٹیو سوچتی رہی ہوں۔ میں سوچ رہی تھی وہ یہ کس طرح کی محبت تم سے کرتے ہیں کہ تم پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں' لیکن میں کس منہ سے انہیں یہ سب کہہ سکتی ہوں' جبکہ میں خود تم سے ایسی ہی محبت کرتی ہوں۔ تمہیں فان کلر کی شرٹ پسند ہے' یہ میرے لیے اہم نہیں' میرے لیے اہم یہ ہے کہ مجھے تمہارے لیے بلیو شرٹ زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ محبت میں ہزار اچھائیاں ہوں' پر محبت کا یہ انداز اچھا نہیں عالی! ملکیت جتانے والا' تسلط قائم کرنے والا' اپنی منوانے والا اور تم ہم دونوں سے شرمندہ ہو۔ تم اپنے پاپا سے شرمندہ ہو کہ ان کا ایک ناجائز حکم نہ مان کر ان کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہو' اور مجھ سے اس لیے شرمندہ ہو کہ میرا وجود اپنے والدین سے تسلیم نہیں کروا پا رہے عالی! اتنے اچھے مت بنو۔ ہم لوگوں کو جو تم سے محبت کے دعویدار ہیں' ہماری غلطیاں بتایا کرو' ہمیں خوش کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش میں خود کو دکھ مت دو' اپنا کوئی نقصان نہ کرو۔"

اس پل اس کا دل عباد عذیر کے لیے بہت دکھ رہا تھا آخر کیوں تھا وہ اتنا اچھا۔

"بے فکر رہو میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی' نہ

پاپا کی جانب سے نہ تمہاری جانب سے۔ بلکہ میں تو خود کو اس دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھتا ہوں' جس سے اتنے سارے لوگ اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں۔" وہ اس کی حساسیت اور اپنے لیے اس کی محبت پر مسکرایا۔ وہ آنکھوں میں نرمی اور گداز لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ بات اب کہہ رہی ہو میں نے تو تمہیں بہت پہلے بتا دیا تھا کہ تم پاپا سے ملو تو وہ تمہیں اور تم انہیں ملاقات کے ابتدائی چند سیکنڈز ہی میں پسند کرنے لگو گے۔ تم دونوں عام لوگوں سے مختلف اور بہت منفرد ہو۔ مستقل مزاج ہو' تم میں اور پاپا میں بہت کچھ ایک جیسا ہے۔ جیسے تم بے تکلف اور بے جھجک بات کرتی ہو' ایسے ہی پاپا بھی ہیں۔ مما کی بات الگ ہے انہیں دنیا کی ہر لڑکی فوراً ہی پیاری اور اچھی لگ جاتی ہے۔ مگر پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں پہلی ہی ملاقات میں وہ بہت پسند کرنے لگیں گے۔

پر اعتماد اور ذہین لڑکیاں انہیں اچھی لگتی ہیں' جنہوں نے اپنی اسلامی اور مشرقی قدروں کو بھی تھاما ہوا ہے۔ تب ہی تو میں تمہیں ان سے پہلے ملوانے اور بعد میں تمہارے متعلق کچھ بتانے پر اتنا سنجیدہ تھا۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس سے میں محبت کرتا ہوں تو وہ اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا نالائق بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کر ہی رہا تھا تو وہ لڑکی ہنیہ سجاد ہوتی۔"

وہ عباد کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"you must be locking"

"پرامس! بالکل سچ کہہ رہا ہوں اور تم جو ابھی انہیں تھوڑا سخت مزاج اور غصے والا سمجھ رہی ہو جب ان سے ملو گی تو پہلی ہی ملاقات میں ان کی عاشق ہو جاؤ گی۔ ان کے مینرز' اپی کینس' بات کرنے کا سلیقہ سب ایسا ہوتا ہے جس پر تم لڑکیاں دل و جان سے فدا ہوتی ہو۔"

عباد ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے ہی اس کی بات سن رہی تھی۔

"جب میں انہیں اور وہ مجھے اتنے پسند آ سکتے ہیں عالی! پھر سب کچھ اتنا غلط کیوں ہو رہا ہے؟" مسکراتے مسکراتے یک لخت وہ سنجیدہ ہو گئی تھی' اپنے چہرے کی اداسی عباد سے چھپانے کی خاطر اس نے اپنا چہرہ دوبارہ سامنے کر لیا تھا۔ وہ سامنے دور تک نظر آتے درختوں کی طرف بالکل سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔

"یہ سارا غلط جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا ہنی! پلیز میرا یقین رکھو۔ اپنی محبت پر بھروسہ رکھو۔"

عباد نے ایک پل کے لیے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اسے سب ٹھیک ہو جانے' سب اچھا اور من چاہا ہو جانے کی نوید دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماما جانی شکاگو سے واپس آ گئی تھیں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا انہیں کچھ بھی بتا کر پریشان کرنے کا۔ لیکن اسے یہ خدشہ تھا کہ اس کے نہ بتانے کے باوجود کہیں وہ اس کے چہرے سے پریشانی کے کوئی آثار نہ بھانپ جائیں۔ مگر ماما جانی کی شکاگو سے آتے ہی طبیعت ایسی خراب ہوئی تھی کہ انہیں اس کے چہرے کو پڑھنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔ یہاں آتے ہی جو انہوں نے بستر سنبھالا تھا' ہنیہ اس سے بوکھلا گئی تھی۔ وہ بہت کم بیمار ہوتی تھیں اور ان کی کبھی کبھار کی بیماری اس طرح ہنیہ کے ہاتھ پاؤں پھلا دیا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم عباد کے چاچا کی فرم میں جاب کر رہی ہو' تمہیں پتا تھی یہ بات؟" فیاض احمد نے حیرت سے باہر نکلتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

"جی ماموں! مجھے پتا تھی۔ میں نے آپ لوگوں کو شروع میں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ اس وقت مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں ان کے پاس جاب حاصل کر بھی پاؤں گی کہ نہیں۔ جاب مل جانے کے بعد مجھے آپ لوگوں کو بتا دینا چاہیے تھا مگر نہ بتا سکی' سوری۔" وہ آہستگی سے بولتی جیسے اپنی ایک غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"میں الجھن میں تھی' ہر پل یہی سوچتی رہتی تھی کہ عالی کے پاپا جو مجھے اپنے ہاں جاب کرنے والی انجینئر کے طور پر اتنا پسند کرتے ہیں' جس روز میری سچائی جان جائیں گے کیا اس روز بھی مجھے اتنا ہی پسند کریں گے؟ میں آج بھی یہی سوچ رہی ہوں ماموں! جس روز میری سچائی کھلے گی' میں کہاں کھڑی ہوں گی؟ کیا تب بھی عذیر فاروق اپنی بیگم کے ساتھ آ کر مجھے میرے گھر پر کوئی تحفہ دے کر جائیں گے یا نفرت سے مجھے رد کر دیں گے؟" اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"میں وہ لڑکی ہوں جس سے عذیر فاروق شدید نفرت

کرتے ہیں۔ میں وہ لڑکی ہوں' جس کی وجہ سے وہ عالی سے خفا ہیں۔ آپ کو پتا ہے ماموں! وہ عالی کا نام تک اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتے۔ میں نے آج تک کبھی ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا نام نہیں سنا' اس کا ذکر اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ ایسے جیسے وہ اسے تو کیا اس کے نام تک کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے باہر نکال چکے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
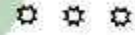
وہ ڈنر میں شرکت کے لیے عذیر فاروق کے گھر پہنچی تو وہ وہاں آنے والی پہلی مہمان تھی۔ شام ساڑھے سات بجے ڈنر کا ٹائم ہوا بھی نہیں ہوتا' سو ابھی کوئی بھی مہمان نہیں آیا تھا۔ اس گھر میں آنے کی ایسی ایکسائٹمنٹ تھی اسے کہ وہ ساڑھے سات بجے سے زیادہ خود کو روک ہی نہیں سکی تھی۔ اسے امریکہ سے پاکستان آئے پانچ مہینے ہو گئے تھے اور ان پانچ مہینوں میں آج وہ پہلی مرتبہ بطور ایک مہمان اس گھر میں قدم رکھ رہی تھی کہ جس میں رہنے اور بسنے کے اس نے عباد کے ساتھ مل کر بے شمار خواب دیکھے تھے۔

شام ساڑھے سات بجے ابھی اتنی جلدی وہ کسی مہمان کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھیں' اس کے باوجود ہاجرہ نے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ عذیر فاروق کا اپنی فرم کے تمام افراد کے لیے سالانہ ڈنر تھا' جس میں وہ سب کو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں مدعو کرنے کی بجائے اپنے گھر بلانا زیادہ پسند کیا کرتے تھے۔ فرم کے تمام افراد کو بھی ان کے گھر آنا بہت پسند آیا کرتا تھا۔ سب ہاجرہ عذیر کی میزبانی اور ان کے گھر کے کھانوں کی سارا سال تعریفیں کرتے تھے۔

پارٹی کا انتظام ان کے خوب صورت لان میں کیا گیا تھا۔ ابھی ان کے ملازمین وہاں باقی رہ گئی۔ تیاریاں مکمل کرنے میں مصروف تھے' اس لیے اس وقت سے بہت پہلے چلی آئی مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا تھا۔ ہاجرہ اس سے آکر ملیں تو سب سے پہلے تو اسے اپنا دیا ہوا سوٹ پہنا دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ خوب کھلتے ہوئے پرپل اور گرین رنگوں کے امتزاج والا یہ ڈریس اسٹائلش بھی تھا اور جیسے کپڑے وہ پہنا کرتی تھی' اس کے مقابلے میں بہت شوخ اور سجا بنا بھی تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اسے گلے لگا کر خوش آمدید کہنے کے بعد انہوں نے بغور اس کی تیاری دیکھی۔

"سادگی میں بھی اسٹائلش لگتی ہو' مگر آج زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔"

"آپ کو اچھی لگنے ہی کے لیے تو اتنا تیار ہو کر آئی ہوں۔" وہ مسکرا کر صوفے پر ان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔

"میں جلدی آ گئی' اصل میں۔۔۔"

"بہت اچھا کیا ہنیہ! مجھے تمہارا جلدی آنا' ہمیں اپنا سمجھنا بہت اچھا لگا ہے۔" وہ اس کی وضاحت سننے سے پہلے ہی پیار اور اپنائیت سے بولیں۔ وہ ان کی محبت بھرے انداز پر مسکرائی۔

"سر کہاں ہیں؟" کتنا مشکل لگتا تھا انہیں سر کہنا۔ وہ انہیں عباد کی طرح پاپا کہنا چاہتی تھی اور یہ نہیں تو کم از کم انکل تو ہر حالت میں کہنا چاہتی تھی مگر مجبوری ایسی تھی کہ وہ سر کے سوا کسی اور من چاہے انداز میں فی الحال انہیں مخاطب کر نہیں سکتی تھی۔

"تیار ہو رہے ہیں۔" انہوں نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

"آپ تیار نہیں ہوں گی؟"

"میں تمہیں تیار نہیں لگ رہی؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ بہت سوگوار اور بجھی ہوئی مسکراہٹ۔ وہ مسکرائی تھیں تو صرف ان کے لبوں تک ہی مسکراہٹ ہوتی تھی' اس کا کوئی رنگ ان کی آنکھوں سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔

"پوری طرح تیار نہیں لگ رہیں۔ مطلب ڈریس تو بہت پیارا ہے' مگر آپ نے میک اپ تو کیا ہلکی سی لپ اسٹک تک نہیں لگائی اور جیولری بھی بس وہی پہنی ہوئی ہے جو روزانہ پہنے رہتی ہیں۔"

"بس بیٹا! اب یہ بجنے سنورنے اور تیار ہونے کی تو تم لوگوں کی عمر ہے۔"

انہوں نے اپنی تیاری سے متعلق ذکر کو مزید طویل نہ دیتے بات ختم کر دی۔ وہ جانتی تھی کہ ہاجرہ عذیر ابھی پورے پچاس سال کی بھی نہیں ہوئی ہیں۔ عباد اپنی ینگ' ایکٹیو اور بہت خوب صورت مما کا کتنے فخریہ انداز میں ذکر کرتا تھا۔ اس نے عباد کے پاس' اس کے اپارٹمنٹ میں ان کی اتنی تصویریں دیکھ رکھی تھیں' ان کی ویڈیو دیکھ رکھی تھی اور ان سب میں اس نے انہیں ہمیشہ خوب تیار دیکھا

تھا۔ اپنی عمر کی مناسبت سے میک اپ اور جیولری ہر چیز کا وہ اہتمام کرتی تھیں' دھیان رکھتی تھیں۔

اس وقت اس کے سامنے بیٹھی ہاجرہ عذیر ان تصویروں والی ہاجرہ عذیر سے بہت مختلف خاتون تھیں۔ سادگی میں بھی ان کی خوب صورتی نمایاں تھی۔ وہ تھیں ہی واقعی بہت خوب صورت' عباد کی طرح ان کے بھی بائیں گال پر ڈمپل پڑتا تھا۔ عباد نے یہ ڈمپل اپنی مما سے لیا تھا۔ مگر ان کی ساری خوب صورتی ایک حزن' ایک سوگواری میں لپٹی محسوس ہوتی تھی۔

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد جب یہ اندازہ ہوا کہ باہر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں تو ہاجرہ اسے باہر لے جانے لگیں۔

"چلو کھلی ہوا میں چل کے بیٹھتے ہیں۔ باقی مہمان بھی آنے والے ہوں گے۔" وہ ان کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر نکلی تو ان کے لاؤنج پر نظر پڑی۔ اس کی ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سی تصویر لگی تھی۔ بہت فاصلے سے بھی اسے وہ تصویر صاف نظر آ رہی تھی۔ تصویر کے پاس رکتا دیکھ کے ہاجرہ آہستگی سے بولیں۔

"میرے بیٹے کی تصویر ہے۔" وہ ان سے یہ کہہ نہ سکی کہ وہ اس بات کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا تذکرہ پہلی مرتبہ سنا تھا' اس نے گردن گھما کر انہیں دیکھا۔ وہ یکدم ہی مزید کمزور' مزید بجھی ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔ اپنی آنکھوں میں چھلک آئی نمی کو اس سے چھپانے کی خاطر وہ اسے اپنے ساتھ آنے کا کہتی اس سے پہلے ہی باہر نکل گئیں۔ اس نے آنسو چھپا کر تیزی سے لان میں جاتی ہاجرہ کو دیکھا' پھر مڑ کر دوبارہ اس تصویر کو دیکھا۔

"آہا۔ تو مس ہنیہ سجاد تشریف لا چکی ہیں۔" عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر اس طرف آ رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گئے تھے۔

"اسلام علیکم سر!" تصویر سے نظریں ہٹا کر اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ اسے اس تصویر کو بغور دیکھتا دیکھ چکے تھے مگر انہوں نے ہاجرہ کی طرح اسے اس تصویر سے متعارف کروانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"اتنے ناراض ہیں آپ عالی سے؟ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہتے' اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتے؟ عالی سے اس طرح ناراض مت ہوں پاپا!" اس نے خاموشی سے انہیں اس تصویر کو نظر انداز کرتے دیکھا۔

"یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟"

"سر! میں آنٹی کے ساتھ لان میں جا رہی تھی۔"

"چلیں تو لان ہی میں چلتے ہیں۔" اس نے ان کے ساتھ باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"بائی دا وے! آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

"تھینک یو سر! یہ وہی سوٹ ہے۔"

"ہاں میں نے پہچان لیا ہے' ہاجرہ نے اسے لیا جبکہ میں یہ والا لوں یا وہ والا لوں کی کنفیوژن میں تھا کہ مجھے اس کا رنگ اور ڈیزائن یاد ہو گیا۔" وہ جواباً مسکرا کر بولے۔

"میری بیگم کی آپ فیورٹ بن چکی ہیں مس ہنیہ!"

"سر! میں آپ کی فیورٹ نہیں ہوں؟"

"کیوں ایک بندے سے دل مطمئن نہیں ہو رہا؟ ہم دونوں کی فیورٹ بننا چاہتی ہیں؟"

انہوں نے ہنستے ہوئے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کے ساتھ لان میں آ گئی تھی۔ وہاں ہاجرہ نہیں تھیں۔ وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی۔ وہ کہاں تھیں' وہ گھر کے کس کمرے' کس جگہ پر تھیں' وہ انہیں تلاش کرتی ان کے پاس جانا چاہتی تھی۔ وہ رو رہی تھیں' وہ جانتی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر دن میں کتنی بار رو دیا کرتی تھیں؟ مگر وہ ہنیہ سجاد اس گھر میں صرف ایک مہمان تھی' ایک مہمان جو آج پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی تھی۔ وہ بے تکلفی سے ان کے گھر کے اندر کس طرح جا سکتی' گھوم پھر سکتی تھی؟ حالانکہ اندر جا کر اگر وہ تھوڑا سا بھی ڈھونڈتی تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے بیڈ روم تک باآسانی خود پہنچ سکتی تھی۔ عباد کے اس بہت خوب صورت گھر کی اس نے کئی مرتبہ ویڈیو دیکھ رکھی تھی۔

وہ اس گھر کے چپے چپے اور کونے کونے سے واقف تھی۔

"اور سنائیں آج چھٹی کے دن کی کیا مصروفیات رہیں؟"

"کچھ خاص نہیں سر! بس اپنے ہفتے بھر کے جمع ہوئے کام نمٹاتی رہی۔" وہ ان کے ساتھ ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

"ویسے امریکہ میں آپ کے ویل وشرز کی پیشن گوئی تو

غلط ثابت ہو گئی۔ پانچ مہینے تو میرا خیال ہے ہو رہے ہیں آپ کو ہمارے ہاں جاب کرتے۔ یعنی پاکستان سے مایوس ہو کر لوٹنے کا پروگرام کم از کم چھ مہینے کے اندر اندر تو ہرگز نہیں بن گیا۔" وہ اس کی انٹرویو کے دن بتائی بات کا حوالہ دے رہے تھے۔

"اور سر! بنے گا بھی نہیں۔ یہاں نیویارک جیسی سہولتیں اور آسانیاں نہیں' کچھ مشکلات ہیں تو کیا ہوا۔ کم سے کم یہاں میں تنہا تو نہیں۔"

کچھ مہمان آنے شروع ہو گئے تھے' عذیر فاروق اس سے معذرت کرتے مہمانوں کا استقبال کرنے اٹھ گئے۔

"میں یہاں سے ناکام اور مایوس واپس لوٹنے نہیں بلکہ دلوں کو جیتنے آئی ہوں۔ میں یہاں ہارنے نہیں آئی پاپا! میں جیتنے آئی ہوں' آپ کی محبت' مما کی محبت' مصمم ارادے کے ساتھ' پورے یقین کے ساتھ محبت کا ہاتھ تھامے محبت ہی پر بھروسہ کیے۔ کام مشکل ہے پر ناممکن تو نہیں۔"

وہ زیر لب جیسے خود سے بول رہی تھی۔ اس کی نگاہیں دور مہمانوں کا استقبال کرتے عذیر فاروق پر تھیں۔ وہ مسکرا کر بلگرامی صاحب اور فرم کے چند دیگر سینئر انجینئرز کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ وہ ایسے ہی ایک اپنی ہی عمر کے صاحب سے اسے متعارف کروا رہے تھے۔

"مس ہنیہ سجاد سے ملیے۔ کولمبیا یونیورسٹی کی گریجویٹ ہیں اور ماشاء اللہ بہت ہی competent انجینئر ہیں۔" اعجاز نثار جو خود بھی ایک انجینئر تھے اور ایک انجینئرنگ فرم چلا رہے تھے ان سے عذیر فاروق نے اس کا تعریفی تعارف کروایا۔ نفرت بلکہ شدید نفرت تو وہ اس لڑکی سے کیا کرتے تھے جو ان کے اور ان کے بیٹے کے بیچ آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ کیسی عجیب سی بات تھی یہ جاننے کے باوجود کہ عذیر فاروق اس سے اس کی اصل حیثیت میں شدید نفرت کرتے ہیں وہ پھر بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ وہ عذیر فاروق سے محبت کرتی تھی وہ عباد کے پاپا سے محبت کرتی تھی۔ وہ ہاجرہ عذیر سے محبت کرتی تھی' وہ عباد کی مما سے محبت کرتی تھی۔ عذیر فاروق کے لیے ناپسندیدگی والے جذبات تو اپنے دل سے اس نے اسی روز نکال دیے تھے جب یہ جانا تھا کہ صرف عالی کے پاپا ہی نہیں وہ خود بھی تو حق جتاتی اور تسلط جماتی محبت کرتی ہے عالی سے اور پھر آہستہ آہستہ اسے یہ احساس ہونا شروع ہوا تھا کہ وہ عالی کے مما' پاپا سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ عباد کی زندگی کے

وہ دو لوگ تھے جن کے بغیر عباد کے پاس زندگی کا کوئی تصور نہ تھا' وہ اپنے ماں' باپ کو عشق اور جنون کی آخری حدوں تک چاہتا تھا۔ سادہ سی بات تھی ناں جس سے محبت ہو اس سے وابستہ تو ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے۔ اس روز River East کے قریب اس پارک میں جب عالی کے پاپا کے لیے اس نے اپنے دل سے منفی سوچیں نکال دیں۔ اس کے بعد تو پھر وہ عباد سے بات کرتے وقت اس کے والدین کا ذکر کرنے پر تمہارے پاپا' تمہاری مما کے بجائے مما اور پاپا کہہ کر ان کا ذکر کرنے لگی تھی۔

ڈنر بہت اچھا رہا تھا۔ اس کے تمام کولیگز' تمام سینئرز' فرم سے متعلق ہر فرد نے اس میں شرکت کی تھی۔ مہمانوں کی آمد کے ان ابتدائی لمحات ہی میں ہاجرہ خیر مقدمی مسکراہٹ لیے مہمانوں کا استقبال کرنے باہر آ گئی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح ان کی سوگواری میں لپٹی مسکراہٹ۔ ڈنر سے فارغ ہوتے اسے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔ وہ پارٹی بیچ میں سے چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتی تھی مگر اندر ہی اندر اس کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ یہاں آنے کی بات دوسری تھی' یہاں تو وہ اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے آئی تھی ورنہ اب وہ رات میں ہونے والی تقریبات سے اس لیے گھبرایا کرتی تھی کہ وہاں گیارہ کیا بارہ اور ایک' ڈیڑھ تک بج جایا کرتا تھا۔ جبکہ وہ گیارہ بجے کے بعد ہر قیمت پر اپنے گھر اور اپنے بیڈ روم میں موجود ہونا چاہتی تھی۔ شمسہ اور فیاض احمد اسے اپنے ساتھ تقریبات میں چلنے کے لیے کہتے تو وہ اکثر و بیشتر معذرت کر لیا کرتی تھی۔ یہاں حالات اتنے امن و امان والے اور پرسکون نہیں کہ خواتین رات میں تنہا ڈرائیو کر کے کہیں جا آ سکیں۔ یہ اسے اندازہ ہو گیا تھا اسی لیے وہ خود ڈرائیو کر کے آنے کے بجائے فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ پارٹی میں آئی تھی۔ وہ گھر واپس پہنچی تو یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ فیاض اور شمسہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ورنہ اسے ابھی کچھ دیر ان کے ساتھ [illegible] گفتگو کرنا پڑتی۔ وہ دو' دو زینے ایک ساتھ پھلانگتی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فاروق ایسوسی ایٹس کا ہیڈ آفس کراچی میں تھا مگر اس کے برانچ آفسز لاہور' اسلام آباد اور کوئٹہ میں بھی قائم تھے۔

چونکہ پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ فرم کو مڈل ایسٹ کے مختلف ممالک میں بھی کئی projects اکثر و بیشتر ملا کرتے تھے اس لیے پانچ سال قبل فرم کا ایک برانچ آفس دبئی میں بھی قائم کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں دبئی کی ایک بڑی کمپنی وہاں اپنی نئی آفس بلڈنگ جو 50 سے 55 منزلہ تھی تعمیر کروانا چاہتی تھی۔ اس بلڈنگ کی ڈیزائننگ میں فاروق ایسوسی ایٹس نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔ پاکستان کی چند دوسری بڑی فرمز کے علاوہ سنگاپور' جاپان اور کوریا کی چند فرمز بھی اس پروجیکٹ کے حصول میں کوشاں تھیں۔ سخت مقابلہ تھا اور یہ پروجیکٹ جس بھی فرم کو مل جاتا وہ خوش قسمت ٹھہرتی کہ کمپنی واقعی بہت بڑی تھی۔ اس کمپنی کے ساتھ فاروق ایسوسی ایٹس کی دبئی میں کئی میٹنگز ہو چکی تھیں جن میں شرکت کے لیے کراچی سے بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین بھی دو بار دبئی جا چکے تھے۔ اب فائنلی اس کمپنی کے چند سینئر عہدیدار کراچی ان کے آفس آ رہے تھے۔ یہ اس کمپنی کے ساتھ ان کی نتیجہ خیز میٹنگ تھی جس میں وہ ان کے ڈیزائنز کو پسند کر لیتے یا ناپسند۔ اس کمپنی کو جو Presentation دی جانی تھی اس کی تیاری کے لیے دو آرکیٹیکٹس اور دو انجینئرز کا انتخاب کیا گیا تھا۔

پروجیکٹ کی اہمیت کے سبب بلگرامی صاحب سینئر انجینئرز اور آرکیٹیکٹس کا انتخاب کرنا چاہتے تھے۔ کسی جونیئر انجینئر یا آرکیٹیکٹ کا اس پریزنٹیشن میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہنیہ سجاد جو ابھی فرم کی سب سے نئی انجینئر تھی اس کی شمولیت کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس نے عذیر فاروق سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اس بڑی کمپنی کی ٹاپ مینجمنٹ کے سامنے پریزنٹیشن دینے کا ایک موقع دے دیں' وہ انہیں ہرگز لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گی۔

بلڈنگ کے جو ممکنہ ڈیزائنز فاروق ایسوسی ایٹس نے تیار کیے تھے ان کی ڈیزائننگ میں فرم کے کئی سینئر آرکیٹیکٹس اور انجینئرز شامل رہے تھے مگر اب ان ڈیزائنز پر مشتمل پریزنٹیشن وہ چار لوگ تیار کر رہے تھے جنہیں بلگرامی صاحب نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا تھا۔

ہنیہ سجاد ان کا انتخاب قطعاً" نہ تھی' وہ عذیر فاروق کے اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ گو اس کا کام وہ کئی بار دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ناتجربہ کاری کے سبب پریزنٹیشن دیے جانے کے موقع پر کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور کرے گی۔

اپنے منتخب کردہ باقی تینوں آرکیٹیکٹس اور انجینئرز سے وہ مطمئن تھے خطرہ انہیں ہنیہ سجاد سے تھا۔ اسی لیے انہوں نے پریزنٹیشن میں سب سے آخری باری اس کی رکھی تھی۔ ابتدا سب کچھ ہوتی ہے' اگر پریزنٹیشن کے آغاز میں اس کمپنی کے سینئر عہدیداران ان کے ڈیزائن پروپوزل سے مطمئن ہو گئے تو پھر آخر میں رہ گئی کوئی کمی یا غلطی کسی کو نظر نہیں آئے گی۔ ہنیہ بھرپور تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ بلگرامی صاحب کو اس کے متعلق کیا کیا خدشات ہیں' وہ جانتی تھی۔ پہلے ایک ایک کر کے دونوں آرکیٹیکٹس نے بلڈنگ کے آرکیٹیکچر کے حوالے سے مختلف ڈیزائن اور آپشنز اس کمپنی کے عہدیداران کو پیش کیے' پھر اس کے علاوہ جو دوسرے انجینئرز کی باری آئی اور پھر سب سے آخر میں اس کی۔

وہ کانفرنس ٹیبل سے اٹھ کر سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے ٹیبل کے گرد بیٹھے بہت سے چہروں میں سے کسی کی طرف بھی نہیں دیکھا اس نے صرف عذیر فاروق کی طرف دیکھا۔ حوصلہ بڑھانے والے انداز میں وہ اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائے۔ اس نے ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر ان چہروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا جنہیں وہ یہ پریزنٹیشن دے رہی تھی۔ اس کی محنت ہر ایک کو نظر آ رہی تھی اور اس کا پراعتماد انداز ہر ایک کو متاثر کر رہا تھا۔ اسے کوئی نہ بھی بتاتا وہ تب بھی جانتی تھی کہ وہ اپنے سے پہلے گئے تینوں سینئرز سے زیادہ پراعتماد ثابت ہوئی تھی۔ اس کی پریزنٹیشن کے دوران اس کمپنی کے عہدیداران نے اس سے جو چند سوالات کیے اس نے ان کے جواب بھی اپنے پیش روؤں سے زیادہ اعتماد اور ذہانت کے ساتھ دیے تھے۔ بلگرامی صاحب سمیت فاروق ایسوسی ایٹس کے دوسرے لوگوں نے بھی آج بالآخر اس کے اعتماد اور مہارت کو تسلیم کر لیا مگر اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' وہ خوش اس بات پر تھی کہ بلگرامی صاحب جو آج پہلی مرتبہ اس سے متاثر نظر آ رہے تھے ان کی طرف عذیر فاروق نے ان نگاہوں سے دیکھا تھا جو یہ کہہ رہی تھیں۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا۔ اس لڑکی کو ناتجربہ کار کہہ کر انڈر اسٹیمیٹ مت کرو۔" عذیر فاروق کی یہ فخریہ نگاہیں

اسے خوشی سے سرشار کر گئی تھیں۔

اس نتیجہ خیز ثابت ہونے والی میٹنگ کا نتیجہ فاروق ایسوسی ایٹس کے لیے بڑا شاندار نکلا تھا۔ ان کے تینوں ڈیزائنز میں سے ایک ڈیزائن کو پسند کر لیا گیا تھا گویا یہ پروجیکٹ فاروق ایوسی ایٹس کو مل گیا تھا۔

بڑا پروجیکٹ تھا' بڑی کامیابی تھی۔ سب خوش تھے' ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اگر کسی چہرے پر اسے خوشی نظر نہیں آرہی تھی تو وہ عذیر فاروق کا چہرہ تھا۔ وہ بظاہر مسکرا رہے تھے' سب سے مبارک باد وصول کر رہے تھے' آفس میں سب کے لیے آج اپنی طرف سے لنچ کا اعلان کر رہے تھے مگر ان کا چہرہ ہی خوشی سے عاری تھا۔ ایک پروجیکٹ جس کے حصول کے لیے انہوں نے اس قدر محنت اور کوششیں کی تھیں' کئی کئی گھنٹے فرم کے مختلف انجینئرز اور آرکیٹیکٹس کے ساتھ طویل میٹنگز کی تھیں جب وہ پروجیکٹ انہیں مل گیا تب خوشی کا کوئی تاثر ان کے چہرے پر نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اکثر دیکھتی تھی کہ ان کی بے تحاشا محنت' کوششوں اور ان تھک کام کے بعد ان کا کوئی بڑا پروجیکٹ کامیابی سے تکمیل کو پہنچتا یا بڑی محنت اور جستجو کے بعد کوئی بڑا پروجیکٹ ان کی فرم کو ملتا' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دور کھڑے اس کامیابی کو دیکھتے نظر آتے۔ ان کے چہرے پر یہ تاثر ہوتا جیسے کامیابی ہو یا ناکامی' عروج و زوال۔ انہیں کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☼ ☼ ☼

میڈیکل کالج کی سائٹ سے سائٹ انجینئر کی شکایات موصول ہو رہی تھیں' بلڈنگ میٹریل کی کوالٹی کے متعلق' چونکہ ایسی چیزوں پر عذیر فاروق بالکل کمپرومائز نہیں کرتے تھے اس لیے سائٹ پر فوراً" جا رہے تھے۔ انہوں نے لنچ ٹائم سے قبل ہی اس سے سائٹ پر چلنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ آفس میں ان کے کچھ اہم کلائنٹس آگئے تھے یوں انہیں آفس سے نکلتے نکلتے ہی ساڑھے چار بج چکے تھے۔

وہ سائٹ پر پہنچے تو وہاں کام زور و شور سے جاری تھا۔ سیمنٹ' بجری' بلاکس' سریا وہاں ہر طرف وہی دھول مٹی سے اٹا منظر تھا جو کنسٹرکشن سائٹس پر ہوا کرتا ہے۔ اونچی نیچی ناہموار سی جگہ تھی جس پر چڑھ کر وہ وہاں بکھرے سامان کی کوالٹی کو جانچنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ نئے نئے تعمیر شدہ ان حصوں کا تفصیلی معائنہ کرے جہاں پلاسٹری چند روز ہوئے مکمل ہوا تھا۔ اگر کہیں کوئی cracks develop ہوتے اسے نظر آرہے ہیں تو انہیں بتائے۔ وہ ان سے کچھ فاصلے پر یہ کام رہی تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں اٹھا اٹھا اپنی تجربہ کار اور ماہر نگاہوں سے اپنے سامنے موجود بلڈنگ material کا جائزہ لے رہے تھے۔

اچانک پتا نہیں کیا ہوا تھا' ان کی مٹھی میں بھرا سیمنٹ ان کے ہاتھ سے نیچے گرا تھا' وہ پورے کے پورے یوں ڈگمگائے تھے جیسے انہیں زور کا چکر آیا ہو۔ وہ زیادہ دور نہیں تھی' اس کی نگاہ فوراً" ان پر نگاہ فوراً" پڑی تھی۔ اسے یوں لگا تھا وہ چکرا کر زمین پر گرنے والے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں موجود ڈرائنگز' پوائنٹر ——— یکلخت چھوٹے تھے۔

"پاپا!" اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"عالی!" خود کو لڑکھڑا کر گرنے سے بچاتے ان کے لبوں سے غیر اختیاری طور پر یہ نام نکلا تھا' جیسے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اپنے گرد اپنے جوان بیٹے کے بازو تلاش کر رہے ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شانوں کے پاس ان کے بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر انہیں گرنے سے فوراً" بچا لیا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگتی ان کی طرف آئی تھی' اس نے انہیں لڑکھڑا کر گرنے سے بچا لیا تھا۔ اگر وہ ایک لمحے کی بھی دیر کرتی تو وہ زمین پر پڑے ہوتے۔ وہ ابھی بھی اس کے بازوؤں کے سہارے سے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' مگر انہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں ابھی بھی چکر آرہے ہیں۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا پاپا؟" وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کی ایسی حالت نے آنا" فانا" اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔

انہوں نے سر ہلا کر اسے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین دلایا' مگر ان سے کچھ بولا نہ جا سکا۔ وہ بس صرف تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ اس نے زور سے آواز دے کر سائٹ انجینئر جو کسی اور طرف متوجہ تھا اس سے پانی لانے کو کہا اور خود انہیں اسی طرح پکڑے پکڑے قریب ہی عارضی طور پر قائم سائٹ انجینئر کے آفس میں لے آئی۔ اس نے انہیں وہاں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سائٹ انجینئر ان کے لیے

منرل واٹر کی بوتل لے آیا تھا۔ انہوں نے پانی کے چند گھونٹ لیے۔

"آپ کی کیسی طبیعت ہے سر؟ آپ اسپتال چلیں گے؟"

وہ ان کے سامنے کھڑی شدید تشویش اور پریشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔ ان کی طبیعت خراب ہوتی دیکھ کر اس کی اپنی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنے باپ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس یونہی چکر سا آگیا تھا۔ یہ بی پی بھی تو کنٹرول میں نہیں رہتا۔" وہ مسکرا کر اسے تسلی دینے لگے۔ ان کی حالت اب بہتر معلوم ہو رہی تھی مگر وہ ان کے لیے از حد فکر مند تھی۔

"سر! آپ اسپتال چلیں۔"

"میں ٹھیک ہوں مس منیبہ! گھر جا کر ریسٹ کروں گا تو طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔"

وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ پھر انہیں تھام لینا چاہتی تھی' اسے ڈر لگا تھا کہیں وہ پھر نہ گر پڑیں۔ وہ چلتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ اسپتال جانے' ڈاکٹر کو دکھانے پر آمادہ نہیں تھے تو وہ زبردستی انہیں مجبور نہیں کر سکتی تھی مگر وہ انہیں ایسی کنڈیشن میں گاڑی ڈرائیو بھی نہیں کرنے دینا چاہتی تھی۔

"سر! آپ کو گھر میں چھوڑوں گی۔ آپ کے لیے اس وقت ڈرائیو کرنا ٹھیک نہیں۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا اور ان کا جواب سنے بغیر اپنی گاڑی کی طرف آگئی۔ وہ ان کی گاڑی میں سائٹ پر آئی تو کل صبح آفس آنے میں مشکل ہوتی اس لیے وہ اپنی اور عذیر فاروق اپنی گاڑی میں الگ الگ یہاں آئے تھے۔ وہ ان کے لیے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر کھڑی تھی۔

اس کی توقع کے برخلاف وہ کوئی بھی انکاری اور اختلافی لفظ بولے بغیر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ شاید ٹھیک ہوں کہنے کے باوجود انہیں بھی یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ گاڑی ڈرائیو نہیں کر پائیں گے۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے مسلسل انہیں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھے انہوں نے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ مگر ان کی حالت اب بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے صرف انہیں ان کے گھر تک ڈراپ نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ اندر بھی آگئی تھی۔ اگرچہ کہ وہ ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے تھے مگر لاؤنج میں بیٹھی ہاجرہ انہیں دیکھتے ہی تشویش اور فکر مندی سے فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جیسے ان کا چہرہ دیکھ کر اور منیبہ کو ان کے ساتھ دیکھ کر کسی خطرے کو محسوس کر گئی ہوں۔

"کیا ہوا؟ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ فوراً" ان کے قریب آئیں۔ وہ انہیں مسکرا کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے فوراً" صوفے پر بیٹھ گئے تھے شاید زیادہ دیر ان سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

"سر کی طبیعت خراب ہو گئی تھی سائٹ پر۔" اس نے انہیں بتایا۔ وہ یکدم ہی یوں پریشان ہوئیں کہ اسے سمجھ میں نہ آیا وہ بیمار پڑے عذیر فاروق کو دیکھے یا ہاتھ پاؤں چھوڑتی ہاجرہ کو۔

"یونہی ذرا سا چکر آگیا تھا ہاجرہ! خدانخواستہ ہارٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ پریشان مت ہوں' میں ٹھیک ہوں۔"

"کوئی ٹھیک نہیں ہے طبیعت۔ اپنی صحت سے لاپروائی برتتے ہیں۔ خود کو کاموں میں اتنا زیادہ تھکا لیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر زمان کو فون کر رہی ہوں۔ اگر وہ آسکتے ہوں گے تو یہاں آجائیں گے ورنہ ہم لوگ چلتے ہیں ان کے پاس۔"

تشویش سے بولتے وہ فون کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اف ٹیلی فون انڈکس تو ہمارے کمرے میں ہے۔" فون کے پاس ٹیلی فون انڈکس موجود نہ دیکھ کر وہ غصے اور جھنجلاہٹ سے بولیں۔

"آنٹی آپ بیٹھیں۔ میں کسی ملازم سے کہہ کر منگوا دیتی ہوں۔"

وہ فوراً" ہی لاؤنج میں نکل آئی۔ اسے اپنے قریب کوئی ملازم نظر نہ آیا تو بجائے ملازم کی تلاش میں نظریں دوڑانے کے وہ passage سے جو سیڑھیاں فرسٹ فلور پر جا رہی تھیں' ان پر چڑھ کر اوپر آگئی۔ لان کے بالکل وسط سے 90 کا زاویہ بناتا کمرہ عباد کا اور عباد کے بالکل برابر والا کمرہ ان کا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ ان کے بیڈ روم میں موجود فون کے ساتھ ہی ٹیلی فون انڈکس موجود تھا۔ وہ اسے اٹھا کر فوراً" ہی واپس لاؤنج کی طرف آگئی۔

"اپنی صحت سے لاپروائی مت برتا کریں۔"

اس کے کانوں میں ہاجرہ کی روتی ہوئی آواز آئی۔ وہ رو

رہی تھیں۔ اس نے اندر قدم نہیں رکھا' اس نے ایڈریس میں سے خود ہی ڈاکٹر زمان سکندر کا نمبر تلاش کر کے انہیں فون کر دیا۔ ان سے بات کرنے پر اسے پتا چلا کہ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ بھی تھے' عذیر فاروق کے معالج بھی تھے' ان کے پڑوسی اور دیرینہ دوست بھی تھے۔ اس وقت وہ عموماً گھر پر مل جایا کرتے تھے۔

اسی لیے ہاجرہ نے انہیں فون کرنا چاہا تھا کہ اگر وہ گھر پر ہی ہوں گے تو انہیں دیکھنے یہاں آجائیں گے۔ ان کا مکان ان کی اسٹریٹ کا آخری مکان تھا۔ ڈاکٹر زمان کو فون کر کے چند منٹوں بعد وہ اندر آئی تب تک ہاجرہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

"میں نے فون کر دیا ہے ڈاکٹر زمان کو۔ وہ بس آنے والے ہیں۔"

وہ ان دونوں کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر زمان کچھ ہی دیر میں آگئے تھے۔ جتنی دیر انہوں نے عذیر فاروق کا تفصیلی معائنہ کیا وہ وہیں موجود رہی۔

ڈاکٹر زمان کے عذیر فاروق سے سوال و جواب کے دوران اسے یہ پتا چلا تھا کہ دل کے عارضے کے ساتھ وہ مستقل بے خوابی کے بھی مریض تھے۔ انہیں نیند آتی ہی نہیں تھی۔ اسے ان تمام کاموں کی تکمیل کی وجہ اب سمجھ میں آگئی جن کے لیے اسے لگ رہا تھا کہ انہوں نے رات بھر جاگ کر انہیں مکمل کیا ہوگا۔ ڈاکٹر زمان نے ان کے دل کی صحت کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا تو ہاجرہ پُرسکون ہوئیں۔ مستقل بے خوابی کے سبب' خود کو بے تحاشا تھکا لینے کے سبب آج ان کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔

ڈاکٹر زمان انہیں سمجھا رہے تھے کہ اگر انہیں دوا لینے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی وہ تب بھی بجائے رات رات بھر دفتری کاموں میں خود کو تھکا لینے کے لیٹ کر آرام کیا کریں۔ ڈاکٹر زمان نے انہیں ریسٹ کا مشورہ دیا۔ ان کی ادویات میں معمولی ردوبدل کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ ہاجرہ اب عذیر فاروق پر خفا ہو رہی تھیں۔

"جب طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں تھی تو سائٹ پر جانے کی ضرورت کیا تھی؟ آفس میں اتنا سارا اسٹاف' اتنے ڈھیر سارے انجینئرز کس مرض کی دوا ہیں؟ کسی سینئر ہی کا جانا ضروری تھا تو بلگرامی صاحب سمیت سینئرز کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی سائٹ پر چلا جاتا۔"

"میں یہ لیکچر تو بعد میں بھی سن سکتا ہوں' پہلے مہمان کی تو خبر خیر لیجیے۔ بے چاری مس ہنیہ کو آپ نے پانی تک کو نہیں پوچھا۔ کیا تاثر لیں گی وہ آپ کی میزبانی کا؟"

انہوں نے مسکرا کر بولتے ہوئے بیگم کی توجہ خود پر سے ہٹا کر ہنیہ پر مبذول کروائی۔ وہ چپ چاپ ان دونوں کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بات پر وہ فوراً ہی بولی۔

"نہیں پلیز' کسی تکلف۔۔۔"

"ارے دیکھیں ذرا میرا دماغ۔ میں ہنیہ کو بالکل بھول ہی گئی۔ لیکن صرف پانی کیوں؟ میں اسے کھانے پر روک رہی ہوں۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بولیں۔

"ماموں' ممانی کو فون کر کے بتا دو کہ یہاں ہو' بھی وہ بے چارے پریشان ہوں۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ آٹھ تو بج رہے ہیں' کھانے کا ٹائم تو ہو ہی گیا ہے۔"

وہ اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر صوفے پر سے اٹھ گئیں۔ اب لاؤنج میں صرف وہ اور عذیر فاروق تھے۔ ہاجرہ کے چلے جانے کے بعد اب وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی نظروں سے کچھ کنفیوز سی ہوئی۔ انہیں لڑکھڑا کر گرتا دیکھ کر بے دھیانی اور بے اختیاری میں وہ انہیں "پاپا" پکار بیٹھی تھی۔ انہوں نے پہلی بار گر کر اس کے چیخ کر پاپا پکارنے کو توجہ سے نہیں سنا تھا تو دوسری بار جب وہ ان سے بالکل نزدیک انہیں اپنے ہاتھوں سے تھام کر کھڑی تھی تب تو اس کا خود کو پاپا کہہ کر مخاطب کرنا انہوں نے ضرور سن لیا تھا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ کرنے کے بجائے وہ اپنے ایسا کہنے کے حوالے سے کوئی نہ کوئی وضاحت جو انہیں مطمئن بھی کر سکے دے دینا چاہتی تھی۔ جیسے غیر اختیاری طور پر اس کے لبوں سے ان کے لیے "پاپا" نکلا تھا ایسے ہی خود کو گرنے سے سنبھالتے ان کے لبوں سے "عالی" نکلا تھا۔ وہ ۔۔۔ جس کا وہ نام نہیں لیتے' وہ جس کا وہ ذکر نہیں کرتے' آج جب لڑکھڑا کر گرنے لگے تو اپنے اس بیٹے کو پکارا تھا۔

"عالی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہاری بات غلط نہیں۔ وہ واقعی تمہیں بے حد حساب چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ناراض ہیں مگر اتنے نہیں کہ تم سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔ تم ان کے دل میں سمائے ہوئے ہو' تم ان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہے ہو۔ وہ تمہارا کوئی ذکر نہیں کرتے' تمہاری کوئی بات نہیں کرتے مگر آج ان کا صرف ایک عالی کہنا ہی ایسا تھا کہ میں اب تک ان کی اس پکار کے حصار

میں ہوں۔ وہ بے اختیاری میں تمہیں کس طرح پکار رہے تھے عالی! ان کی تم سے ساری ناراضی بہت جلد دور ہو جائے گی عالی! آج مجھے اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ یقین ہو گیا ہے۔"

اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا' وہ اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"سر! آج سائٹ پر بے دھیانی میں' میں نے آپ کو پاپا کہہ دیا تھا۔ آپ کو میرا ایسا کہنا بے تکلفی لگی ہو' برا لگا ہو تو ایم سوری۔"

"ویسے تو ایک اتنی پیاری لڑکی آپ کو پاپا کہے تو دل تو لازمی دکھتا ہے۔ لیکن خیر میں نے آپ کے کہنے کا برا نہیں مانا۔" وہ اس کے سنجیدہ اور محتاط سے وضاحتی انداز کے جواب میں ہنس کر بولے۔ وہ بھی ان کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

"سر! آپ ابھی بھی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ میری عمر کی لڑکیاں ابھی بھی آپ کو admire کرتی ہیں۔"

"شکریہ' بہت شکریہ۔ ویسے آپ کا ایسا کہنا اگر بے تکلفی تھی بھی تو بھی مجھے ہرگز برا نہیں لگا۔" شوخ سے انداز میں شکریہ کہنے کے بعد انہوں نے اس سے سنجیدگی سے کہا۔

"پتا نہیں سر! آپ کو میرا ایسا کہنا کیسا لگے مگر آپ کو اور آنٹی کو دیکھ کر مجھے ہر بار میرے پیرنٹس یاد آتے ہیں۔ شاید لاشعوری طور پر میں آپ میں اپنے پاپا کو دیکھنے لگی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔

"اور ہمیں تم ہماری بیٹی کی طرح لگتی ہو۔ ہم بھی تم میں اپنی بیٹی کو دیکھتے ہیں۔" ہاجرہ اچانک لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہنیہ کی بات سن لی تھی اور عذیر فاروق کے کچھ بولنے سے قبل خود اس کی بات کا بہت پیار سے جواب دیا تھا۔

ہاجرہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔ عذیر فاروق جو گھر آنے کے بعد سے یہیں بیٹھے تھے اب اٹھ کر فریش ہونے اور لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"ہنیہ! تمہارا بہت شکریہ۔" اس نے عذیر فاروق کو گاڑی ڈرائیو نہیں کرنے دی' انہیں ان کے گھر خود پہنچانے آگئی' ہاجرہ اس بات پر خلوص اور محبت سے اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

"مجھے اپنی بیٹی بھی کہتی ہیں اور میرا شکریہ بھی ادا کر رہی ہیں؟" اس نے انہیں مزید اظہار تشکر سے روک دیا تھا۔ "اب سر کو تین چار دن مکمل ریسٹ کروائیں' انہیں آفس مت آنے دیجیے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں اب انہیں پورے ایک ہفتے آفس کا نام بھی نہیں لینے دوں گی۔" انہوں نے دو ٹوک انداز میں اپنا ارادہ اس پر ظاہر کیا۔

کھانا لگ چکا تھا۔ عذیر فاروق لباس تبدیل کر کے آگئے تو وہ لوگ ڈائننگ روم میں آگئے۔

"آؤ ہنیہ! بیٹھو۔" ہاجرہ نے اس کے لیے ایک کرسی کھینچی۔ ایک پلیٹ' کانٹا اور چمچ اس کے لیے رکھنے کے بعد انہوں نے عذیر فاروق کے سامنے ایک پلیٹ رکھی' وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہاجرہ ان کی دائیں طرف والی کرسی کے ساتھ کھڑی تھیں' انہیں اس کرسی پر بیٹھنا تھا مگر بجائے اپنے سامنے پلیٹ رکھنے کے انہوں نے عذیر فاروق کے لیے پلیٹ رکھنے کے بعد ان کے برابر والی بائیں طرف رکھی کرسی کے سامنے پلیٹ' چمچ اور کانٹا رکھا۔ ہنیہ سے باتیں کرتے کرتے بالکل بے دھیانی میں' جیسے لاشعوری طور پر ہمیشہ کا انجام دیا کوئی کام انہوں نے پھر کر دیا ہو۔ وہ انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔

وہ ہنیہ کے لیے پلیٹ رکھ چکی تھیں' عذیر فاروق کے لیے رکھ چکی تھیں' اپنے لیے رکھی جانے والی پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھی پھر میز پر یہ چوتھی جگہ' یہ چوتھی پلیٹ کس کی تھی؟ یہ عباد کی کرسی تھی' یہ اپنے گھر کی کھانے کی میز پر عباد کے بیٹھنے کی مخصوص جگہ تھی۔ اس نے اس کے گھر کی ویڈیو میں اسی کرسی پر عباد کو بیٹھے' اپنی مما کے ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پراٹھے کے ساتھ کسی سالن کے نوالے بنا بنا کر بڑے پیار سے اسے کھلا رہی تھیں۔ بے خیالی میں پلیٹ رکھتے وقت تو نہیں مگر رکھنے کے فوراً بعد ہی جیسے انہیں سامنے رکھی وہ اضافی پلیٹ نظر آگئی تھی۔

ان کے چہرے پر سے تمام رنگ ایک پل میں رخصت ہو گئے تھے' ان کے لبوں پر ہنیہ کے لیے جو ایک خوش اخلاق میزبان والی مسکراہٹ سجی تھی وہ ایک آن میں بجھ گئی اور آنکھوں میں ایک گہرا دکھ ہلکورے لینے لگا تھا۔ ہنیہ ابھی میز کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی' وہ ابھی اپنے لیے کھینچی گئی کرسی پر نہیں بیٹھی تھی' اس نے اپنے لیے کھینچی

گئی اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ لمحے بھر میں بدل کر اس چوتھی کرسی پر۔ عباد کی کرسی پر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

عذیر فاروق بظاہر خاموش مگر درحقیقت بیوی کے چہرے پر پھیلے درد اور غم کو پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنستی مسکراتی مسلسل بولتی ایسے جیسے میز پر ایک اضافی پلیٹ چمچ اور کانٹے کے رکھے جانے کو اس نے محسوس ہی نہیں کیا ہے اسے کچھ پتا ہی نہیں چلا ہے' وہ عذیر فاروق کی بائیں جانب والی کرسی پر' عباد کی کرسی پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کے گھر کے کھانے تو بہت زبردست ہوتے ہیں۔ سر بھی لنچ ساتھ کرنے کو کہتے ہیں تو میں تو تکلفاً" بھی انکار نہیں کرتی۔" وہ اس تکلیف دہ سکوت کو توڑتی مسکرا کر بولی۔

"ویسے تکلف میں تو میں نے ابھی بھی انکار نہیں کیا۔ آپ نے اخلاقاً" ایک بار رکنے کو کہا اور میں واقعی کھانے پر رک بھی گئی۔" وہ پیالہ اٹھا کر پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

"تکلف کرو گی تو مجھ سے ڈانٹ نہیں کھاؤ گی؟ جب بیٹی ہی ہو تو پھر تکلف کا ذکر کہاں سے آگیا۔"

ہاجرہ نے خود کو جلد ہی اس کیفیت سے باہر نکال لیا تھا۔ وہ اب ایک بار پھر مسکرا رہی تھیں۔ عذیر فاروق خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ ہاجرہ اور ہنیہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے اس نے ان کے ساتھ آنے والے کسی دن ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا لیا تھا۔

اس سے یہ سن کر کہ اسے اپنے لیے موسم کے کچھ کپڑے بنانے ہیں مگر اس کو کراچی کی مارکیٹوں اور قیمتوں کا اتنا اندازہ نہیں ہے اور ممانی بازار جانے سے گھبراتی ہیں۔ ہاجرہ نے فوراً" اپنی خدمات آفر کر دی تھیں اور وہ انکار کیوں کرتی' اس نے تو یہ ذکر قصداً" کیا ہی صرف اس لیے تھا۔ وہ ہر وقت ان دونوں کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ کسی بھی بہانے سے' کسی بھی وجہ سے۔

کھانے کے فوراً" بعد وہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔ ہاجرہ نے اسے مزید روکا بھی نہیں تھا۔ نو بجنے والے تھے اور اسے اکیلے ڈرائیو کر کے اپنے گھر جانا تھا۔ وہ اس کے لیے فکر مند بھی ہو رہی تھیں۔

"تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔ رات ہو رہی ہے' اکیلی جاؤ گی تو مجھے فکر رہے گی۔"

"ابھی تو نو بھی پورے نہیں بجے۔ آپ فکر مت کریں میں سوا نو تک اپنے گھر پر ہوں گی اور گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آپ کو کال کر کے اپنی خیریت بتا دوں گی۔" مسکراتے ہوئے انہیں اطمینان دلا رہی تھی۔

"اچھا سر اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھیے گا۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ان کے اور اس کے بیچ تکلف کی ابھی ایک دیوار قائم تھی۔ ہاجرہ سے وہ جس طرح بے تکلف سب کہہ سکتی تھی' ان سے کہتے ایک جھجک آڑے آتی تھی۔ باوجود پر اعتماد ہونے کے۔ وہ اسے رخصت کرنے گیٹ تک آنا چاہ رہے تھے مگر اس نے انہیں صوفے پر سے بھی اٹھنے سے روک دیا تھا۔ ہاجرہ البتہ اسے چھوڑنے گیٹ تک آئی تھیں۔

"سر کے ساتھ ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں بڑی محبت اور عقیدت سے چوما۔

وہ ان سے ملاقات ہونے پر اب اکثر اگر وہاں صرف وہ دونوں ہوتیں اور تیسرا کوئی وہاں موجود نہ ہوتا تو اسی طرح ان کے ہاتھوں کو محبت اور احترام سے چوم کر انہیں خدا حافظ کہا کرتی تھی۔ اس کے ایسا کرنے میں اتنی سچائی' اتنی بے ساختگی اور اتنی محبت ہوتی تھی کہ ہاجرہ مبہوت سی کئی لمحے اسے دیکھتی ہی رہتی تھیں۔ اور وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کے دل میں جو محبت ان کے اور عذیر فاروق کے لیے ہے اور اس محبت کا جیسا وہ والہانہ اظہار کرنا چاہتی ہے ابھی تک کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی ایک حدِ فاصل' ایک لکیر ہے اس کے اور ان دونوں کے بیچ۔ وہ ہر فاصلے کو عبور کرتی اور ہر لکیر کو مٹا کر ان دونوں کے اتنا نزدیک ہو جانا چاہتی تھی کہ جیسی محبت وہ ان دونوں سے کرتی ہے' اس کا پوری طرح اظہار کر سکے بغیر کسی ڈر' خوف یا الجھن کے۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز اس نے ہاجرہ کو فون کر کے عذیر فاروق کی خیریت پوچھی تھی۔

"سر کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ بس اس وقت کچھ موڈ آف کر رکھا ہے' میں نے ان کے آفس جانے کے ساتھ ساتھ موبائل کے استعمال پر بھی جو دو' چار روز کی پابندی عائد کر دی ہے۔ میں ان کی کالز خود ریسیو کر رہی ہوں' جو واقعی ضروری ہوتی ہے

وہاں بات کرا دیتی ہوں ورنہ نہیں۔ فی الحال ٹی وی پر کوئی کرکٹ میچ دیکھ رہے ہیں' میں سیب کاٹ کر دے رہی ہوں' وہ کھا رہے ہیں۔ بات کراؤں تمہاری ان سے؟" اسے ہنس کر جواب دیتے انہوں نے پوچھا۔

"نہیں بس آپ سے خیریت پتا چل گئی کافی ہے۔ کل سنڈے ہے نا' میں کل آپ کے گھر آؤں گی۔"

"بالکل آؤ۔ موسٹ ویلکم۔ تم آؤ گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔"

☼ ☼ ☼

اور وہ اگلے روز صبح گیارہ بجے ان کے گھر پہنچ بھی گئی تھی۔ چوکیدار نے اس کے لیے گیٹ وا کر دیا۔ پورچ میں گاڑی روکنے کے بعد وہ گھر کے رہائشی حصے کی طرف بڑھی تو اسے اپنے گرد ہر طرف خاموشی ہی خاموشی پھیلی محسوس ہوئی۔ وہ پرسوں جب یہاں آئی تھی تب بھی اور آج بھی' اسے اس گھر میں ہر طرف خاموشی اور سناٹا پھیلا نظر آیا۔

بے جان چیزیں بھلا کسی کی کمی محسوس کیا کرتی ہیں مگر اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گھر اپنے ایک مکین کی بغیر بہت اداس' بہت سوگوار تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر بانہیں پھیلائے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ اس گھر کے کونے کونے اور چپے چپے پر عباد کی خوشبو بسی تھی۔ اس گھر میں کئی ملازمین تھے مگر پھر بھی یہاں خاموشی اور سناٹا ہی پھیلا لگ رہا تھا۔ پرسوں بھی اور آج بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر اور اس کے مکین اس سناٹے کو توڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ایک ملازمہ اسے لاؤنج میں بٹھا کر اندر ہاجرہ کو اس کی آمد کی خبر دینے چلی گئی تھی۔ ہاجرہ اس کی توقع کے عین مطابق اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"کل تم نے آنے کا کہا تھا۔ میں نے تب ہی سے تمہارا انتظار شروع کر دیا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی سنڈے ہے تم صبح دیر سے اٹھتی ہو گی' پھر اپنے سب کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے کہیں شام ہوتے آؤ گی۔ مگر صبح صبح آکر تو تم نے مجھے حیران بھی کر دیا ہے اور خوش بھی۔"

وہ خوشگوار سے انداز میں مسکرا دی تھی۔ "سر کہاں ہیں؟"

"کمرے میں ہیں۔ صبح نماز کے بعد میرے کہنے سے دوبارہ لیٹ گئے تھے۔ آنکھ لگ گئی ہے ان کی۔ میں چاہ بھی یہی رہی تھی کہ کچھ دیر سو جائیں۔" انہوں نے اس کے استفسار کا جواب دیا۔

"کیا لو گی؟ بلکہ پہلے یہ بتاؤ کہ ناشتہ کر کے آئی ہو یا نہیں؟"

اس نے بغیر تکلف کے سچ بتا دیا تھا۔

"کیا کھاؤ گی؟ کیا بنواؤں؟"

"پراٹھا۔ لیکن آپ کے ہاتھ کا۔" ان کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے بہت ساری روشنی اور جگمگاہٹ پیدا ہو گئی۔ وہ کسی اور کے لیے بھی اسی طرح اس کی فرمائش کے تحت اپنے ہاتھوں سے پراٹھے بنایا کرتی تھیں۔

وہ اسے اپنے ساتھ کچن میں لے آئی تھیں۔ انہیں کچن میں آتا دیکھ کر ان کا کک فوراً" مؤدب ہو کر ان کی طرف آیا تھا مگر انہوں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس وقت خود کچھ بنانا چاہتی ہیں۔ وہ کوکنگ رینج کے سامنے ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔

"عابی کو بھی میرے ہاتھ کے پراٹھے...." پراٹھے کا پیڑا بناتے بے دھیانی میں بولتے وہ یکلخت خاموش ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو اس نے دیکھ لیا تھا مگر قصداً" اس بات پر توجہ نہ دیتے وہ ان سے باتیں کرتی رہی۔

"ماموں' ممانی ایک شادی اٹینڈ کرنے ٹھٹھہ گئے ہیں۔ کل گئے تھے شاید آج شام تک ان کی واپسی ہو گی۔ میں نے سوچا چھٹی کا دن گھر پر اکیلے بور ہو کر گزارنے سے بہتر ہے' صبح صبح آپ لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں۔"

وہ ان سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی اور ساتھ ان کے چہرے کو بھی بغور دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ ان کے چہرے پر بکھری اس سوگواری اور رنج کی جگہ وہاں مسکراہٹ دیکھنا چاہتی تھی۔

"خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔" انہوں نے پراٹھے کو گھی ڈال کر تلنا شروع کیا تو وہ پراٹھا پکنے کی خوشبو کو انجوائے کرتے ہوئے بولی۔

"اس کا مطلب ہے میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ میں سوچتی تھی جو خاتون اپنے کک سے اتنے اچھے کھانے بنواتی ہیں' وہ خود کتنا اچھا پکاتی ہوں گی۔" وہ اس کی تعریفوں پر ہنس رہی تھیں۔ وہ جس طرح ان کے پاس کھڑی اس پراٹھے کو بڑی خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے ساتھ پکتا دیکھ رہی تھی اس سے انہیں مسلسل کسی کا دھیان آ رہا تھا۔ انہیں ہنیہ کا اس طرح اپنے پاس کھڑے ہونا اور فرمائش کر کے کچھ بنوانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایک دم ہی ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ زندہ ہے۔ اپنے اندر لمحہ بھر کے لیے ہی سہی زندگی کا احساس

ہونے لگا تھا۔

"صرف ایک پراٹھا؟ میں اکیلے نہیں کھاؤں گی' آپ اپنے لیے بھی پکائیں۔ میں آپ کے ساتھ کھاؤں گی۔" انہوں نے پراٹھا پلیٹ میں نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً بولی۔

"میں میز پر برتن لگاتی ہوں' آپ دوسرا پراٹھا ڈالیں۔" ان کے کک نے چائے تیار کر رکھی تھی' وہ چائے کے برتن کچن میں موجود میز پر لگانے لگی۔

"آپ کے گھر ایپل یا اسٹرابیری جیم تو ہوگا نا۔ اصل میں مجھے پراٹھا جیم کے ساتھ کھانے میں مزا آتا ہے۔" وہ اس کے بے تکلفانہ استفسار پر ہنس پڑے تھے۔ اپنے لیے پراٹھا تلتے تلتے انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"لوگوں کو اچار' دہی' بالائی کے ساتھ تو پراٹھا کھاتے دیکھا ہے' یہ جیم کے ساتھ کھانے کا ذکر پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"بہت مزے کا لگتا ہے' آپ ٹرائی کر کے دیکھیے گا۔" وہ اس کے بچکانہ انداز پر ہنس رہے تھے۔ ہنستے ہوئے ہی انہوں نے اسے جیم اور مارملیڈ وغیرہ کہاں رکھے تھے' بتا دیا تھا۔

خوشبوئیں اور باتوں کی آوازیں چونکہ کچن سے آرہی تھیں اس لیے عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو سیدھے کچن ہی کی طرف آگئے۔ کچن کے باہر ہی سے انہیں ہاجرہ کے ہنسنے کی آواز آئی۔

صبح اٹھتے ہی ان کی ہنسی' ان کی خوشی کا تاثر دیتی آواز انہیں خود بھی بے طرح خوشی دے گئی۔ وہ یاد کرنے لگے ہاجرہ کی خوشی بھری کھلکھلاتی آواز انہوں نے آخری بار کب سنی تھی' آخری بار انہیں یوں ہنستے ہوئے کب دیکھا تھا' انہیں اس طرح کچن میں خوشی خوشی کام کرتے کب دیکھا تھا۔ وہ کچن کے دروازے پر آکر رک گئے تھے۔ ہاجرہ کی توجہ کوکنگ رینج کی طرف تھی' وہ مسکراتے اور مسلسل بولتے ہوئے کچھ پکا رہی تھیں۔

ہنیہ ہاتھ میں جیم کے دو تین جار اٹھائے کچن ٹیبل کی طرف جا رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں' ہنس رہی تھیں۔ وہ بھول گئے تھے اپنے کچن کی اس رونق اور چہل پہل کو' اپنی بیوی کے ہاتھوں کے پکے کھانوں کی خوشبوؤں کو۔ لگتا تھا وہ کوئی اور زندگی تھی جب اس کچن سے وہ خوشبوئیں آیا کرتی تھیں۔ صبح آفس جاتے وقت اور شام وہاں سے واپسی پر یہ کچن اپنی مالکن کے ہاتھ کے پکائے کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہوتا تھا۔

وہ کبھی ہاجرہ کو بہت گم صم اور بہت خاموش دیکھ کر ان سے اپنے لیے کچھ پکانے کی فرمائش کرتے تو وہ ان کے کہنے پر کچن میں آجاتیں' جو انہوں نے فرمائش کی ہوتی اس ڈش کی تیاری پورے اہتمام سے شروع بھی کر دیتیں مگر پھر اچانک ہی نجانے انہیں کیا ہوتا' ایسے جیسے اچانک ہی ان کا ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا ہو' وہ سارا سامان یونہی کچن میں بکھرا چھوڑ کر کچن سے نکل آتیں' اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔ آج کتنے طویل عرصے بعد انہوں نے ہاجرہ کو کچن میں یوں مسکراہٹیں بکھیرتے اور کچھ پکاتے دیکھا تھا۔

اپنی بیوی کے لبوں پر ہنسی دیکھ کر' اسے خوش دیکھ کر' اپنے کچن کی رونقوں کو لوٹتا دیکھ کر انہیں پل دو پل کے لیے یہ احساس ہونے لگا کہ ان کی زندگی بالکل نارمل ہے۔ وہ اور ہاجرہ خوشیوں بھری نارمل لائف گزار رہے ہیں۔ وہ اپنے کچن میں زندگی کو دیکھ رہے تھے اور وہ اپنے کچن میں اس زندگی لانے والی کو بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنیہ کو دیکھ رہے تھے۔ کرسی پر بیٹھی وہ ایک بڑے سے چمچ سے بھر بھر کر میز پر رکھی ایک پلیٹ میں ایپل جیم اور اسٹرابیری جیم نکال رہی تھی۔ اپنی انگلی پر لگ جانے والا جیم اس نے بچوں کی طرح زبان سے چاٹ لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک competent سول انجینئر نہیں' ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی' جو پراٹھے کو جیم کے ساتھ کھانے کے لیے از حد ایکسائیٹڈ تھی۔ جیم کو انگلی سے چاٹتے چاٹتے اس کی ان پر نگاہ پڑی تھی۔ شرمندہ ہوتے اس نے اپنا ہاتھ جلدی سے نیچے کر لیا تھا۔

"السلام علیکم سر!" وہ انہیں دیکھ کر کرسی پر سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ کچن کے اندر آگئے۔ ہاجرہ نے انہیں مسکرا کر کچن میں خوش آمدید کہا تھا۔ انہوں نے ان کی مسکراہٹ کو محبت سے دیکھتے اس کا جواب مسکرا کر ہی دیا تھا۔

"میں اور ہنیہ تو پراٹھے کھا رہے ہیں۔ آپ کیا کھائیں گے؟"

"میں نے کیا قصور کیا ہے؟ جب سب پراٹھا کھا رہے ہیں تو میں بھی یہی کھاؤں گا۔"

وہ کھانے پینے میں خود اتنی زیادہ احتیاط کر لیا کرتے تھے کہ اس تھوڑی بہت بدپرہیزی سے ہاجرہ نے انہیں روکا نہیں۔ انہوں نے ہلکے کورن آئل میں تل کے ایک لائٹ سا پراٹھا ان کے لیے بنا دیا تھا۔ وہ میز پر ہنیہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے تو وہ بھی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ ان کی آمد سے قبل بہت چہک رہی تھی مگر ان کے آجانے کے بعد اس کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ وہ انہیں اچانک سامنے دیکھ کر کچھ نروس سی بھی نظر آرہی تھی۔ وہ ان کے گھر کے اس کچن میں اپنی اتنی بے تکلفانہ موجودگی کے دوران شاید ان کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھی اب انہیں ایک دم سامنے پایا تو کچھ ہچکچاہٹ اور جھجک کا شکار نظر آنے لگی۔

انہوں نے اس کی گھبراہٹ اور نروس نیس دور کرنے کے لیے کسی بھی طرح یہ تاثر نہ دیا کہ انہوں نے اس کی اپنے گھر اس بے تکلفانہ آمد کو ناپسند نہیں کیا ہے۔ وہ سنجیدہ چہرے اور مکمل خاموشی کے ساتھ ناشتہ کرتے رہے۔ اس نے پلیٹ میں جتنا سارا جیم بھر بھر کے ڈال رکھا تھا' اب ان کے سامنے اپنی اس پلیٹ کو صاف کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

ہاجرہ ویسی ہی خوش اور مگن تھیں۔ وہ ہنیہ سے پوچھ رہی تھیں کہ کیا اس کے لیے ایک پراٹھا اور پکائیں' ابھی تو اس کی پلیٹ میں جیم بچا ہوا ہے۔ اس نے انہیں انکار کر کے چمچ سے جیم کھا کے اپنی پلیٹ بمشکل صاف کی تھی۔ وہ اپنی مسلسل سنجیدگی اور خاموشی سے اس کے لیے اس سچویشن کو اکورڈ بنا رہے ہیں' انہیں معلوم تھا مگر وہ پھر بھی کچھ بول نہیں رہے تھے۔ وہ ناشتے کے فوراً بعد وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ہاجرہ سے اپنے لیے ایک کپ اور چائے کی فرمائش کرتے ہوئے وہ اپنی اسٹڈی میں آگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہاجرہ نے خوب اچھی طرح دم دے کر ان کے لیے تازہ چائے تیار کی تھی۔ وہ چائے کپ میں نکال چکیں تو وہ ان سے بولی۔

"سر کے لیے چائے میں لے جاؤں؟"

"لے جاؤ۔ اسٹڈی میں ہیں وہ۔ لیکن تمہیں اسٹڈی تو پتا نہیں ہوگی کہاں ہے؟"

"میں پوچھ لوں گی باہر کسی ملازم سے۔" وہ انہیں جواب دے کر کچن سے نکل آئی۔

اسے کسی ملازم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسٹڈی تو نیچے ہی تھی' اسے ڈھونڈنا تو ان کے کمرے کو ڈھونڈ لینے سے زیادہ آسان تھا۔ دستک دے کر وہ چائے کا کپ ایک چھوٹی سی ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی۔ وہ غالباً کسی ملازم کی آمد کی توقع کر رہے تھے اس لیے اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرت سی ابھری۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر ایک ڈرائنگ اپنے سامنے رکھے بیٹھے تھے۔ آفس جانے پر پابندی لگی تھی تو انہوں نے آفس کا ضروری کام گھر پر منگوا لیا تھا۔ گویا چند دن بھی وہ مکمل ریسٹ کے موڈ میں نہیں تھے۔

"سر! یہ چائے۔" وہ ان کے قریب آکر رک گئی۔ وہ ابھی یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی' وہ ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مصروف تھے اور وہ ان کے روکے بغیر یہاں رک نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے کپ اٹھاتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

"بیٹھیے۔" چاہے انہوں نے رسماً اور اخلاقاً ہی اسے بیٹھنے کی دعوت دی ہو مگر وہ فوراً ہی ان کی کرسی کے سامنے رکھی ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے میز پر پھیلی ڈرائنگ سے توجہ ہٹالی تھی اب وہ براہ راست اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟" انہوں نے چائے کا سپ لیتے سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کی سنجیدگی سے خائف سی ہو رہی تھی۔

"میں آپ کے گھر اس طرح زیادہ آنے جانے لگی ہوں' آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی نا؟"

"یہ اندازہ آپ نے میری کس بات سے لگایا؟" انہوں نے کپ واپس ساسر پر رکھا' وہ ہنوز بے حد سنجیدہ تھے۔

"بس ایسے ہی سر! مجھے لگا کہ شاید آپ کو اپنے گھر میرا زیادہ آنا' اس طرح بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگا ہے۔ آپ شاید یہ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں۔ اپنے باس کے گھر زیادہ آنا جانا' دوستی بڑھانا' کہیں مجھے اپنی جاب میں کچھ فائدے' کچھ فیورز تو حاصل نہیں کرنے۔ سر! آپ ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں۔ کوئی بھی ہوگا اپنے ایمپلائی کو ایسا کرتے دیکھ کر یہی سوچے گا۔ لیکن سر! سچ بات وہی ہے جو میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔

مجھے آپ اور آنٹی بہت اچھے لگتے ہیں' مجھے آپ دونوں میں اپنے پیرینٹس کا عکس نظر آتا ہے' مجھے آپ لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا' آپ لوگوں سے ملنا بہت اچھا لگتا ہے..... میں آپ لوگوں سے ملنا نہیں چھوڑنا چاہتی' لیکن سر! آپ اس بات کو جس حوالے سے ناپسند کر رہے ہیں وہ بھی بالکل درست ہے۔ آپ کی فرم میں جاب کرتے میرا آپ سے فیملی ٹرمز رکھنے کی خواہش رکھنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اسی لیے سر! میں نے یہ سوچا ہے کہ میں آپ کے ہاں جاب چھوڑ دوں گی۔ میں کہیں اور جاب کرلوں گی پھر تو میرا آپ کے گھر آنا آپ کو ٹھیک لگے گا نا ؟" وہ دھیمی آواز مگر پر اعتماد انداز میں ان کی طرف دیکھ کر بات کر رہی تھی۔

"کہاں جاب کریں گی؟" انہوں نے اس کی بات کے اختتام پر سنجیدگی سے پوچھا۔ یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے ہاں سے جاب چھوڑ دے۔ اس نے تو یونہی کہا تھا اور وہ سنجیدہ تھے۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا۔

"کسی بھی فرم میں سر!" اس نے بجھے دل کے ساتھ جواب دیا۔ اس کے لہجے میں مایوسی شامل تھی۔

"اور آپ اتنی ٹیلنٹڈ تو ہیں ہی کہ کوئی بھی فرم آپ کو فوراً" اور بخوشی hire کرلے گی۔"

وہ سنجیدہ تھے' طنز کر رہے تھے یا اس کا مذاق اڑا رہے تھے' وہ سمجھ نہ پائی۔ "اور آپ کے خیال سے میں اتنا بڑا احمق ہوں کہ ایسا ٹیلنٹ اپنے کسی competitor کے پاس چلا جانے دوں گا؟" وہ اگر اس کا مذاق اڑا رہے تھے تو یہ مذاق اڑائے جانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ وہ مزید دل گرفتہ ہونے لگی۔

"جس لڑکی کے آجانے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے' مجھے اس کا اپنے گھر آنا کیوں برا لگے گا؟"

اس نے سر اٹھا کر حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ کھل کر مسکرا رہے تھے۔ اسے اتنی دیر تک اپنی خوفناک سنجیدگی سے ڈرانے کے بعد وہ اب مسکرا رہے تھے۔ گویا اتنی دیر سے وہ اسے جان بوجھ کر ستا رہے تھے' تنگ کر رہے تھے۔

"آپ کو میرا آنا برا نہیں لگتا؟" انہوں نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"برا نہیں' بہت اچھا لگتا ہے۔ ہاں بس میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے ہم بڈھے بڈھیا کے ساتھ وقت گزارنے میں آپ کو کیا مزا آتا ہوگا؟"

"آپ بڈھے نہیں ہیں۔ اور 52 سال کی عمر میں کوئی بڈھا ہوتا بھی نہیں ہے۔" اس نے ناراضی سے فوراً" ان کی تصحیح کی' ایسے جیسے ان کا خود کو بڈھا کہنا اسے بالکل اچھا نہ لگا ہو۔

"میری عمر اتنی ٹھیک ٹھیک کہاں سے پتا چلی؟" وہ محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھتے مسکرائے۔

"آپ کے پاسپورٹ سے۔ آپ کی ٹیبل پر رکھا تھا ایک دن میں نے آپ کی برتھ ڈے معلوم کرنے کے لیے اسے دیکھا تھا۔" اس نے با آسانی اعتراف جرم کرلیا تھا۔

"گویا جاسوسی کی صفات بھی ہیں۔" وہ اب قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔ "تمہارے آنے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے ہنیہ! تم یہاں آیا کرو۔ تمہارا جب جی چاہے' جب موڈ ہو آجایا کرو۔"

انہوں نے اسے پہلی بار "تم" کہہ کر مخاطب کیا' اسے مس ہنیہ کی جگہ صرف ہنیہ کہا' وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی' ان کا اس طرح بات کرنا' اس انداز سے مخاطب ہونا اسے بے پناہ اچھا لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہارا آنا برا لگے گا یا میں مائنڈ کروں گا یہ سوچنا بھی مت۔ میں اپنی پروفیشنل لائف اور پرسنل لائف الگ الگ رکھنا پسند کرتا ہوں۔ آفس میں تم میرے لیے دوسرے تمام انجینئرز کی طرح میری فرم میں جاب کرنے والی ایک جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ہی رہو گی' وہاں نہ میں تمہیں کوئی فیور دوں گا' نہ دوسروں سے کچھ زیادہ اہمیت۔ تم میرے گھر آؤ گی تو میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم میری فرم میں جاب کر رہی ہو' یہاں تک کہ گھر پر اگر تم کسی آفیشل معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہو گی تو میں بات نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے اب یہ معاملہ حل ہو گیا ہے۔

ہنیہ سجاد میری اور ہاجرہ کی دوست کی حیثیت میں ہمارے گھر بھی آیا کریں گی اور ہنیہ سجاد میری فرم میں بطور انجینئر جاب بھی کریں گی۔ اب ہنیہ سجاد سے دوستانہ اور گھریلو مراسم میں اس قیمت پر تو ہرگز استوار نہیں کروں گا کہ ان جیسا بے مثال ٹیلنٹ اپنے کسی competitor کے حوالے کردوں۔" وہ آنکھوں میں ایک شرارت بھرا تبسم لیے اسے چھیڑ رہے تھے۔

"سر! this is not fair! آپ میرے اس اتوار کے دن کی بات کو اب معاف کر بھی دیں۔" اس نے احتجاجی انداز میں کہا۔ وہ انہیں سر ہی کہہ کر مخاطب کرپائی۔ اتنے دنوں میں سر کہنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ ایک دم سے کچھ اور بولنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"ویسے یہ آج پتا چلا ہے کہ جیم بریڈ پہ لگا کے نہیں بلکہ پلیٹ میں بھر کے چمچے سے کھایا جاتا ہے۔" وہ اس بار ان کے شرارت بھرے انداز پر خود بھی ہنس پڑی تھی۔

"آپ بھی کھا کے دیکھیں' زیادہ مزے کا لگتا ہے۔"

اتنے بھرپور ناشتے کے بعد لنچ کی کوئی گنجائش نہیں تھی' مگر وہ لنچ ٹائم تک وہاں رکی ضرور تھی۔ وہ آج بے انتہا خوش تھی۔ اس کا وہاں سے واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس سے واپسی میں ان کے گھر آگئی تھی۔ عذیر فاروق ابھی گھر نہیں آئے تھے۔ وہ آفس سے تین ساڑھے تین بجے اٹھ گئے تھے۔ انہیں کسی میٹنگ میں جانا تھا۔ وہاں سے ان کی ابھی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ جبرا" کروائے گئے ریسٹ کے بعد وہ دوبارہ آفس جانے لگے تھے۔ وہ اس اتوار کے دن کے بعد آج ان کے گھر آئی تھی۔

دل تو اس کا روز آنے کو چاہتا تھا مگر پچھلے چند دنوں آفس سے واپسی میں دیر اتنی ہو رہی تھی کہ پھر ان کے گھر جانے کے لیے وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ ہاجرہ سے اس کی روز' دن میں ایک بار نہیں بلکہ دو' تین بار بات ہو رہی تھی۔ آج بھی اس نے انہیں اپنے آنے کا بتا رکھا تھا اور وہ والہانہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے گلے لگا لیا تھا۔

"اتنا تر ساترسا کر' اتنا کم آتی ہو۔"

"کیوں ابھی اس سنڈے ہی کو تو میں آئی تھی اور اب کل پھر سنڈے ہے' کل پھر آؤں گی۔"

"میرا دل نہیں بھرتا۔ میرا دل چاہتا ہے تم روز آیا کرو۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے بالوں کو اپنے ہاتھوں سے یوں سنوارا جیسے دن بھر کی تھکی ہاری شام ڈھلے گھر لوٹنے والی بیٹی کی تھکن ایک ماں اپنے قرب اور اپنے لمس سے مٹا دینا چاہتی ہے۔

"تھک گئی ہو نا ؟ آفس سے سیدھی آرہی ہو۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کے آؤ' میں نے تمہارے لیے کچھ خاص چیز بنائی ہے' وہ لاتی ہوں۔"

وہ اسے اپنے ساتھ سامنے ایک کمرے میں لے آئیں اور اسے وہاں موجود واش روم میں فریش ہونے کے لیے بھیج دیا۔

"سائٹس پر جا جا کر تم نے اپنی اسکن کتنی خراب کرلی ہے' مجھے تو رنگ بھی آج کچھ دبا دبا محسوس ہو رہا ہے۔ سن بلاک نہیں لگاتیں ؟ ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکیوں کو ان مردانہ فیلڈز میں گھسنے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنی ساری خوب صورتی تباہ کرلو۔"

وہ لاؤنج میں اسے اپنے ساتھ لیے بیٹھی تھیں۔ سامنے میز پر وہ ڈھیر سارے لوازمات سجے تھے جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے بنائے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں سے انہوں نے اس کے لیے پلیٹ بھری تھی۔ وہ منع کرتی جا رہی تھی اور وہ پلیٹ میں مزید کچھ نہ کچھ ڈالتی جا رہی تھیں۔ اسے کھلانے کی بھی فکر تھی' اس کی اسکن اور کومپلیکشن کی بھی فکر تھی۔ اسے وہ بالکل اپنی ماں لگ رہی تھیں۔

"آج کل کے لڑکوں کی ڈیمانڈز' اللہ معاف کرے۔ کسی ایک چیز سے مطمئن نہیں ہوتے۔ لڑکی بہت خوب صورت بھی ہو' بہت پڑھی لکھی بھی ہو' بہت اچھی فیملی سے بھی ہو۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ اللہ تمہارا نصیب بہت اچھا کرے۔" انہیں اس کے رشتے اور شادی کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ اتنا تو اب تک اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ وہ پیچھے امریکہ میں اپنا کوئی بوائے فرینڈ چھوڑ کر نہیں آئی' وہ اس ٹائپ کی لڑکی ہی نہیں ہے' تو اب اس کا رشتہ یہیں پاکستان ہی میں طے ہونا چاہیے تھا۔ کسی بہت اچھے لڑکے کے ساتھ۔ وہ ابھی اس کے رشتے اور شادی کے متعلق مزید بھی کچھ کہتیں کہ اس نے فوراً" ہی ان کے ہاتھوں کے بنے دہی بڑوں کی تعریفیں کر کے موضوع تبدیل کر دیا۔

"عذیر بھی آج صبح مجھ سے تمہارا پوچھ رہے تھے۔" ہاجرہ سے بولیں۔ وہ دہی بڑوں میں بہت سارا مسالا ڈال کر کھا رہی تھی تو آنکھوں اور ناک سے پانی بہنا تو لازمی تھا۔ ٹشو سے آنکھیں اور ناک رگڑتے اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"سر میرا پوچھ رہے تھے؟"

"مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کل سنڈے ہے' کیا کل ہنیہ آئے گی؟" ہاجرہ جواباً" مسکرا کر بولیں۔ "میری طرح انہیں بھی تمہارا انتظار رہنے لگا ہے تب ہی تو یہ بات پوچھ

رہے تھے۔ ویسے خود کو لاپروا اور لاتعلق ظاہر کرتے ہیں مگر مزے کی بات بتاؤں کل آفس سے واپسی میں وہ کیا کیا چیزیں خرید کر لائے ہیں۔ کئی طرح کے جیم 'چپس کے یہ بڑے بڑے پیکٹس 'یہ کرکل والے ہیں' یہ سادے ہیں 'یہ چز والے ہیں' مختلف طرح کے امپورٹڈ کوکیز 'کئی فلیورز کی آئس کریم اور بھی پتا نہیں کیا کیا۔ اب یہ چیزیں تو نہ میری کھانے کی عمر ہے نہ ان کی۔ لازمی بات ہے یہ سب تمہارے لیے ہی لا کر رکھا گیا ہے۔ مجھ سے بولے کچھ نہیں 'کس کے لیے لایا ہوں' کیوں لایا ہوں' بس لاپروائی سے وہ سب تھیلے فرید کو پکڑا دیے تھے کہ جا کر کچن میں رکھ دو۔"

وہ سنڈے کے دن کا انتظار کر رہے تھے 'وہ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ پچھلے سنڈے کو ان کے گھر آئی تھی اسی طرح کل بھی آئے اور اس کے آنے سے پہلے ہی انہوں نے اس کے لیے اتنی ساری چیزیں گھر میں لا کر رکھ دی تھیں۔ وہ خوش بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی۔

البتہ آفس میں وہ اس کے ساتھ بالکل پہلے جیسے ہی تھے۔

ساڑھے سات بجے وہ گھر آئے تھے اور اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر ان کے سنجیدہ چہرے پر یک دم ہی مسکراہٹ ابھری تھی۔ ان کے ہاتھ میں اپنا بریف کیس اور کوٹ تھا جبکہ ان کے پیچھے آتا ان کا ملازم فرید ایک بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے ہوئے تھا۔

"آج کیا لے آئے؟" ہاجرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں 'بس ایسے ہی۔" لاپروائی سے ادھورا جواب دیتے انہوں نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"آفس میں دل نہیں لگتا؟" انہوں نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"میں چھٹی کے ٹائم پر آفس سے اٹھی تھی۔ پوچھ لیں آنٹی سے 'میں یہاں کب آئی تھی۔"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے میز پر بکھرے ڈھیر سارے لوازمات کو دیکھا۔ دس بندوں کا کھانا ایک اکیلی نازک سی لڑکی کو کھلایا جا رہا تھا۔

"لڑکی! مجھے تمہارا مستقبل کچھ خوفناک سا نظر آ رہا ہے۔ دبلی پتلی نازک سی ہنیہ 'جہاد کی جگہ یہ موٹی 'خوب صحت مند ہنیہ جہاد تصور میں آ رہی ہیں۔"

"ایک تو وہ ویسے ہی ڈائیٹ کونشس ہے 'مزید ان باتوں تو اس سے نہ کریں۔ پہلے ہی دیکھیں ذرا سا منہ 'ہاجرہ کر اس نے اپنا کیا حشر کر لیا ہے۔ تھوڑی اپنی کیئر کرے۔ کچھ کھانا پینا ٹھیک کرے تب ہی تو اسکن healthy ہو گی' چہرہ glow کرے گا۔"

"جی جی 'یہ مرغن اشیاء کھا کر ان شاء اللہ اسکن اور چہرہ دونوں بہت اچھے ہو جائیں گے۔"

انہوں نے سنجیدگی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے قریب سے گزرتے فرید کے ہاتھ میں موجود تھیلے پر نظر ڈالی۔ اسے اس میں سے کچھ کھانے پینے ہی کی اشیاء جھانکتی نظر آئیں۔ یقیناً "اس کے لیے کچھ اور چیزیں گھر میں ذخیرہ کرنے کے لیے لائی گئی تھیں۔ وہ لباس تبدیل کرنے اٹھ گئے تھے۔

ہاجرہ اب اس کے لیے انار چھیل رہی تھیں۔ انار کے دانے نکال کر پلیٹ میں ڈالتے وہ اسے پھلوں کی افادیت سمجھا رہی تھیں۔ اس کے موبائل پر کوئی کال آ رہی تھی۔ اس نے اپنے بیگ میں سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اس وقت یہ کال کس طرح ریسیو کر سکتی تھی۔ ہاجرہ اس کے بالکل برابر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھا پھر اپنے شور مچاتے سیل فون کی طرف۔ ہاجرہ نے چونک کر اسے دیکھا کہ آخر وہ اپنے لیے آنے والی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی۔ مگر ہاجرہ کو اپنی جانب متوجہ پا کر اس نے ناچار کال ریسیو کی۔ دوسری جانب اس سے کیا کہا جا رہا تھا اسے سننے کی کوشش کرنے کے بجائے اس نے کال ریسیو کرتے ہی پہلے آہستہ آواز میں ہیلو 'ہیلو کہنا شروع کیا' پھر قدرے بلند آواز میں۔ ایسے جیسے اسے دوسری جانب سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔ اس کے اس طرح مسلسل ہیلو ہیلو کہنے سے دوسری جانب فوراً "ہی یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اس وقت وہ کسی ایسی جگہ اور ایسی سچوئیشن میں ہے جہاں وہ بات نہیں کر سکتی لہذا اس کی اس ہیلو ہیلو کی گردان کے دوران ہی دوسری جانب سے فوراً "ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔ سکون کا سانس لیتے اس نے بھی فوراً "موبائل بند کیا۔

"کس کا فون تھا؟" ہاجرہ دوبارہ انار کے دانے نکالنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔ انہوں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں 'کوئی بولا ہی نہیں۔" اس نے ان سے بھی

زیادہ سرسری اور لاپروا انداز میں جواب دیا۔ یہ اور بات کہ اندر سے اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اپنی اس گھبراہٹ پر اسے خود پر شدید غصہ بھی آ رہا تھا۔ ہاجرہ کوئی اس کے موبائل میں جھانک تو نہیں رہی تھیں نہ وہ کان لگا کر دوسری جانب اس سے کی جانے والی بات سن رہی تھیں۔ وہ اس کال کو سکون سے بھی تو ہینڈل کر سکتی تھی۔ کال ریسیو کرتی 'سکون سے "سوری رونگ نمبر" کہتی اور فون بند کر دیتی۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر تو کوئی بھی شک میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس وقت یہاں صرف ہاجرہ تھیں 'عذیر فاروق نہیں۔ ان کے سامنے اگر وہ اس طرح گھبرائی ہوتی تو ان کی ذہین نگاہوں سے اس کی یہ کیفیات چھپی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ہاجرہ نے تو اس کی گھبراہٹ پر کچھ خاص دھیان دیا بھی نہیں تھا 'ان کی توجہ تو اسے انار کھلانے میں لگی تھی۔

"پھر کل آ رہی ہو نا؟" انہوں نے اپنی مصروفیت کے دوران اس سے پوچھا۔

"جی ان شاء اللہ۔"

عذیر فاروق نہا کر اور لباس تبدیل کر کے واپس لاؤنج میں آ گئے تھے۔ وہ صوفے پر ان دونوں کے سامنے آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے ان کی طرف توجہ سے دیکھا۔ اس نے آج انہیں پہلی مرتبہ شلوار قمیص میں دیکھا تھا۔ کاٹن کے سفید شلوار قمیص میں وہ اسے بہت ہینڈسم 'بہت گریس فل لگ رہے تھے۔ عباد میں ان کی کتنی شباہت تھی۔ اس کا ڈمپل اور بال اگر اپنی مما جیسے تھے تو باقی وہ پورا کا پورا اپنے پاپا جیسا تھا۔ ہائٹ سے لے کر چہرے کا ایک ایک نقش تک 'آنکھیں' ناک' پیشانی 'وہ پورے کا پورا اپنے پاپا پر تھا۔ جوانی میں وہ بالکل عباد کی طرح لگتے ہوں گے۔

"کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں؟" انہوں نے اس کی نگاہوں کی چوری پکڑی تھی۔ بجائے گڑبڑا جانے کے اس نے مسکرا کر سر اقرار میں ہلایا تھا۔

"بہت سے بھی زیادہ۔" وہ اس کے بے جھجک جواب کو انجوائے کرتے قہقہہ لگا کر ہنسے۔

"میں کل صبح ہی آ جاؤں گی۔ ہم کل کہیں پکنک پہ چلیں؟" اس نے ہاجرہ سے کہا۔

"اچھا تو تعریف اس لیے ہو رہی تھی۔ پکنک کی فرمائش پوری کروانی ہے۔" انہوں نے تاسف سے گردن ہلاتے

جیسے اس کے مطلبی پن پر اظہار افسوس کیا۔

ہاجرہ پکنک پہ یا کہیں گھومنے پھرنے جانے کے موڈ میں نہ تھیں۔ مگر اس کی خواہش رد بھی نہیں کرنا چاہتیں۔

"آنٹی! پلیز ناں۔ بہت مزا آئے گا' منع مت کریں۔ میں جب سے کراچی آئی ہوں کہیں گھومنے نہیں گئی۔ ہر سنڈے گھر پر ہی گزر جاتا ہے۔" اس کے اصرار پر وہ راضی تو ہو گئیں مگر ساتھ ہی انہوں نے اس سے پوچھا۔

"ہنیہ! تمہارے ماموں ممانی تو مائنڈ نہیں کریں گے نا تمہارے ہمارے ساتھ کہیں جانے کو؟ میں پہلے بھی تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تمہارے یہاں آنے جانے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

ان کا انداز ایک ماں کا سا تھا۔ کوئی اس کی بچی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرے 'کوئی اس کی بچی کے بارے میں کچھ برا نہ سوچے۔ وہ یہاں اپنے ماموں 'ممانی کے پاس رہ رہی ہے کسی رشتہ دار کے ساتھ رہنے میں کئی باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔

اپنے لیے ان کی فکرمندی 'احتیاط اور محبت پر وہ مسکرائی۔

پاکستانی ماحول اور یہاں رائج طور طریقوں کے لحاظ سے ہاجرہ کی تشویش بالکل درست تھی اور اس کے ماموں 'ممانی یہ بات یقیناً "سوچتے بھی 'اگر وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کے ساتھ اس کے حقیقی تعلق اور رشتے سے آگاہ نہ ہوتے۔

"ماموں 'ممانی کو کیوں کوئی اعتراض ہو گا؟ بلکہ اس سے پہلے جب میں ہر سنڈے پورا کا پورا دن گھر پر اکیلے بور ہوتے گزارتی تھی تو ماموں اور ممانی دونوں مجھ سے یہی کہتے تھے کہ "ہنیہ! گھر سے باہر نکلا کرو۔ کچھ دوست دوست بناؤ۔ آفس سے گھر اور گھر سے آفس اس کے علاوہ تمہارے پاس جانے کے لیے کوئی تیسری جگہ نہیں ہے۔ سنڈے کا دن بھی گھر پر اتنے ڈل انداز میں گزار دیتی ہو۔" لیکن میری یہاں کسی سے ابھی تک ایسی دوستی ہی نہیں ہوئی تھی جس کے ساتھ کہیں جانا آنا 'گھومنا پھرنا مجھے اچھا لگے۔ ماموں 'ممانی کے علاوہ کچھ دور کے رشتے دار اور ہیں کراچی میں۔ مگر ان سے بھی میری ایسی انڈر اسٹینڈنگ اور دوستی نہیں ہو سکی کہ ان سے ملنے میں مزا آئے۔ آج میں نے آفس سے فون کر کے ممانی کو بتایا کہ میں واپسی میں آپ کے ہاں سے ہوتے ہوئے آؤں گی لہذا گھر پہنچنے میں

تھوڑی دیر ہو جائے گی تو ممانی فوراً" بولیں۔ "شکر ہے بنیہ! آفس اور گھر کے علاوہ تمہارے جانے کا کوئی تیسرا ٹھکانہ تو ہوا۔"

اس کے تفصیلی جواب نے ہاجرہ کو مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب اس کی خاطر کل پکنک کا پروگرام رکھنے پر پوری طرح آمادہ تھیں۔

"سر سے تو پوچھ لیں' وہ ہمیں پکنک پہ لے کر چلیں گے؟" اس نے پکنک کے پروگرام کو حتمی شکل دیتی ہاجرہ کو یاد دلایا۔

"بالکل لے کے چلیں گے۔" ہاجرہ نے اطمینان سے کہا تھا۔ جیسے کہ جب ان دونوں نے طے کر لیا ہے تو اب عذیر فاروق کے انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ ان دونوں کے ساتھ کہیں باہر جانا اسے ابھی سے سوچ کر اچھا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح نو بجے ہاجرہ اور عذیر فاروق نے اسے اس کے گھر سے پک کیا تھا۔ یہ بات کل ہی طے ہو گئی تھی کہ وہ ان کے گھر نہ آئے۔ وہ لوگ اسے اس کے گھر سے پک کریں گے۔ وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

"لوگوں کو اپنے ہم عمروں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں مزا آتا ہے مگر بنیہ' سجاد بڈھوں کی کمپنی کو انجوائے کرتی ہیں۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عذیر فاروق بولے۔ وہ پھر اسے چھیڑ رہے تھے۔

"آپ کو خود کو بڈھا کہلانے کا اتنا شوق ہے تو آپ بڈھے ہوں گے' آنٹی کیوں بڑھیا ہوں۔"

وہ پچھلی نشست پر کافی آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی' اور اپنے ہاتھ اگلی والی دونوں سیٹس کی پشت پر جمائے تھے۔ "کچھ میوزک تو لگائیں۔ لگے تو سہی ہم پکنک پہ جا رہے ہیں۔"

"ہمیں تو 60ء اور 70ء کا میوزک پسند ہے' سننا ہے؟" یہاں بریٹنی اسپیئرز' میڈونا آپ کو سننے کو نہیں مل سکیں گی۔" وہ مسلسل اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھے۔ وہ ہنس پڑی۔ انہوں نے بیک ویو مرر میں اس کی ہنسی کو بغور دیکھا۔

"یہ ہنسا کس بات پر جا رہا ہے؟"

"آپ کی بات کو انجوائے کر رہی ہوں سر! کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بھی ہمیشہ سے پرانی فلمیں اور پرانا میوزک پسند رہا ہے۔"

"پھر تو میری بات ٹھیک ہے۔ بوڑھی روح ہو تب ہی تو ہمارے ساتھ انجوائے کرتی ہو۔" اس طرح کی گفتگو کرتے وہ لوگ بیچ پہنچ گئے تھے۔ ہاجرہ کھانے پینے کا وافر سامان ساتھ لائی تھیں۔ جس سے وہ پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی جبکہ وہ دونوں محض تھوڑا بہت چکھنے پر اکتفا کیے ہوئے تھے۔ عذیر فاروق ایک جگہ جہاں آکر بیٹھے تھے' اب وہاں سے ہلنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ ساحل پر صرف ستانے اور آرام کرنے کے موڈ میں تھے' سو وہ اور ہاجرہ ان کے بغیر ہی پانی کی طرف آگئیں۔ کنارے پر چلتے' آتی جاتی لہروں سے اپنے پیروں کو بھگوتی وہ دونوں دنیا جہاں کے مختلف موضوعات پر باتیں کر رہی تھیں۔

ہاجرہ باتیں کرتے کرتے عذیر فاروق کو بھی دیکھتی جا رہی تھیں جو بظاہر آنکھیں موندے آرام کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ آرام کر رہے تھے یا کسی کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

اس نے عالی سے ان بے شمار پکنکس کا احوال سن رکھا تھا جو اس نے اپنے ممّا اور پاپا کے ساتھ منائی تھیں' اس طرح زبردستی پروگرام بنا کر۔ جیسے وہ زبردستی پروگرام بنا کر ان دونوں کو یہاں لے آئی تھی۔ عذیر فاروق' عباد سے کہتے کہ اگر اس کا کہیں باہر جانے کا اتنا ہی موڈ ہے تو اپنے دوستوں کے ساتھ چلا جائے مگر وہ ضد کر کے انہیں دونوں کے ساتھ پکنک مناتا' اکثر اتوار کا دن وہ یونہی اپنے ممّا' پاپا کے ساتھ کہیں باہر گزارنا پسند کیا کرتا تھا۔ اگر وہ بیچ پہ آتے ہوتے تو عباد اور عذیر فاروق کے درمیان فٹ بال لازمی کھیلا جاتا۔ دو کھلاڑی اور اکیلی تماشائی ہاجرہ۔

وہ گھر سے فٹ بال تو نہیں مگر اوٹ پٹانگ جو ڈھیر سارا سامان لائی تھی اس میں ایک بڑی سی بال بھی شامل تھی۔

"سر ایسے ڈل بیٹھے اچھے نہیں لگ رہے۔ میں ابھی انہیں ایکٹو کرتی ہوں۔" وہ ہاجرہ سے کہہ کر اپنے سامان کے پاس گئی۔ وہاں سے بال اٹھائی اور "سر! بال پکڑیں" کہہ کر اسے خوب زور سے ان کی طرف اچھالا۔

انہوں نے اس کی آواز پر آنکھیں کھول دی تھیں۔ سیدھے بھی ہو کر بیٹھ گئے تھے' اسے بھی دیکھ لیا تھا مگر جیسے ہی بال ان کے قریب آکر گری' انہوں نے بجائے بال کی طرف دیکھنے کے اپنے دائیں بائیں اس طرح دیکھا جیسے

کسی کو تلاش کر رہے تھے' جیسے وہاں بنیہ نے نہیں کسی اور نے اچھالی تھی ان کی طرف۔ ان کی نگاہوں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دور دور تک کسی کو تلاشا تھا' مایوس ہو کر وہ نگاہیں اس پر آکے ٹھہر گئی تھیں۔

انہیں یہ یاد آچکا تھا کہ جسے وہ ڈھونڈ رہے ہیں وہ یہاں کہیں نہیں ہے۔ اس نے ان کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار دیکھے۔ اسے وہ یکدم ہی بہت بوڑھے اور کمزور لگنے لگے تھے۔

"عالی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہارا ذکر نہیں کرتے' تمہارا نام نہیں لیتے' تمہاری بات نہیں کرتے مگر تمہارے بغیر وہ جی نہیں سکتے۔ یہ ان کی تم سے کتنی انوکھی ناراضی ہے عالی! تم سے خفا بھی ہیں اور تمہیں سب سے زیادہ چاہتے بھی ہیں —— تم سے بدگمان بھی ہیں اور تم ہی سے سب سے زیادہ محبت بھی کرتے ہیں۔"

عذیر فاروق اس کی طرف واپس بال اچھال نہیں سکے تھے' وہ ویسے ہی گم صم سے بیٹھے تھے' ایسے کہ جیسے ان میں بال اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ہاجرہ دور کھڑی ان کی کیفیات کو دیکھ رہی تھیں' سمجھ رہی تھیں وہ بالکل گم صم اور ساکت کھڑی تھیں' وہ شوہر کے قریب نہیں آسکی تھیں۔

وہ ماحول کی خوشگواریت کو افسردگی میں تبدیل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ عذیر فاروق کے قریب چلی آئی۔

"لگتا ہے سر! آپ کی بات صحیح تھی۔ آپ تو واقعی بڈھے ہو گئے ہیں۔ آپ ایک لڑکی کا چیلنج قبول نہیں کر سکے۔"

اس نے ان کے پاس پڑی بال کی طرف اشارہ کر کے افسوس سے کہا۔ وہ فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر اس کا بڑھاپے کا الزام مسترد کر کے اس کا چیلنج قبول کرنے کے لیے نہیں بلکہ دور کھڑی اپنی بیوی کے پاس جانے کے لیے۔ ان کی گم صم اور خاموش سی کیفیت ختم کروانے کے لیے۔ بنیہ کا اس پکنک کا آئیڈیا انہوں نے قبول ہی ہاجرہ کے لیے کیا تھا۔ زندگی میں ایک بار ہاجرہ کے ساتھ زیادتی کر چکے تھے' ان کی محبت اور وفاداری کا ان سے کڑا امتحان لے چکے تھے۔ ماں کے لیے اس کی اولاد زیادہ اہم ہے یا بیوی کے لیے اس کا شوہر۔ بیٹا اور شوہر ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو ماں کی ممتا جیتتی ہے یا بیوی کی محبت اور وفاداری؟ وہ ہاجرہ کی آنکھوں سے درد اور کرب مٹا کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھرتی دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے فوراً" ہی اٹھ کر ان کے پاس آگئے تھے۔ وہ ہنستے' مسکراتے بنیہ کی طرف بال اچھال رہے تھے اور بنیہ ان کی طرف۔

ایک دوسرے کی طرف بال اچھالتے وہ دونوں پانی میں آ گئے تھے۔ بنیہ چلا رہی تھی' شور مچا رہی تھی۔ گھڑی گھڑی ان پر "فاؤل ہے اور بے ایمانی ہے" کے الزام لگا رہی تھی۔ اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو خاموشی سے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہاجرہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

سہ پہر کے وقت ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ اسے گھر ڈراپ کر کے وہ دونوں گیٹ ہی سے لوٹ جانا چاہتے تھے مگر وہ بضد ہو کر انہیں اندر بلا لائی تھی۔ اب فیاض اور شمسہ کو چونکہ سب پتا تھا اس لیے اسے پہلی بار کی طرح ان میں سے کسی کے کچھ بول دینے کا خدشہ نہیں تھا۔ جھٹ پٹ وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے بنیہ کا جلدی سے کسی اچھی سی جگہ رشتہ طے ہو جائے۔ اتنی پیاری ہے یہ' اس کا رشتہ کسی بہت اچھی جگہ پر ہونا چاہیے' کسی بہت اچھے سے لڑکے کے ساتھ۔" وہ چائے لے کر آئی تو ہاجرہ یہ بات شمسہ اور فیاض سے کہہ رہی تھیں۔ شمسہ ان کی تائید میں کچھ نہ کہہ سکیں' بات ہی ایسی تھی کہ وہ اس پر کیا کہتیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر فیاض موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے سرہلا کر بولے۔

"ان شاء اللہ ہماری بھی یہی خواہش ہے۔" اس نے جلدی جلدی سب کو چائے سرو کرنی شروع کر دی اور موضوع تبدیل کروانے کے لیے فوراً" ہی شمسہ سے بولی۔

"آنٹی مجھ سے پوچھ رہی تھیں تم ہمارے گھر آئی ہو' تمہارے ماموں' ممانی تو اس بات کو مائنڈ نہیں کرتے۔"

"اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں اس نے کہیں باہر نکلنا اور آنا جانا تو شروع کیا ورنہ کراچی میں ابھی تک تو اس کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں تھی۔ مجھے تو اسے ہر وقت گھر پر دیکھ دیکھ کے ڈپریشن ہوتا تھا کہ بچے کہیں باہر نکلو' کسی سے تو دوستی کرو' یہاں کوئی تو ہو گا تمہارے معیار کے مطابق۔" شمسہ اس کی موضوع تبدیل کروانے کی کوشش کو بھانپتے فوراً" بولیں۔

"اور بنیہ سجاد کے معیار کے مطابق نکلے ہم بڈھے' بڑھیا۔" عذیر فاروق مسکرا کر بولے۔

☼ ☼ ☼

اب اس کا آفس میں دل نہیں لگتا تھا۔ جب تک آفس اسے عذیر فاروق اور ہاجرہ سے قریب کرنے کا واحد ذریعہ بنا ہوا تھا تب تک اس کے لیے وہاں بہت چارم ' بہت اٹریکشن تھی مگر اب جبکہ وہ بے جھجک اور بے تکلف جب چاہے ان کے گھر جا سکتی تھی ' زیادہ بے تکلف ماحول میں ان لوگوں سے مل سکتی تھی تب آفس کے فارمل ماحول میں اس کے لیے کیا دلچسپی باقی بچی تھی۔

وہ فاروق ایسوسی ایٹس میں اپنا کیریئر بنانے نہیں آئی تھی ' وہ جس کام کے لیے آئی تھی ' جس مقصد سے آئی تھی ' اس مقصد میں اسے کامیابی ہو رہی تھی۔ وہ ان کے گھر تک رسائی پا چکی تھی ' آفس میں اب پہلے کی طرح دلچسپی لینا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ پھر بھی وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اپنے کام کا معیار وہی رکھے ' جس سے اول وقت میں اس نے عذیر فاروق کا دل جیتا تھا۔ وہ یہاں سخت محنت کر کے ان کی نگاہوں میں ایک لائق اور قابل انجینئر کا اپنا جو امیج قائم کر چکی تھی اسے قائم رکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو اب ہر وقت صرف اور صرف اسی گھر میں جانے کو مچلا کرتا تھا۔ وہ گھر جو بابا کا تھا ' وہ گھر جو اس کا تھا۔ وہ اس گھر کو اپنا کب کہہ سکے گی؟

اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ عذیر فاروق کو سر کی جگہ پاپا کب کہہ سکے گی اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ ہاجرہ کو آنٹی کی جگہ مما کہنے لگی تھی اور ایسا ایک دم ہی بالکل اچانک ہو گیا تھا۔ سنڈے کے بعد اگلے سنڈے تک اس کا انتظار ان پر شاق گزرا کرتا تھا۔

آفس کی مصروفیات کچھ بڑھی ہوئی تھیں۔ چند پروجیکٹس تھے جن کی وجہ سے ان دنوں چھٹی کے بعد بھی دیر تک رکنا پڑ رہا تھا۔ فون پر بات ہونے سے انہیں بالکل تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

پھر اس روز وہ لنچ ٹائم میں موقع نکال کر آفس سے ان کے گھر اچانک پہنچ گئی تھی۔ لنچ ٹائم میں آئی تھی یعنی بہت ہی تھوڑی سی دیر کے لیے آئی تھی مگر وہ اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اتنی خوش ہوئی تھیں کہ انہیں اس تھوڑی سی دیر پر بھی کوئی شکوہ نہ تھا۔

"تمہاری شکل دیکھنے کو ترس گئی تھی۔" وہ اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولی تھیں۔

"مجھے بھی آپ بہت یاد آ رہی تھیں۔" ان کے افسردہ لبوں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"تم آتی ہو تو لگتا ہے میں زندہ ہوں۔ ورنہ اپنے گھر کا یہ سناٹا مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ تمہارے آنے سے یہاں رونق آتی ہے ' زندگی آتی ہے۔ اتنا کم مت آیا کرو ہنیہ!"

"میں آپ کے گھر ہی نہ رہنا شروع کر دوں؟" ہنس کر پر مزاح انداز میں اس نے پوچھا تھا اور اس ہنستے ہوئے ' پر مزاح انداز کے پیچھے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ان کے سامنے رکھی تھی۔ اس گھر میں بس جانے کی خواہش۔

"میرے دل کی پوچھو تو میں کہوں ہنیہ! یہاں سے کبھی جاؤ ہی نہیں۔" اس نے ان کے محبتیں اور چاہتیں لٹاتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"جب میری سچائی جان جائیں گی تب بھی یہی بات کہیں گی نا؟ یہ جان کر کہ میں ہنیہ سجاد وہی امریکی لڑکی ہوں جسے پاپا کب کا مسترد کر چکے مجھ سے منہ تو نہیں پھیر لیں گی نا؟" اس کی خاموش نگاہوں نے ان سے سوال کیا مگر وہ اس کا سوال نہ دیکھ پائیں ' نہ پڑھ پائیں۔ وہ اسے اچانک اپنے سامنے پا کر اتنی خوش تھیں کہ مزید کچھ اور انہیں سجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"کیا کھاؤ گی جلدی سے بتاؤ؟ دم کا قیمہ بنا ہے ' اس کے ساتھ پراٹھا بنا دوں؟" وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگیں۔ انہیں ہمیشہ کی طرح اسے خوب اچھی طرح کھلانے پلانے کی فکر پہلے لاحق ہوئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں مما! میں آفس سے لنچ ٹائم میں اٹھ کر آئی ہوں ' کھانے پینے بیٹھ گئی تو دیر ہو جائے گی۔"

تصور ہی تصور میں وہ ان دونوں کو مما اور پاپا اتنا بولتی رہتی تھی کہ بالکل اچانک اور بے دھیانی میں اس کے منہ سے ان کے لیے آنٹی کی جگہ مما کا لفظ نکل گیا۔ وہ ٹھٹک گئی تھیں ' ان کی آنکھوں میں حسرتیں بھی تھیں ' افسردگی بھی تھی اور کچھ خوشی بھی تھی۔ جیسے اپنے لیے یہ نام انہوں نے ایک طویل عرصے بعد سنا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

فرحت اشتیاق

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی قسط

"اچھی تم نے مجھے کیا کہا تھا؟" انہوں نے ...

"تمہیں آپ کو برا لگا؟"

[illegible]

فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

ہنیہ سجاد ایک ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ غیر معمولی اعتماد اسے والدین سے ورثے میں ملا ہے اس کی ساری زندگی امریکہ میں گزری ہے۔ بہترین تربیت اور کولمبیا یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری نے اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کیا ہے۔ اس کے والد وکیل جبکہ والدہ اکنامسٹ تھیں۔ دو بھائی اور ایک بہن شادی کے بعد اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ والدین کے انتقال کے بعد ہنیہ امریکہ کی ہنگامہ پرور فضا سے گھبرا کر پاکستان آجاتی ہے اور جاب کے سلسلے میں فاروق ایسوسی ایٹس آتی ہے۔ جہاں فرم کے مالک عذیر فاروق اس کے پر اعتماد اور سادہ انداز سے متاثر ہوئے بغیر رہتے۔ وہ اسے ٹرائل پر نوکری دے دیتے ہیں۔ جہاں چند ہی دنوں میں وہ متاثر کن کارکردگی دکھاتی ہے۔ پاکستان میں وہ فیاض ماموں شمسہ مامی کے ساتھ رہتی ہے۔ جاب کے سلسلے میں عذیر فاروق خاص معاونت کرتے ہیں جس سے اسے ایڈجسٹمنٹ میں آسانی ہوتی ہے۔ ان کی اہلیہ ہاجرہ عذیر سے مل کر ہنیہ بہت متاثر ہوتی ہے۔ وہ عذیر فاروق کی طرح طلسماتی شخصیت کی حامل ہیں۔ ہاجرہ عذیر کی طبیعت کی خرابی پر ہنیہ ذاتی طور پر ان سے ملنے اسپتال جاتی ہے۔ وہ ہنیہ میں ایک ان دیکھی کشش محسوس کرتی ہیں۔ ہنیہ بھی عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔ اچانک ایک روز وہ دونوں ہنیہ سے ملنے گھر آجاتے ہیں۔ جس پر وہ حواس باختہ ہو جاتی ہے ان کے جانے کے بعد وہ فیاض ماموں اور شمسہ مامی کو بتاتی ہے کہ یہ عباد کے والدین ہیں۔ جس پر وہ دونوں حق دق رہ جاتے ہیں۔

عالی یعنی عباد عذیر سے اس کی ملاقات کولمبیا یونیورسٹی میں اتفاقاً ہوئی جو وہیں سے انجینئرنگ میں ایم ایس کر رہا تھا۔ ہنیہ کا پر اعتماد انداز اسے بھی چونکاتا ہے اور بے ساختہ اس کی جانب کھنچنے لگتا ہے۔ ایک اتفاق ہنیہ اور عباد کو ایک

دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ ہنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عبادکی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ ہنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ عباد کا دوست عدیل ہنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ہنیہ عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

ہنیہ اور عباد کی لو اسٹوری میں اچانک موڑ آتا ہے، جب عذیر فاروق، تایا زاد انوشہ سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔ یہ جان کر عباد کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کو ہنیہ کے بارے میں بتاتا ہے تو وہ اسے ہنیہ سے ہر تعلق ختم کرنے کا کہتے ہیں۔ ہنیہ کے علم میں جب یہ بات آتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتی ہے۔ عباد اسے ایک لمحے کے لیے تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ عباد ہنیہ کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کو ہنیہ کے لیے منا لے گا۔ ہنیہ تمام معاملے کا ذمہ دار عذیر فاروق کو سمجھتی ہے۔ اسی دوران ماما جانی کی طبیعت شدید خراب ہو جاتی ہے، جس سے ہنیہ کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔

مرتے ہوئے ماما جانی، عالی اور ہنیہ کا نکاح کروا دیتی ہیں۔ عذیر فاروق، عباد سے سارے تعلق توڑ لیتے ہیں، عباد کے لیے ان کی سرد مہری سوہان روح ہے۔ مشکل کی اس گھڑی میں ہنیہ کے بہن بھائی اسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ عباد، ہنیہ کو جذباتی سہارا فراہم کرتا ہے اور اپنی نئی زندگی کا آغاز پر اعتماد انداز میں کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۵
پانچویں قسط

صبح اس کی آنکھ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے کھلی تھی۔ اسے سوتے میں عباد کا اپنے پاس سے اٹھنا، چلے جانا، پھر آنا اور کچھ سرہانے رکھنا سب محسوس ہوا تھا مگر وہ اتنی گہری پُرسکون نیند سو رہی تھی کہ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا تھا۔ وہ اب نیند پوری کر کے دس بجے اٹھی تھی۔ اس کے سرہانے سرخ گلابوں کا ایک بہت خوب صورت گلدستہ رکھا تھا، اپنے قریب مہکتے ان گلابوں کی خوشبو ہی نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے اس بوکے کو اٹھایا، اس پر لگے چھوٹے سے کارڈ پر I Love you —— لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کارڈ کو پڑھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اس کی لکھائی کو محبت سے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی محبتوں سے مہکتے ان گلابوں کی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ مگر عباد کی محبتوں پر سرشار ہوتے، اس کی محبتوں کی پھوار میں بھیگتے اسے یکدم ہی یہ احساس ہوا کہ رات، جو ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ ابھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔

وہ اپنے شوہر کی من چاہی ہے مگر اس کے ساس سسر؟ انہوں نے تو ابھی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کے اسے اپنی بہو تسلیم کر لینے سے قبل کل کی رات نہیں آنی چاہیے تھی۔

پھر اس حسین رات کی صبح وہ یوں شرمندہ اور پشیمان تو نہ ہو رہی ہوتی۔ رات ایسا کچھ نہ لگا تھا مگر اب اٹھنے کے ساتھ ہی اسے شرمندگی اور ندامت نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے کل رات اس نے عباد کے مما، پاپا سے ان کے بیٹے کو چھین لینے کی کوشش کی تھی۔

زندگی اچانک ہی اتنی مشکل کیوں ہو گئی تھی۔ محبتوں اور خوشیوں کا اختتام بھی دکھوں ہی پر جا کر کیوں ہو رہا تھا؟

"گڈ مارننگ مسز ہنیہ عباد۔" وہ ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں لیے ہنستا مسکراتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ ابھی چند سیکنڈ ہوئے نہا کر باہر نکلی تھی، مگر بجائے کمرے سے باہر جانے کے وہ دوبارہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر افسردگی سے عباد کو دیکھا۔ وہ ہنستا، مسکراتا، بہت ہشاش بشاش، اور بے تحاشا خوش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خوشی اور سرشاری اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھی۔

"اصولی طور پر اب آپ کا یہی نام ہونا چاہیے۔" ٹرے بیڈ پر رکھ کر وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اتنی بھرپور مسکراہٹ نجانے وہ کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے لیے صبح سے لگا ہوا ہوں، بہت اسپیشل ناشتہ بنایا ہے میں نے تمہارے لیے۔ یہ چین کیک، یہ چیز اور مشروم والا آملیٹ، یہ فروٹ ڈیلائٹ اور یہ رول ویسے یہ رول میں نے نہیں بنائے مگر تمہارے لیے خاص طور پر بہت دور سے جا کر لایا ہوں۔ وہ بھی صبح صبح۔ دراصل اس بیکری کے یہ رول بہت ہی اچھے ہوتے ہیں اور اس کافی کو بھی کوئی عام سی روزانہ جیسی کافی مت سمجھنا۔ میں نے بڑی محنت سے بنائی ہے۔ میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا، تھوڑی دیر پہلے میں نے آ کر دیکھا تم نہا رہی تھیں۔ میں نے کہا چلو جناب خاتون اٹھ گئی ہیں، جلدی جلدی سب چیزیں ٹرے میں لگائیں تاکہ ناشتہ آپ کی خدمت میں حاضر کیا جا سکے۔ اب تم کھا کر بتاؤ کون سی چیز زیادہ مزے کی ہے۔ ویسے کوئی چیز کم مزے کی بھی لگے تو یہ سوچ کر کھا لینا کہ ذائقہ نہ سہی مگر اس میں میری ڈھیر ساری محبت تو شامل ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے شوخ لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ جواباً پھیکے انداز میں بے وقت مسکرائی۔

"کیا ہوا یہ منہ اس طرح سے لٹکا ہوا کیوں ہے، پھول پسند نہیں آئے یا ناشتہ اچھا نہیں لگا؟"

وہ ابھی بھی کچھ غیر سنجیدہ ہی تھا، اسے ہنسانا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ کوشش کے باوجود بھی اس کے موڈ کا ساتھ نہ دے سکی۔

"ہنی! کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ جو سوچ رہی تھی، جو محسوس کر رہی تھی، اسے کہنے کے لیے اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔

"اس طرح سے اداس کیوں ہو، کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں ہوا عالی! بس شاید۔" وہ اس سے نگاہیں کتراتی کوئی جھوٹ بول کر اسے مطمئن کرنا چاہ رہی تھی مگر اس نے یک دم ہی اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو، اس لیے کہ تمہارے جھوٹ کا میں یقین نہیں کروں گا۔ سچ بولو کیا ہوا ہے؟"

وہ لبوں کو دانتوں سے کچلتی آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو واپس پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"عالی! کل رات۔" وہ بولتے بولتے خاموش ہوئی۔ "ابھی پاپا نے ہمارے رشتے کو قبول نہیں کیا۔ مجھے بہت۔"

وہ آگے جو بھی کہنا چاہتی تھی مگر عباد نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔

"یہ ہرگز مت کہنا ہنی! کہ تم گلٹی فیل کر رہی ہو۔ کل کی رات میری زندگی کی سب سے حسین رات تھی۔ میں اسے اپنی آخری سانسوں تک یاد رکھوں گا اور میں یہ سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ جو رات میری لیے اتنی خوب صورت اور اتنی یادگار تھی وہ تمہارے لیے ایک پچھتاوا ہے؟ میں تمہاری خوشی اور تمہارے دکھ دونوں کو پہچان سکتا ہوں اور کل رات میں نے تمہیں بہت خوش پایا تھا۔ تم سو گئی تھیں تمہارے چہرے پر مجھے تب بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی، تم پرسوں رات کی طرح بار بار ڈر کر اٹھی بھی نہیں تھیں۔"

"میں خوش تھی عالی لیکن۔" عباد نے پھر اسے

روک دیا تھا۔
"خوش تمھیں ہو نہیں؟"
"میں خوش ہوں لیکن۔"
"یہ گھوم پھر کر ہر جملے کا اختتام لیکن پہ کیوں ہو رہا ہے۔ تم خوش ہو یا نہیں، کسی لیکن اگر اور مگر کے بغیر جواب دو۔" وہ اس بار جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"میں بہت خوش ہوں عابی۔ لیک۔" زبان دانتوں تلے دبا کر وہ لیکن بولتے بولتے خاموش ہو گئی تھی۔ "وہ بہت دیر کے بعد مسکرایا تھا۔ وہ اس کے کہے بغیر بھی اس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ جو وہ کہنا چاہ رہی تھی اور کہہ نہیں پا رہی تھی وہ اسے مکمل طور پر سمجھ چکا تھا۔ اس نے ناشتے کی ٹرے ان دونوں کے بیچ میں سے ہٹا کر کچھ دور رکھی تاکہ اس کے اور نزدیک ہو سکے۔
"ہنی! میں تم سے کچھ مانگوں مجھے دو گی؟" اس نے اس کا چہرہ پھر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
"مجھے آج سے لے کر اتوار تک اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے دو۔ میں ۔۔۔ میں اتوار کی رات دبئی جا رہا ہوں ہنی! انکل طارق کے پاس وہ پاپا کو منانے میں میری مدد کریں وہ مان جاتے ہیں تو بھی اور نہیں مانتے تو بھی وہاں سے پھر مجھے کراچی چلے جانا ہے۔ مجھے خود نہیں معلوم میں وہاں کتنے دنوں کے لیے جا رہا ہوں مگر اتنا طے ہے ہنی! میں پاپا کو منائے بغیر وہاں سے واپس ہرگز نہیں آؤں گا۔ تمہیں وہ سارے دن میرے بغیر یہاں اکیلے گزارنے ہوں گے۔ تو اس سے پہلے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ چھ دن جو ہمارے پاس ہیں ہم ان کے ہر ہر لمحے کو بھرپور انداز میں گزاریں۔ ان چھ دنوں میں ہم دنیا کی ہر ٹینشن بھلا دیں۔ کسی ایسی جگہ چلیں جہاں صرف تم ہو، میں ہوں۔ میں تمہیں اپنی زندگی کے چھ دن پورے کے پورے دے رہا ہوں۔ ان چھ دنوں میں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں سوچوں گا، کسی کو اپنے قریب دیکھنا نہیں چاہوں گا۔ تم بتاؤ کیا تم مجھے اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے رہی ہو؟ دیکھو سوچ سمجھ کر وعدہ کرنا۔ وعدہ کر لینے کے بعد اگر ان چھ دنوں میں تم مجھے ایک بار بھی روتی ہوئی نظر آئیں، آج کی صبح کی طرح منہ لٹکا کر اداسی سے بیٹھی نظر آئیں تو میں تم سے سخت ناراض ہو جاؤں گا۔ منظور ہے؟"
وہ چھ دن بعد جا رہا تھا، اس کا دل یک بارگی بہت زور سے دھڑکا تھا، وہ خوف سے کانپ سی گئی تھی۔
"میں تمہاری ہاں یا ناں کا انتظار کر رہا ہوں ہنی عبا! کیونکہ ان چھ دنوں کا آغاز آج کی صبح کے ساتھ ہو چکا ہے۔"
وہ اسے چھ دن بعد کیا ہو گا، سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا، وہ تو فی الحال آج کی اور ابھی کی بات کر رہا تھا۔

"ہاں، ہاں، ہاں۔" اس کے سینے پر سر رکھ کر اس نے ہاں کی گردان کی۔
"صرف چھ دن نہیں، میں نے تمہیں اپنی پوری کی پوری زندگی دے دی ہے۔ اپنی زندگی کی ہر صبح، ہر شام اور ہر رات دے دی ہے۔"
"چلو ہنی! نیویارک سے باہر کہیں چلتے ہیں۔" وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے کر بولا۔
"کہاں؟" اس کے سینے پر سر رکھے رکھے ہی اس نے پوچھا۔
"کسی خاموش اور پرسکون سی جگہ پر۔ جہاں فطری حسن ہو، ساحل ہو۔ میں ہوں، تم ہو اور ہمیں جاننے والا کوئی بھی شخص وہاں نہ ہو۔"
اس نے عباد کی بات مان لی تھی۔ واقعی حقیقت تو آج کا دن اور یہ لمحات ہیں جن میں وہ جی رہے ہیں۔ کل تو ان دیکھا ہے، ابھی بہت دور اور ان سے چھپا ہے۔

ناشتے کے فوراً بعد وہ دونوں اٹھ گئے تھے۔ گھر سے اپنے کپڑے اور ضرورت کا کچھ سامان ساتھ لے کر عباد اسے اس کے اپارٹمنٹ لے آیا تھا تاکہ وہ وہاں سے اپنے کپڑے لے سکے۔ سوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کب واپس آئیں گے وہ دونوں ایئرپورٹ آ گئے تھے۔

وہ carmel کے خوبصورت ساحلی شہر جا رہے تھے۔ عباد وقت ضائع کیے بغیر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ فوری طور پر انہیں ایک نجی ایئرلائن کی سان فرانسسکو جانے والی فلائٹ میں سیٹس مل رہی تھیں۔ عباد نے دو ٹکٹس خرید لیے تھے۔ تقریباً چھ گھنٹے کی فلائٹ کے بعد وہ san francisco پہنچ گئے تھے۔ گھومنے پھرنے کے لیے یہاں پر بھی بہت کچھ تھا مگر چونکہ یہ ان کی منزل نہیں تھی۔ اس لیے وہاں سے ایک کار رینٹ کر کے اب وہ بائی روڈ carmel جا رہے تھے۔ san francisco سے بائی روڈ carmel جانے کا اپنا ہی حسن تھا۔ راستہ خوبصورت سرسبز و شاداب اور آب و ہوا شاندار۔ جہاز کے سفر سے زیادہ ان دونوں کے لیے یہ سفر خوبصورت اور بھرپور تھا۔ عباد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، وہ دونوں میوزک سن رہے تھے، ساتھ بے تحاشا باتیں کرتے … چپس اور کوک کے ٹین خالی کیے جا رہے تھے۔ زندگی کی ہر الجھن، ہر اندیشہ، ہر پریشانی اور ہر خوف وہ نیویارک میں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

جگنوؤں سے بھر لیں آنچل
بیت جائے کہیں نہ … پل
کل جو ہو گا دیکھ لیں گے کل

عباد نے راستے میں نجانے کتنی بے شمار بار یہ گانا گایا تھا۔ دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ carmel پہنچ گئے تھے۔ san Francisco سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر carmel کیلی فورنیا کے مضافاتی علاقے میں ایک چھوٹا سا بے پناہ خوبصورت ساحلی شہر تھا۔ بڑے شہروں کے ہنگاموں اور شور شرابے سے دور بقول عباد کے ہنی جیسی رومینٹک لڑکی کو لے جانے کے لیے پرفیکٹ جگہ تھی۔ carmel اپنے خوبصورت ساحلوں، اپنی ہسٹری اور اپنے آرکیٹیکچر کی وجہ سے ہمیشہ سے ان سیاحوں کی فیورٹ destination رہا تھا جو سکون اور خاموشی پسند کرتے تھے، اپنے گرد خوبصورت ساحل، صدیوں پرانی تاریخ کے واضح آثار وہاں کے آرکیٹیکچر کی صورت دیکھنا چاہتے تھے، یہ جگہ artists کے لیے، رائٹرز کے لیے، میوزیشنز کے لیے بہترین رومینٹک جگہ تھی۔ سو سال سے بھی قبل ابتدائی طور پر ساحل کے ساتھ جو کالونی آباد ہوئی وہ کہلاتی ہی artists colony تھی۔
یہاں آرٹ گیلریز بے شمار تھیں اور بہت خوبصورت تھیں، اور یہاں پروفیشنل اور شوقیہ دونوں طرح کے مصور جا بجا مصوری کرتے دیکھے جا سکتے تھے۔ آرٹ، آرٹسٹ اور آرکیٹیکچر سب کچھ بے مثال تھا مگر carmel کی سب سے بڑی خوبصورتی بلاشبہ اس کے وائٹ (white) sand (Beaches) تھے۔ حد نگاہ تک پھیلا سمندر، طویل اور خوبصورت ساحل جن کی ریت سفید اور بہت نرم و ملائم تھی دور سے شیشے کی طرح چمکتی ہوئی لگتی تھی۔ یہاں کی ایک اور خوبصورتی ساحل سے کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے چھپے اونچائی پر بنے cottages تھے۔ جو کئی سو سال قدیم اور بے حد خوبصورت آرکیٹیکچر رکھتے تھے۔ ان میں کچھ cottages ان لوگوں کی ذاتی ملکیت تھے جو شہر کے ہنگاموں سے گھبرا کر یہاں آنا پسند کیا کرتے تھے اور کچھ ان مقامی افراد کی، جو ان کاٹیج کو ٹورسٹ کو کرائے پر دیا کرتے تھے۔
ان کاٹیجز میں ایک کاٹیج ڈاکٹر اینڈریو کا اپنا تھا۔ نیویارک کے ہنگاموں سے دور یہاں وہ پرسکون ماحول کی تلاش میں چھٹیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔
سال کے ان دو، تین چکروں کے علاوہ ان کا وہ کاٹیج خالی ہی رہا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار ایک مقامی عورت جسے انہوں نے وہاں کی چابی دے رکھی تھی، اس کی صفائی کر جاتی تھی۔ عباد ایک بار پروجیکٹ کے سلسلے میں ان کے ساتھ لاس اینجلس آیا تھا اور وہاں اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ carmel لے آئے تھے۔ اور تب اسے فطری حسن میں گھرے، خوبصورت ترین اس چھوٹے سے فرنچ اسٹائل کاٹیج نے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اونچے اونچے گھنے

درختوں کے جھنڈ میں چھپا وہ کاٹیج دوسرے کاٹیج کی طرح ہی سمندر اور ساحل سے بالکل نظر نہیں آتا تھا مگر اونچائی پر بنے کاٹیج کے ہر حصے سے سمندر اور ساحل واضح نظر آتے تھے۔ اس گھر کی تعمیر میں لکڑی کا استعمال زیادہ تھا۔ وہ قدیم فرنچ آرکیٹکچر کا حسین شاہکار تھا۔ ایسے جیسے کسی اسٹوری بک میں موجود کسی فیری ٹیل ——— میں ذکر ہوا کاٹیج۔

نیچے ایک کمرہ اور کچن تھا۔ کمرے میں آتش دان اور فرنیچر سب قدیم طرز کا تھا اس کمرے کو لیونگ روم کہہ لیں یا ڈرائنگ روم اور اسی کمرے سے اوپر جاتی لکڑی کی گول سیڑھیاں تھیں جو اوپر موجود واحد کمرے پر جا کر ختم ہوتی تھیں۔ اوپر بس وہی ایک کمرہ تھا اور وہی بیڈ روم تھا۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہ تمام چھوٹے بڑے cottages ایک دوسرے سے ہٹ کر فاصلے پر تھے carmel کے ہوٹلز بھی کم خوب صورت نہ تھے مگر عباد کسی ہوٹل میں چاہے وہ کتنا ہی Luxurious کیوں نہ ہو ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہوٹل میں اس کی وہ خواہش کہ صرف ہم دونوں ہوں اور کوئی بھی نہیں۔ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ منیہ کے ساتھ جس طرح بالکل تنہا چھ دن گزارنا چاہتا تھا اس کے لیے یہ cottage یہ جگہ آئیڈیل تھی۔ بے انتہا رومینٹک تھی۔ یہاں خاموشی اور سکون تھا۔

مکمل پرائیویسی تھی۔ عباد نے carmel آنے کا فیصلہ کیا ہی صرف ڈاکٹر اینڈریو کے اس cottage کی وجہ سے تھا ورنہ جانے کو تو وہ دونوں کہیں اور بھی جا سکتے تھے carmel آنے کا طے کرتے کے ساتھ ہی عباد نے ڈاکٹر اینڈریو کو فون کیا تھا۔ ڈاکٹر اینڈریو نے عباد کو اس کی شادی کی مبارک باد دیتے بخوشی اسے اپنے کاٹیج کی چابیاں دے دی تھیں کہ وہ جب تک چاہے ان کے cottage میں قیام کرے۔ وہ راستے بھر منیہ کو اس cottage کی خوبصورتی کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔

"ممکن ہے وہ کاٹیج حلیمل کی فیری ٹیل کا نشان (؟) ہو ایسا لگ رہا ہو جیسا انگریزی نہ لگے مگر مجھے وہاں کا سکون اور خاموشی بہت اپیل کرتی ہے۔ ہوٹلز کی بھیڑ بھاڑ، شور شرابا اس میں بھی بھلا کوئی سکون ہے مزا ہے؟" وہ اب اس سڑک پر پہنچ گئے تھے جس کے دونوں اطراف قطار در قطار اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ اور ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر ایک ہی طرح کے قدیم آرکیٹکچر والے کاٹیجز موجود تھے۔ دروازہ مضبوط لکڑی ہی کا تھا اور اپنے انتہائی قدیم ہونے کی داستان سنا رہا تھا۔ گاڑی اس cottage کے پیچھے سے پورچ نما حصے میں کھڑی کر کے وہ دونوں اندر آ گئے تھے۔

سمندر کا شور سنائی تو دے رہا تھا پر سمندر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اندر آ کر اس ڈرائنگ روم نما چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی پہ آ کر کھڑی ہوئی تو پردہ ہٹانے کے ساتھ ہی اس کی خوشی سے بھری چیخ نکل گئی۔

"مائی گاڈ عالی! اس سے خوب صورت منظر میں نے اپنی ساری زندگی نہیں دیکھا۔"

پردے ہٹاتے ہی اسے درختوں کے پیچھے ٹھاٹھیں مارتا وسیع سمندر نظر آیا تھا۔ اس کا نیلگوں پانی چاند کے دھندلکوں میں ڈوب رہا تھا حسین ترلگ رہا تھا۔ تمام cottages جو اونچائی پر بنائے گئے تھے۔ ان کی پچھلی طرف سے باہر نکلتے تو درختوں کے بیچ سے ڈھلوانی راستے پر پتھروں کو تراش کر سیڑھیاں سی بنائی گئی تھیں ان سیڑھیوں سے اتر کر اونچے نیچے سرسبز راستے پر پندرہ منٹ چلتے تو ساحل پہ پہنچ جاتے۔ وہ مبہوت کھڑی کھڑکی سے اس پار سمندر کو دیکھ رہی تھی جب وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"خوب صورت ہے نا یہ جگہ؟"

"بہت زیادہ، جتنی تم تعریف کر رہے تھے اس سے بھی زیادہ۔"

"چلو ساحل پہ چلتے ہیں۔"

"اس وقت؟" اس نے گردن موڑ کر اپنی پشت پہ کھڑے عباد کو دیکھا۔ وہ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلائے کھڑا تھا۔

"رات ہو رہی ہے۔" "چھ گھنٹے سے اوپر کی فلائٹ اور قریباً دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد انہیں یہاں پہنچتے رات ہو چکی تھی۔ کیلی فورنیا کا مقامی وقت نیویارک سے تین گھنٹے پیچھے ہے چنانچہ اس وقت جب نیویارک میں رات کے گیارہ بجے ہوئے تھے یہاں آٹھ بج رہے تھے۔

"رات کے وقت ساحل پر جانا منع نہیں ہوتا۔ کچھ دیر واک کریں گے، پھر کہیں پر ڈنر کر کے واپس آ جائیں گے۔"

اس کھڑکی سے کچھ ہٹ کر جو دروازہ تھا وہ دونوں اس دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ یہ cottage کا پچھلا دروازہ تھا جو باہر اس ڈھلوانی راستے کی طرف کھلتا تھا۔ وہ دونوں پتھروں کی خوب صورت تراش خراش کر کے بنائی گئی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آ گئے تھے۔ اونچی نیچی ناہموار گھاس پر سے ہوتے وہ ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ساحل تک پہنچ کر انہوں نے اپنے جوتے اور سینڈل اتار کر ایک طرف رکھ دیے تھے اور ننگے پاؤں ساحل کی نرم، چکنی اور گیلی مٹی کا مزا لینے لگے تھے۔ یہاں نیویارک جیسی سردی نہیں تھی۔ ایک ہلکے سوئٹر سے کام چلایا جا سکتا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے ساحل پر چہل قدمی کرنا چاہتا تھا۔ دور سے سمندر جتنا حسین لگ رہا تھا۔ قریب سے اس سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ رات کا دھندلکا، سمندر کا تلاطم، آتی جاتی لہروں کا شور، ساحل کی ٹھنڈی ہوائیں، یہ ٹورسٹ ایریا تھا مگر اس وقت چونکہ اندھیرا پھیل چکا تھا اس لیے ساحل پر ان کے علاوہ چند ہی افراد نظر آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے وہاں خاموشی اور سکون بہت زیادہ تھا۔

"سردی تو نہیں لگ رہی؟" کچھ دیر چلنے کے بعد عباد نے اس سے پوچھا تھا۔ اس کا اشارہ اس کے پیروں کی طرف تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اسے ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پہ چلنا اس پل بے انتہا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں بہت دیر تک ساحل پر اسی طرح چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ وہاں سے عباد اسے ڈنر کرانے ایک ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔ ساحل سے ہٹ کے وہ سڑکوں پر آئے تو وہاں خوب رونق اور گہما گہمی تھی۔ ریسٹورنٹس، ہوٹلز اور آس پاس کی جگمگاتی دکانوں پر ٹورسٹس اور مقامی افراد کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑا خوب صورت سا ریسٹورنٹ تھا جہاں عباد اسے کینڈل لائٹ ڈنر کرانے لایا تھا۔ ان کا آرڈر کردہ کھانا انہیں سرو کر دیا گیا تب عباد نے اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ دور ہٹا کر اس کی پلیٹ میں اس کے ساتھ کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

دوسری میزوں پر بیٹھے افراد بغور عباد کو اور اسے دیکھنے لگے تھے۔ کچھ دلچسپی سے دیکھ رہے تھے' کچھ مسکرا کر۔ عباد سب کی نگاہوں سے بے نیاز سکون اور اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا' وہ کٹلری کا استعمال کم اور اپنے ہاتھوں کا استعمال زیادہ کر رہا تھا'

اس نے بیک ہوئے آلو کا ایک قتلہ اس کی طرف بڑھایا تھا' وہ پہلے ہی شرمندہ ہو رہی تھی اس حرکت پر مزید شرمندہ ہوئی۔

"عابی! سب لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں دیکھ رہے ہوں گے کہ ایک نیولی میرڈ کپل ہے جو ہنی مون پہ آیا ہوا ہے اور جس میں بڑی محبت ہے۔"

اس نے تو اس کے ہاتھ سے وہ بیک کیا ہوا آلو کھانے کے لیے منہ کھولا نہیں تھا لہٰذا اس نے آلو کا وہ ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔

"ہنی مون؟" اس نے اچنبھے سے عباد کو دیکھا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ شادی کے فوراً" بعد میاں بیوی ساتھ کہیں گھومنے پھرنے جاتے ہیں اسی کو ہنی مون کہا جاتا ہے۔ ہنی مون کے سر پر کوئی خاص قسم کے سینگ نہیں اگے ہوتے۔"

"واہ واہ! بڑے سستے میں جان چھڑا رہے ہیں آپ عباد عذیر! نیویارک سے carmel تک آ گئے اور ہنی مون ہو گیا؟" اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ ہلائے۔

"پھر آپ ہنی مون کیسے تسلیم کریں گی؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر متبسم لہجے میں بولا۔

"جب تم مجھے وینس لے کر جاؤ گے۔ پانیوں میں گھرا خوابوں جیسا شہر' وہاں کی gondola rade' اف کس قدر رومانٹک ہے venice جانے کا خیال ہی۔"

"چلو تو ہم دوسرا ہنی مون venice میں منالیں گے۔ جب تم پاکستان آ جاؤ گی' مما پاپا سے مل لو گی اور پاپا ہماری شادی کی خوشی میں ایک شاندار سا ولیمہ بھی کر چکے ہوں گے اس کے بود اپنے ... اور اپنے ہنی مون کے لیے ہم اٹلی چلے جائیں گے۔"

وہ اس آرام اور اطمینان سے بولا جیسے یہ سب تو چٹکی بجاتے ہو جاتا تھا۔ یہ کب' کیسے اور کس طرح پائے گا' اس نے عباد سے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اس سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ یہاں ان چھ دنوں کے دوران وہ دونوں کوئی فکر اور پریشانی میں مبتلا کرتی بات نہیں کریں گے۔

وہ عباد کی بات کے جواب میں یوں مسکرائی تھی جیسے اسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ بہت جلدی اسی طرح ہو بھی جائے گا جیسا وہ کہہ رہا تھا۔

کھانے کے بعد سڑکوں پر رونقیں اور جگمگاہٹیں دیکھتے وہ دونوں پیدل چلتے ڈاکٹر اینڈریو کے اس پرسکون سے cottage میں واپس آ گئے تھے۔ وہ دونوں سیدھے اس بیڈ روم میں آ گئے تھے اور آتے کے ساتھ اپنا سارا سامان یونہی چھوڑ کر وہ دونوں ساحل پر چلے گئے تھے۔ سوٹ کیسز میں سے نکال کر کپڑے الماری میں رکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ عباد اب بیگز میں سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھ رہا تھا وہ اپنے اور اس کے دونوں کے کپڑے الماری میں رکھ رہا تھا۔

وہ اس کی مدد کرانے کے لیے اس کے پاس آئی تو اس نے اسے فوراً" منع کر دیا۔

"رہنے دو تم تھک گئی ہو میں رکھ دوں گا۔"

اس نے یونہی تذکرتاً" ہی کھانا کھاتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ ساحل پر واک شاید کچھ زیادہ ہو گئی ہے تو اب اسی حوالے سے وہ اس کے تھک جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے ساحل پر کئی گھنٹے واک کی تھی مگر وہ ایسی نازک اندام بھی نہ تھی۔ وہ ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو اپنے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے بھی الماری میں رکھ رہا تھا۔

"تم بلاوجہ میرے نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے کیا بنانا چاہتے ہو عباد عذیر؟"

"جو تم چاہو بن جاؤ اور اب یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنے کے بجائے کپڑے بدل لو لیٹ جاؤ۔"

اس نے اپنا کھانا' وہ الماری کے پاس ہی تو کھڑی تھی سو اس کے عمل پیرا ہونے کے لیے فوراً" ہی الماری میں سے ابھی ابھی رکھے گئے کپڑوں میں سے عباد کی ایک ٹی شرٹ اور ایک ٹراؤزر اس نے کھینچ کر نکال لیا۔ گھر سے اپنے کپڑے لیتے وقت اس نے جینز' کرتے' ٹراؤزر شرٹس' سوئیٹرز وغیرہ سب کچھ رکھا تھا مگر اپنا کوئی سلیپنگ ڈریس' کوئی نائٹی کچھ نہیں رکھی تھی۔ کل رات عباد کے کپڑے پہن کر سونا اسے اتنا اچھا اتنا پیارا لگا تھا کہ تب ہی دل میں طے کر لیا تھا سوتے وقت تو وہ اسی کے ڈھیلے ڈھالے' اپنے سے ڈبل سائز والے کپڑے ہی پہن کر سوئے گی۔

عباد اپنے کپڑے نکالنے پر اسے مسکرا کر دیکھا ضرور تھا پر کہا کچھ نہیں۔ وہ ساحل پر گھنٹوں کی واک کی تھکن اتارنے' نہانے کے لیے گھس گئی تھی۔ کل وہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر کو پہنتی مشتاق تھی جبکہ آج مسکراتے ہوئے' دل میں بہت ساری خوشی محسوس کرتے ہوئے اس نے وہ کپڑے پہنے تھے۔ اس کے کپڑے پہن کر سونا اسے بہت اچھوتی' بہت اچھی خوشی دیتا تھا' وہ خود کو اس کے اور بھی زیادہ نزدیک محسوس کرنے لگتی تھی۔ وہ باہر آئی تو وہ اپنے اور اس کے کپڑے الماری میں رکھ کر فارغ ہو چکا تھا اور اب لیٹنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کھڑکی ابھی مت بند کرو ناں عابی! کچھ دیر میں اگر سردی لگی پھر بند کر دیں گے۔"

اس نے سمندر کے رخ پر کھلنے والی کھڑکی کو پھر کھول دیا کچھ پل وہیں کھڑے ہو کر اس نے اپنے سامنے سمندر کو دیکھنا اور محسوس کرنا چاہا۔ اس وقت ارد گرد گہری خاموشی اور تاریکی تھی۔ اس گہری خاموشی اور سکوت کو توڑتا سمندر کا شور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ واپس پلٹی تو وہ اپنا چہرہ ہاتھوں پر ٹکائے شعر گنگنا رہا تھا۔

اب یاد میں تیرا ساتھ نہیں' اب ہات میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

وہ بے چاری جس کا اردو شعر و ادب سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور اردو اشعار جس کے سر کے کئی فٹ اوپر سے گزر جایا کرتے تھے' اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں آیا ناں سمجھ میں؟" وہ اس کی شکل دیکھ کر ہنسا تھا۔

"کچھ کچھ سمجھ میں آیا ہے۔ ہجر کس کو کہتے ہیں؟" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"ہائے ہائے فیض صاحب! آپ کے اشعار کی یہ بے قدری۔ شکر ہے تمہاری شادی کسی ادبی ذوق رکھنے والے بندے سے نہیں ہوئی۔ وہ بے چارہ تمہارے حسن کی شان میں یا تم سے محبت کے اظہار میں خوب لمبی لمبی غزلیں سناتا اور تم آخر میں اسی طرح معصومیت سے کسی لفظ کا مطلب پوچھ کر اس کے سارے رومینٹک موڈ پر اوس گرا دیا کرتیں۔ سچ ہے' بندہ کسی جاہل سے شادی نہ کرے۔"

"خود کو جاہل کہلائے جاتے پر اس نے بیڈ پر رکھے دو تین کشن اور تکیے اس کے اوپر پھینکے تھے جنہیں بصد اطمینان اس نے کیچ کر لیا تھا۔

"ارے ارے میں اجنبیہ عباد کو جاہل کہنے کی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں۔ اچھا ادھر تو آؤ میں تمہیں ہجر کے معنی بتاتا ہوں۔"

وہ مصنوعی ناراضی سے منہ پھلائے اس کے پاس آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح سویرے وہ اس کے پاس سے اٹھ کر گیا' اسے پتا چل گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ واپس آیا۔ اور اس کے سرہانے اس نے پھول لا کر رکھے اسے تب بھی پتا چل گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ پھول رکھنے کے لیے اس کی طرف جھک کر کھڑا تھا۔ جنیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے جاگتا دیکھ کر اس کا منہ بن گیا تھا۔

"ایک تو تم اس طرح اٹھ کر سارا مزا ختم کر دیتی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تم سو کر اٹھو اور پھر ان پھولوں کو دیکھو

مگر کتنی بھی خاموشی سے آؤں تمہیں پتا چل جاتا ہے۔ کل بھی تم اٹھ گئی تھیں ناں؟"

"ہاں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تمہاری نیند بہت چوکس ہے یا صرف میرے آنے ہی کا اس طرح پتا چل جاتا ہے۔"

"صرف تمہارے آنے کا پتا چلتا ہے، تم سے محبت بہت زیادہ ہے ناں۔" اس نے جواب تو شرارتی لہجے میں دیا تھا، مگر تھا تو یہ سچ ہی ناں۔ وہ کتنی بھی گہری نیند سو رہی ہوتی وہ اس کے پاس سے اٹھتا یا اس کے پاس آتا اسے "فوراً" پتا چل جاتا تھا۔ اس کی اپنے قریب موجودگی کا تعلق شاید اس کے دل کے کسی ایسے خاص گوشے سے تھا، جو بڑا حساس اور برق رفتار تھا، وہ اسے عباد کی اپنے قریب موجودگی کی "فوراً" خبر دے دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے قریب رکھے ان پھولوں کو دیکھا، پھر گھڑی کو جو پونے سات بجا رہی تھی اور پھر اس کو۔ پتا نہیں اتنی صبح صبح وہ یہ پھول کہاں سے خرید کر لایا تھا۔ آج سرخ گلاب نہیں تھے کچھ اور پھول تھے مگر تھے بہت خوب صورت۔ اس نے انہیں گلدستے کی شکل تو دلوائی تھی مگر انہیں کسی پلاسٹک میں نہیں بند ہوایا تھا۔ وہ ان پھولوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی تھی۔

"ادھر ہو، تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دو۔" مسکرا کر پھولوں کو دیکھتے اس نے تھوڑا سا سرک کر اس کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ اسی کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے پاس لیٹ گیا تھا۔

"تم پھول کیوں لاتے ہو عابی؟" پھولوں کو اپنے سینے پر رکھتے ہوئے اس نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس لیے کہ میرے نصیب میں اللہ نے جو لڑکی لکھی ہے وہ ذرا رومینٹک ٹائپ کی ہے۔ اسے میں قیمتی سے قیمتی جیولری تحفے میں دوں وہ اس سے اس طرح خوش نہیں ہو گی جس طرح ان پھولوں سے ہوتی ہے۔"

وہ ہنس کر بولا۔ تو وہ ہنستے وقت نمایاں ہوتے اس کے ڈمپل کو دیکھنے لگی۔ اس نے بے ساختہ اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے عابی! میں جنت میں ہوں۔ ایسی جگہ جہاں کوئی غم نہ ہو کوئی فکر نہ ہو۔ صرف خوشی ہو وہ جگہ تو صرف جنت ہی ہوتی ہے ناں؟"

عباد نے اپنے ڈمپل پر رکھی اس کی انگلی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے انگلی وہاں سے اٹھا لینے سے روکا تھا۔ ہبہ کی یہ بے ساختہ ادا اسے بہت پیاری لگی تھی۔ اپنے features میں اس نے اس ڈمپل کو کبھی پسند نہیں کیا تھا، ڈمپل تو صرف لڑکیوں کے چہرے پر اچھا لگتا ہے، مگر وہ جب بھی اس کے ڈمپل کو اس طرح دیکھ رہی ہوتی اسے بے اختیار اپنے چہرے کے تمام نقوش میں سب سے پیارا وہ ڈمپل ہی لگنے لگتا تھا۔ اسے انگلی ہٹانے سے روکنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔

"تم چاہو تو اسے ایک مصنوعی اور دنیاوی جنت کہو لو کیونکہ اصلی جنت تو اس سے بہت بڑھ کر اچھی ہو گی وہاں یہاں سے بھی زیادہ خوشیاں ہوں گی۔ وہاں صبح تمہارے لیے پھول ڈھونڈنے مجھے سڑکوں کی خاک تو نہیں چھانی پڑے گی۔ بس اپنے عالیشان محل کے باغات میں نکلا اور وہاں سے جو پھول اور جتنے دل چاہا تمہارے لیے لے آیا۔" اس نے سنجیدگی سے اسے فرق سمجھایا۔ اس کی آنکھیں بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"آپ نے جنت کا کوئی خوشگوار تصور پیش نہیں کیا ہے عباد عذیر۔ وہاں پر بھی میرے ہی لیے پھول لایا کریں گے؟ دنیا میں نیک اعمال کرو، سیدھے راستے پر چل کر زندگی گزارو اور اتنی مشقت کے بعد جنت میں ملے تو وہی ہبہ، سجاد چہ چہ۔ زیادہ نہ سہی جنت میں اپنے لیے کم از کم انجلینا جولی، ماریا شراپوا یا ایشوریا رائے جیسی کسی حسینہ کا ساتھ مانگو۔ میں اتنی متقی بن کر زندگی گزاروں کہ جنت کی حقدار قرار پا سکوں تو بریڈ پٹ، ڈیوڈ بیکہم۔ یا راجر فیڈرر جیسے کسی ہینڈسم بندے کی امید تو ضرور رکھوں گی۔ نیکیوں کا صلہ بندے کو کچھ ایسا تو ملے جو دنیا میں ناقابل رسائی لگتا رہا ہو۔" وہ ہنستے ہوئے مزے سے بولی۔

"پھر میں آپ پر افسوس ہی کر سکتا ہوں ہبہ عباد! آپ کی محبت ابھی میری محبت جتنی شدید اور سچی نہیں ہوئی ہے کیونکہ مجھے تو اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی اس زندگی میں بھی اور اس زندگی میں بھی صرف ہبہ عباد چاہیے اور کوئی بھی نہیں۔"

بولتے بولتے وہ یکدم ہی بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہیے۔ اگر واقعی میرا نامۂ اعمال مجھے جنت میں لے جا سکا تو میں تو اس وقت تک وہاں قدم نہیں رکھوں گا جب تک تم وہاں نہیں ہو گی۔" شدت جذب سے بولتے اس نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"جنت خوشی کی جگہ ہے ناں، وہاں ہماری ہر خوشی ہر خواہش پوری ہو گی تو میں تو اللہ سے کہوں گا یہ لڑکی جس کے اعمال چاہے جنت میں جانے والے نہیں ہیں مگر چونکہ میں اس کے بغیر خوش رہ نہیں سکتا اس لیے اپنے میرے طفیل میرے لیے جنت میں جانے کی اجازت دے دیجیے۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے گھور کر دیکھا۔ پل بھر کے لیے در آئی سنجیدگی اس کے لہجے سے رخصت ہو چکی تھی، وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"عباد عذیر تم انتہائی برے آدمی ہو۔"

کچھ اور ہاتھ نہیں آ سکا تھا تو اس نے وہ پھول ہی اس کے اوپر پھینکے تھے۔

✡ ✡ ✡

ناشتے کے بعد وہ دونوں پھر ساحل پر آ گئے تھے۔ ناشتہ عباد نے بنایا تھا۔ تمام سہولیات کے ساتھ cottage میں کچن تو موجود تھا ہی، ناشتے کا سارا سامان عباد جا کر خرید لایا تھا اور پھر خود بنا کر اسے ناشتہ کرایا تھا۔ ہر چند کہ اس نے ناشتہ بنانا چاہا تھا کہ ہمیشہ وہی اسے پکا کر کھلاتا ہے، کبھی وہ بھی تو اسے کچھ بنا کر کھلائے مگر اس کے بہت کہنے پر بھی عباد نے اسے ناشتہ نہیں بنانے دیا تھا۔

"بہت زندگی پڑی ہے تم سے خدمت لینے کے

لیے۔ بے فکر رہو' اتنا اچھا نہیں ہوں' یہ ہنی مون پیریڈ ختم ہو گا تو تم سے اپنی خوب خدمتیں کرواؤں گا۔ ابھی چند دن تم عیش کرلو۔"

"جب وہ وقت آئے گا تب تک تم میرے غیر ضروری ناز نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے اتنا بگاڑ چکے ہو گے کہ پھر میں کسی کام کے قابل نہیں رہوں گی۔ خیر سے ابھی سے اتنی بری بری عادتیں پڑنا شروع ہو گئی ہیں۔ ڈر ہے کچھ دنوں بعد میں تمہیں بیٹھے بیٹھے آرڈر نہ دینے لگوں۔ "عالی! میرے لیے ایک کپ کافی تو بنالاؤ۔" وہ خوف سے جھرجھری لے کر کانپی۔

"ہائے اللہ عالی! اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا۔ مما تو پہلی ملاقات میں مجھے فورا" بدتمیز قرار دے کر reject کر دیں گی۔ سب تمہارا قصور ہے تم مجھے اچھی بھلی نیک بچی کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ اس مستقبل کے منظر نامے پر ہنستا اس کے لیے ناشتہ بنا تا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ دونوں بس اتنی دیر cottage میں رکے تھے جتنی دیر انہیں تیار ہونے میں لگی تھی۔ اب اس وقت وہ دونوں کل ہی کی طرح ہاتھ تھامے ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ دن کی روشنی میں ساحل کی چکنی سفید ریت واقعی شیشے ہی کی مانند چمک رہی تھی۔ کل رات کے برخلاف اس وقت ساحل پر بہت گہما گہمی تھی۔ زیادہ تعداد ٹورسٹ کی ہی تھی جو ساحل اور سمندر پر اپنی اپنی من پسند سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ بچے کھیل رہے تھے' کچھ لوگ تیراکی کر رہے تھے' کچھ چھتری تان کر کرسی پر نیم دراز بیچ پر کوئی کتاب پڑھ رہے تھے' کچھ سن باتھ لیتے اپنی جلد کو براؤن کرنے پر کمربستہ تھے۔ ابھی سورج نکلا ہوا تھا' اس لیے سردی نہیں تھی' ہاں جیسے جیسے دن ڈھلتا ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے انتہائی مختصر سوئمنگ کاسٹیوم میں ملبوس حسین لڑکیوں سے نظریں ہٹائے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اسے چھیڑے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

"تم پچھتا رہے ہو گے اس وقت مجھے اپنے ساتھ یہاں لا کر۔ دل میں سوچ رہے ہو گے کاش اس وقت تم یہاں اکیلے ہوتے۔"

"ہاں سوچ تو یہی رہا ہوں۔" اس نے ہنس کر اس کی تائید کی۔

"اگر کہو تو میں گھر چلی جاتی ہوں' تم کچھ دیر یہاں اکیلے انجوائے کرلو۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"نہیں' یہ زحمت مت کرو۔ جب کبھی میں کسی ایسے انجوائے منٹ کے موڈ میں ہوا کروں گا تو تمہیں ساتھ لایا ہی نہیں کروں گا۔ تم بیویاں تو ویسے بھی بڑی معصوم ہوتی ہو' میٹنگ ہے' آفیشل کام ہے' ہزار جھوٹ ہیں جن کا فورا" یقین بھی کرلیا جاتا ہے۔"

"تم میرے ساتھ جھوٹ بولا کرو گے؟"

"ہمیشہ نہیں کبھی کبھی مصلحتا" ایسی ہی کسی ایکٹیویٹی اور انجوائے منٹ کے لیے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم میرے علاوہ کسی اور کو دیکھ کر تو دکھو۔"

وہ زور سے چلائی تھی۔ کچھ نوعمر نوجوان لڑکے تھے 16'17 سال کے' جو وہاں فٹ بال کھیل رہے تھے' ان کی فٹ بال ان کے قریب آکر گری تو حسب عادت وہ بجائے بال انہیں اچھال کر واپس کرنے کے بال کو پیروں سے کک مارتا ان کے ساتھ کھیلنے لگا شروع میں ان لڑکوں نے اپنے کھیل میں زبردستی مداخلت کرتے اس شخص کو ناپسندیدگی سے دیکھا' مگر جب وہ ان سے بھی زیادہ پھرتی سے دوڑا اور بال ان میں سے کسی کو بھی اپنے پاس سے چھیننے ہی نہ دی تو خود بخود ہی مقابلے پر آمادہ ہوتے وہ سب لڑکے اس سے بال چھین لینے کی دھن میں اس کے ساتھ کھیلنے لگے تھے۔ وہ کافی دیر تک ان کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔ وہ کھیل ختم کرکے واپس ہنیہ کے پاس آ رہا تھا جو ساحل پر ایک طرف بیٹھی اسے کھیلتا ہوا دیکھ رہی تھی' اور وہ سب لڑکے اس سے مزید کھیلنے کے لیے اصرار کر رہے تھے۔ کھیل ختم کرنے کے بعد اس کا ان سب سے باقاعدہ تعارف ہوا تھا' اور پھر کل یہیں ان کے ساتھ کھیلنے کا وعدہ کر کے وہ واپس اس کے پاس آ رہا تھا۔ کس طرح منٹوں میں بچی کی طرح کے دوستی ہو جاتی تھی۔ اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتا وہ اس کے پاس آگیا تھا۔

"ڈیوڈ بیکہم جتنا اچھا نہیں ہوں مگر اتنا برا بھی نہیں ہوں۔" وہ اس کے صبح گنوائے گئے ناموں کا حوالہ دے رہا تھا۔

"اوہ تو یہ کوشش مجھے امپریس کرنے کے لیے کی جا رہی تھی؟" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"اب اس کے بعد کیا مجھے متاثر کرنے کے لیے ٹینس بھی کھیل کر دکھاؤ گے' تاکہ آئندہ میں راجر فیڈرر کا نام نہ لوں؟"

"ٹینس میں اچھا نہیں ہوں' ورنہ شاید کھیل کر دکھا ہی دیتا۔" وہ دوبارہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"ویسے عالی! یہ راجر فیڈرر واقعی کتنا ہینڈسم لگتا ہے نا۔ اتنی پیاری سی شکل ہے اس کی۔"

"ہنیہ۔" اس نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا تھا اور اس نے ہنستے ہوئے فورا" ہاتھ جوڑ کر "راجر فیڈرر' ڈیوڈ بیکہم' بریڈپٹ ان سب سے زیادہ ہینڈسم تم ہو۔" کہا پھر زیرلب ٹکڑا جوڑا۔

"ان میں سے کسی سے ملنے کا امکان نہیں ہے اس لیے کیا کریں تمہیں کو ہینڈسم قرار دینا پڑے گا۔" وہ باز نہیں آئی تھی۔

لنچ تک وہ دونوں ساحل پر رہے تھے۔ لنچ کے لیے اس نے عباد کو کوئی ہائی فائی فینسی ریسٹورنٹ یا ہوٹل منتخب نہیں کرنے دیا تھا۔ جس طرح کی حرکتیں وہ کل ڈنر پر کرتا رہا تھا اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ وہ کسی عام سے ریسٹورنٹ یا فاسٹ فوڈ آؤٹ لیٹ پر کھانا کھائیں۔ وہ بیچ پر بنے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں آگئے تھے۔ جہاں اندر بیٹھنے کے ساتھ باہر چھتریوں تلے بھی میزیں' کرسیاں موجود تھیں کہ جو کھلے آسمان تلے سمندر کی لہروں کا نظارہ کرتے کھانا کھانا چاہے تو شوق سے تناول فرمالے۔

وہ دونوں بھی باہر ہی چھتری تلے ایک میز پر بیٹھے تھے۔ حسب سابق عباد اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہا تھا' چھری' چمچ کانٹے سے زیادہ وہ اپنے ہاتھ کا بے تکلفانہ استعمال کر رہا تھا' اپنے ہاتھوں سے نوالے اس کے منہ میں ڈال رہا تھا مگر کم از کم یہ اتنی فارمل جگہ نہ تھی اور یہاں ایسا کرنا آکورڈ نہیں لگ رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں carmel کی شاپس اور اسٹورز explore کرنے نکلے تھے۔ چونکہ یہ جگہ سارا سال ٹورسٹس سے بھری رہتی تھی چنانچہ یہاں کے اسٹورز' بوتیکس دکانیں سب بڑی شاندار اور نفیس تھیں کہ سیاح اپنی ساری جیب خالی کر کے ہی carmel سے واپس لوٹیں۔ اس نے کیتھی اور ہائیک کو تحفے میں دینے کے لیے چند souvenirs خریدے تھے۔ عباد نے اپنے مما' پاپا کے لیے کئی تحفے خریدے تھے۔ اس نے اپنے پاپا کے لیے ایک سوئٹر' شرٹ اور کچھ ٹائیاں خریدی تھیں اور اپنی مما جنہیں وہ کہتا تھا بجنے سنورنے کا بہت شوق ہے ان کے لیے جیولری' کاسمیٹکس۔ اس نے ہنیہ کے اور اپنے لیے ایک جیسی دو ٹی شرٹس خریدی تھیں۔ آسمانی رنگ کی جن کے سامنے I'm crazy about u بہت نمایاں لکھا ہوا تھا۔ دونوں ٹی شرٹس بالکل ایک جیسی تھیں' فرق صرف ان کے sizes میں تھا۔ عباد نے اسے straws والا Beach پر پہننے والا ایک بڑا سا ہیٹ بھی خرید کر دیا تھا۔

انہیں شاپنگ کرتے کرتے شام ڈھلنے لگی تھی۔ شاپنگ کے بعد رات کھانے تک کا وقت انہوں نے وہاں کی ایک آرٹ گیلری میں گزارا تھا۔ پینٹنگز میں انہیں دلچسپی ہو نہ ہو مگر اس آرٹ گیلری کا شاندار آرکیٹکچر ان دونوں سول انجینئرز کے لیے بے حد دلچسپی کا باعث تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح کا آغاز بھی گزشتہ روز ہی کی طرح ہوا تھا۔ وہ ویسے ہی صبح سویرے اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا' ویسے ہی پھول لے کر اس کے پاس آیا تھا' اور وہ ویسے ہی اس کے پھول رکھنے کے ساتھ ہی اسے آنکھیں

کھول کر دیکھنے لگی تھی۔

"لڑکی! کبھی تو ایسا ہو کہ میں پھول رکھوں اور تم سوتی رہو۔" وہ اس کے ساتھ اسی کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

"تم کب اٹھے تھے؟"

"کیوں آج میرے اٹھنے سے تمہاری آنکھ نہیں کھلی تھی؟" وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کھلی تھی پر میں نے گھڑی میں وقت نہیں دیکھا تھا۔" اس نے ان پھولوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

"آنکھ کھل جاتی ہے تو اٹھ بھی جایا کرو۔ پتا ہے کل بھی اور آج بھی میں نے ساحل پر کھڑے ہو کر سورج طلوع ہونے کا منظر دیکھا ہے۔ اینڈ بلیو می ہنی! اس سے خوب صورت منظر میں نے آج تک اور کوئی نہیں دیکھا۔"

"طلوع ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو چلو غروب ہوتا ہوا دیکھ لیں گے۔" وہ تکیے سے سر ہٹا کر اس کے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

"نہیں غروب ہوتا ہوا نہیں۔ غروب ہوتا ہوا سورج مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بلاوجہ ہی دل اداس سا ہو جاتا ہے اس وقت۔"

"اچھا تو ہم کل طلوع ہوتا ہوا سورج ساتھ دیکھ لیں گے۔" وہ ان پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے بولی۔

"عالی! تم اتنی صبح صبح یہ پھول کہاں سے لاتے ہو؟" وہ اس کے سوال پر شرارتی سے انداز میں مسکرایا۔ جواباً بولا کچھ نہیں۔

"اتنی صبح صبح تو کوئی فلاور شاپ بھی نہیں کھلی ہوئی ہوگی۔" اس کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھتے وہ بول رہی تھی تب اچانک ہی اس کے لبوں سے چیخ نما انداز میں نکلا۔

"مائی گاڈ عالی! تم یہ پھول کہیں سے چرا کر لاتے ہو؟"

"اپنے معزز اور محترم شوہر کے متعلق اتنے برے گمان؟ خرید کر نہیں لاؤں گا تو کیا صرف چرا کر ہی لا سکتا ہوں؟ جن کے یہ پھول ہیں کیا ان کی اجازت سے توڑ کر نہیں لا سکتا؟"

اس کی حیرت کو انجوائے کرتا وہ اسے ہنستے ہوئے بتا رہا تھا کہ یہاں ان کے کاٹیج کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سب سے آخری کاٹیج ہے، وہاں ایک امریکی کپل رہتا ہے، جو سال کا بیشتر حصہ یہیں گزارتا ہے۔ کل عباد صبح سویرے اس کے لیے پھولوں کی تلاش میں نکلا تو اس cottage کے اندر اور باہر ہوئی گارڈننگ نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی وقت اس کی ملاقات اس کاٹیج کے مالک سے ہو گئی جو ساحل کی طرف جاگنگ کے لیے جا رہا تھا۔ آگے کی کہانی عباد کے بتانے سے قبل ہی اسے معلوم تھی۔ حسب عادت عباد کی فوراً ہی اس امریکن سے دوستی ہو گئی ہوگی اور عین ممکن ہے کہ اس امریکی بندے نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کاٹیج میں لگے پھول توڑ کر اور ان کا گلدستہ بنا کر عباد کو دیے ہوں۔

"میں نے اسے یہ بتایا کہ یہ پھول مجھے اپنی نئی نویلی دلہن کو دینے ہیں تو اس نے بخوشی مجھے یہ اجازت دی کہ میں روز صبح بلکہ جس وقت بھی میرا دل چاہے اس کے کاٹیج سے آ کر پھول توڑ سکتا ہوں۔"

"تمہاری اتنی جلدی سب سے اتنی اچھی دوستی کیسے ہو جاتی ہے عالی؟" اس نے ہنستے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے تھے، جیسے وہ خود اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں کل ہی کی طرح پورا دن گھومنے پھرنے کے ارادے سے باہر نکلے تو ان دونوں نے وہ ایک سی ٹی شرٹس، بلیو کلر کی جینز کے ساتھ پہن رکھی تھیں۔ آج کل یہاں دن کے وقت موسم ایسا رہتا تھا کہ کبھی سوئٹر کی ضرورت ہوتی، کبھی بالکل نہ ہوتی لہٰذا انہوں نے سوئٹر پہنا نہیں تھا، البتہ ساتھ ضرور لیا تھا۔ وہ اب عموماً جینز، ٹی شرٹس، پینٹ شرٹ یا لانگ اسکرٹس نہیں پہنتی تھی، جب سے عباد نے اسے وہ سبز سوٹ تحفے میں دیا تھا اور اسے یہ پتا چلا تھا کہ وہ اسے پاکستانی لباس میں زیادہ اچھی لگتی ہے تب سے وہ اسی طرح کے ملبوسات زیادہ پہنا کرتی تھی۔

یا پینٹس پہنتی بھی تو کرتوں کے ساتھ۔ پاکستانی انڈین لڑکیوں میں مقبول عام کڑھے ہوئے اونچے کرتے جن کے ساتھ وہ ہم رنگ اسکارف لے لیا کرتی۔ مگر اب عباد نے وہ ٹی شرٹس خریدی تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ وہ دونوں اسے ایک ساتھ پہن کر باہر جائیں۔ اس نے کرتے کی جگہ وہ ٹی شرٹ پہن لی تھی، ہاں گلے میں ریڈ اور بلیو پھولوں والا پرنٹڈ اسکارف ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

اس نے اپنے بال عباد کی خواہش پر کھلے رکھے ہوئے تھے اور سر پر straw ہیٹ پہن لیا تھا۔ وہ منگل کے روز یہاں آئے تھے، آج جمعرات تھی۔

عباد کے ساتھ ساحل پر چہل قدمی کرتے وہ بلاوجہ دن گننے لگی۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار، سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ مگر چونکہ ہلکی ہلکی خنکی تو اس وقت بھی تھی اس لیے دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ساحل پر آج بھی سیاحوں کا رش تھا۔ وہ غول کی صورت اڑتے آبی پرندوں ــــ کو دیکھ رہی تھی۔

جمعہ، ہفتہ، اتوار تین دن۔ عباد اس کا ہاتھ تھامے اسے یہ بتا رہا تھا کہ آس پاس موجود لوگ ان کے ایک سے لباس کو پسند کر رہے ہیں، "انہیں شاندار کپل قرار دیتے دل ہی دل میں admire کر رہے ہیں" ان کی ٹی شرٹس پر لکھا I m crazy about u بھی لوگوں کی توجہ کھینچ رہا ہے۔ وہ اس کی باتیں بے دھیانی سے سنتی دنوں کے بعد گھنٹوں کو گننے لگی تھی۔ عباد چلتے چلتے رک گیا، اس نے بغور اسے دیکھا۔

"تم میری بات نہیں سن رہیں، کہیں اور پہنچی ہوئی ہو اس وقت۔"

"نہیں عالی! میں سن رہی ہوں۔"

"اچھا بتاؤ میں کیا کہہ رہا تھا؟" وہ گھنٹوں اور دنوں کی گنتی بھلا کر مسکرائی۔

"8th گریڈ میں میرے maths کے ٹیچر کو اگر یہ [illegible] ہوتا کہ ہم ان کی بات توجہ سے نہیں سن رہے تو بالکل اسی طرح بولا کرتے تھے۔"

"بات مت بدلو۔ بتاؤ مجھے میں کیا کہہ رہا تھا۔ پتا تو چلے تم میری بات کتنی توجہ سے سن رہی تھیں۔" وہ ناراضی سے اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"خیر! کہہ تو میں اس وقت کچھ اور رہا تھا مگر بہرحال یہ بات بھی سچ ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"تمہیں پتا ہے منیہ عباد میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟"

"کتنی؟"

"تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں اتنی۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کے سامنے کہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"تو کہو ناں، تمہیں روکا کس نے ہے۔"

وہ دونوں ایک جگہ کھڑے تھے۔ کنارے پر آتی لہریں ان کے قدموں سے ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں۔

"تمہیں لگ رہا ہے میں نہیں کہہ سکتا؟" وہ اس کے مذاق اڑاتے انداز پر قدرے خفگی سے بولا۔ وہ اس کے برابر سے ہٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس سے ایک قدم کے فاصلے پر اور پھر قبل اس کے کہ وہ اس کا ارادہ جان پاتی وہ اپنی پوری قوت سے بہت زور سے چلایا۔

"ہنی!" ساحل پر موجود لوگوں کے ہجوم نے اس پکار کو سنا تھا، کئی لوگوں نے گھوم کر ان دونوں کو دیکھا تھا، جبکہ کئی ابھی گردن ادھر ادھر گھما کر اس پکار کا مرکز تلاش کر رہے تھے۔

"I love you۔" اس کے لفظوں کی بازگشت ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس نے پھر انہیں چار لفظوں کو اسی طرح چلا کر دہرایا۔

"Honey! I love you۔"

مانا کہ وہ امریکہ میں تھے، وہاں اس Beach پر اس وقت جیسے جیسے نظارے دیکھنے کو مل رہے تھے ان کے آگے عباد کی یہ حرکت تو انتہائی بے ضرر اور معصومانہ سی تھی پھر بھی وہ بری طرح جھینپ گئی تھی، اس کا چہرہ

حقیقتاً" سرخ ہو رہا تھا۔

"عالی! بس کرو۔" شرم سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اسے مزید تکرار سے روکا۔

وہ اپنے گردوپیش تمام لوگوں کی توجہ خود پر اور عباد پر محسوس کر رہی تھی۔ ساحل پر ان کے آس پاس موجود تمام ہی افراد بغور انتہائی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے پیچھے بیٹھی ایک فیملی جس میں ہر عمر کے مرد' خواتین اور بچے شامل تھے' ان میں سے سب سے عمر رسیدہ خاتون کو غالباً" عباد کی جی داری اور بہادری نے بے تحاشا متاثر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر باقاعدہ تالیاں بجا کر عباد کو شاباش دی تھی' ان کی دیکھا دیکھی ان کی فیملی کے باقی افراد نے بھی تالیاں بجا کر عباد کو شاباشی کیا تھا۔

وہ اپنی تعریف پر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا جبکہ وہ اسے وہاں سے کہیں اور چلنے کے لیے گھسیٹ رہی تھی۔ بڑی مشکلوں سے وہ اسے وہاں سے لا پائی تھی۔ وہ اس کی خفت زدہ شکل دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"فضول لگ رہے ہو اس طرح ہنستے ہوئے۔ اپنی بچکانہ حرکت پر خوش ایسے ہو رہے ہو جیسے کوئی کارنامہ کیا ہے۔" وہ اس کے ہنسنے پر جھنجلا کر بولی۔

"کارنامہ تو ہے سوئٹ ہارٹ! تم بول کر دکھا دو اتنے سارے لوگوں کے بیچ یہ بات۔"

"مجھے کیا پڑی ہے ایسی احمقانہ حرکت کرنے کی۔"

وہ اس کی شکل دیکھتا ہنس رہا تھا۔

"تمہیں لگ رہا تھا میں نہیں بول سکوں گا' ہے ناں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"جو بندہ کچھ عرصے پہلے تک publiclly میرا ہاتھ پکڑ لینے تک سے جھجکتا تھا' اس سے میں ایسی بولڈنیس کی امید رکھ بھی کیسے سکتی تھی۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی عباد سے وجہ نہ پوچھ پائی مگر آج کل وہ لوگوں کے بیچ ہجوم کے درمیان اس کی کمر کے گرد ہاتھ پھیلا لیتا' اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اسے اپنے بالکل نزدیک کر لیتا' ایسے جیسے وہ لوگوں کے درمیان نہیں بلکہ تنہا ہیں' وہ اسے اپنے اتنے قریب رکھ کر چلتا' بیٹھتا۔ امریکہ میں چاہے یہ کوئی حیرت تعجب کی بات نہ تھی مگر عباد کی شخصیت کے لحاظ سے محبت کا اتنا واضح اور کھلا اظہار بہت زیادہ مختلف تھا۔

اس کی محبت میں آج کل ہنیہ کے لیے بے پناہ شدتیں تھیں اور وہ ان شدتوں کو اکیلے میں بھی لوگوں کے سامنے بھی ہر طرح ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟ وہ وہی عباد تھا مگر پھر بھی کچھ مختلف سا ہو رہا تھا ان دنوں' نجانے کیوں رات ریسٹورنٹ میں کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے وہ اس کے بالوں کے قدرتی کرلز کی تعریف کرتا' اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تھا۔ اس کے اوپر سے سلکی بال جو نیچے قدرتی طور پر کرلی سے ہو جاتے تھے ان کرلز کو باتیں کرتے اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹنے لگا تھا۔

وہ اتنے لوگوں کے بیچ اس کی اس حرکت پر بلش ہو رہی تھی۔ مگر وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ریسٹورنٹ میں ان دونوں کے علاوہ کوئی موجود ہی نہیں ہے۔

"دنوں کی گنتی ابھی سے مت شروع کرو۔ ابھی ہمارے پاس جمعہ اور ہفتہ کا پورا دن اور پوری رات بچی ہے۔"

رات جب وہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر جسے اب اپنا مستقل سلیپنگ ڈریس بنا چکی تھی پہن کر اس کے برابر آ کر لیٹی تب اس کے بالوں میں چہرہ چھپا کر وہ اس سے آہستگی سے بولا۔ وہ ایک پل کے لیے بالکل چپ رہ گئی تھی۔ پورا دن غیر سنجیدگی سے گزار کے اب وہ اس کے بالوں پہ چہرہ رکھے اسے یہ بتا رہا تھا کہ وہ دوپہر سے اس کی سوچ سے آگاہ تھا۔ وہ دل میں دنوں اور گھنٹوں کو گن رہی تھی اور وہ اس گنتی کو اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

پوری رات وہ دونوں جاگے تھے۔ بیچ بیچ میں کئی بار یہ بات ہوئی تھی کہ بہت دیر ہو گئی ہے اب سو جانا

چاہیے مگر سونے کا دل دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ یوں صبح ہوتے کہیں وہ دونوں سوئے تھے۔
اتنی دیر سے سونے کا نتیجہ لازمی یہی نکلنا تھا کہ پھر دن چڑھے تک وہ دونوں سوتے رہے تھے۔ سو کر اٹھے تو معزز لوگوں کے ناشتے کا وقت ختم ہو چکا تھا لوگ اب اپنے لنچ کی تیاریوں میں مصروف تھے، سو فیصلہ یہاں بھی یہی ہوا تھا کہ لنچ ہی کر لیا جائے۔
وہ لنچ کی تیاری کے لیے کچن میں جا رہا تھا، ننھی بھی اس کے ساتھ کچن میں جانا چاہتی تھی۔ "تم لیٹی رہو۔"

"لیکن میں تمہاری ہیلپ کرانا چاہتی ہوں۔"
"لیکن میں تمہاری ہیلپ لینا نہیں چاہتا۔" وہ اس کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔
"عباد عذیر! یہ جو لاڈ پیار میں تم مجھے بگاڑ کر میرا ستیاناس کر رہے ہو اس پر بعد میں سر پکڑ کر پچھتاؤ گے۔ تب تک میں اتنی بگڑ چکی ہوں گی کہ سدھرنے کے کوئی امکان نہیں رہ گئے ہوں گے۔" اس نے اسے وارننگ دی۔
"کوئی بات نہیں، میرے لیے ننھی عباد بگڑی ہوئی بھی چلے گی۔" وہ اسے واپس لیٹنے پر مجبور کر کے خود کچن میں چلا گیا تھا۔
گھنٹے بعد وہ کھانا ٹرے میں لگا کر کمرے ہی میں لے آیا تھا۔ وہ اس کے حکم کے مطابق بستر پر کمبل میں گھسی لیٹی تھی۔ انتہائی سستی اور کاہلی کے ساتھ۔
"پاستا بنا لیا میں نے" میں نے کہا یہ جھٹ پٹ بن جائے گا، تم vegetarian کی وجہ سے صرف سبزیاں چیز اور مشروم ڈالے ہیں اس میں، اور کچھ نہیں۔"
وہ ٹرے لے کر بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔
"تھوڑا اب، پاستا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"
"لیکن میرا تو اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا۔ اتنی تھکن ہو رہی ہے عالی! مجھے کھانا تم کھلاؤ نا؟"
وہ ناک چڑھا کر بہت نخرے سے بولی۔ ایسے جیسے وہ اس کی بات کا چھپا مفہوم اور طنز سمجھا ہی نہ ہو، اس نے فورک میں بہت سارا پاستا بھر کر نوالہ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے لمبا نوالہ کھول کر پاستا منہ میں ڈالا اور کے بعد نوالے کو چبانا شروع کیا۔
"اف عالی۔" اس نے پھر بہت تھکی ہوئی اور شکل بنائی تھی۔
"مجھے تو نوالہ چباتے ہوئے بھی اتنی تھکن ہو رہی ہے۔"
"اڑالو میرا مذاق۔ ایسا محبت کرنے والا ڈھونڈو گی تو پوری دنیا میں میرے علاوہ کوئی نہیں ملے گا۔"
"محبت کرنے والا یا محبت میں سوا ستیاناس کرنے والا۔ اللہ میرے حال پر رحم کرے مما، پاپا کے سامنے پہنچنے سے پہلے میں کم از کم وہ نکمی، ناکارہ اور نخریلی ہرا نہ بنوں، جو سر توڑ کوششیں کر کے تم مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"
وہ ہنستے ہوئے اس کے منہ میں دوسرا نوالہ ڈالنے لگا تھا۔ اس نے صرف طنز کرنے کے لیے لیٹے لیٹے اس کے ہاتھ سے کھانے کی فرمائش کی تھی جبکہ اس کے بعد اس نے حقیقتاً اسے اپنے ہاتھ سے ہی کھانا کھلایا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ ضرور گئی تھی مگر اسے پاستا کھلا وہ رہا تھا۔ ایک نوالہ اس کے منہ میں ڈالتا، پھر ایک اپنے منہ میں۔ یوں وہ پاستا کھایا گیا تھا۔ نمکین کے بعد بطور سوئٹ ڈش وہ ایک بڑے سے پیالے میں چاکلیٹ آئسکریم کے کئی اسکوپس بھر کر لے آیا تھا۔
چاکلیٹ آئس کریم کو مزید مزے دار بنانے کے لیے اس پر ایک پوری کٹ کیٹ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ کے ڈال لایا تھا۔
جیسے اس نے کھانا اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا ایسے ہی وہ اسے آئس کریم بھی اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ ایک چمچہ اسے کھلاتا، پھر ایک خود کھاتا۔ وہ اس کے ہاتھ سے آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اس کی محبت کے یہ مظاہرے لوگوں میں اگر شرمندہ کر دیا کرتے تھے تو اکیلے میں بے تحاشا اچھے لگا کرتے تھے۔
شام ہونے تک وہ دونوں یونہی سستی سے بیڈ پر لیٹے رہے تھے۔ آج صبح سے شام تک کا سارا وقت ان

نے گھر پر ہی گزار دیا تھا، پھر عباد ہی نے کہیں باہر کے لیے کہا تھا۔
آج باہر نکل کر ساحل پر چہل قدمی کے بجائے وہ دوسری جگہوں پر نکل آئے تھے۔ ایک مقامی اوپن ایئر تھیٹر میں شیکسپیئر کا رومینٹک کامیڈی ڈرامہ "اے مڈ سمر نائٹس ڈریم" ان دنوں پیش کیا جا رہا تھا۔ عباد نے شو کے دو ٹکٹس خرید لیے۔ ڈرامہ دیکھ کر باہر نکلے رات ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ کھانا کھا کے وہ دونوں ساحل پر آ گئے تھے، جہاں اب اکا دکا ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ اپنے جوتے اتار کر ساحل پر چلتے وہ دونوں کافی دور آ گئے تھے۔
"سمندر بھی ہے، چاندنی رات بھی ہے، آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں تم جیسی رومینٹک کے لیے تو یہ ایک پرفیکٹ رومینٹک نائٹ ہوگی۔"
وہ اسے اس کی بہت پہلے کی بات کا حوالہ دے رہا تھا۔ کیمپس کی سیڑھیوں پر بیٹھے اس نے عباد کو یہی بتایا تھا کہ اسے چاندنی راتیں، سمندر کے کنارے واک کرنا اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا پسند ہے۔ اس کی طور پر ایک پرفیکٹ رومینٹک سیٹنگ ہوئی تھی کہ اس کی ہی تمام چیزیں اس وقت یکجا تھیں اور اپنے حسن سے اسے مبہوت کر رہی تھیں۔ پورے چاند کی یہ رات کس قدر حسین تھی۔ دور دور تک رات کی خاموشی تھی مگر چاندنی رات تھی سو اندھیرا نہیں تھا۔
"ہاں ساحل پر یہ چاندنی رات بہت رومینٹک لگ رہی ہے۔ لیکن اگر تم ساتھ ہو تو میرے لیے تیز دھوپ اور طوفانی بارش بھی رومینٹک ہی ہے۔" وہ اس کی بات سن کر مسکرایا تھا۔
"آؤ اچانک!" اس کے پیر کے انگوٹھے میں کوئی چیز چبھی تھی۔
"کیا ہوا؟" عباد نے تشویش سے اسے دیکھا۔
"شاید پیر میں کچھ چبھ گیا۔" وہ اپنا پیر اوپر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ایک چھوٹا سا نوکیلا پتھر تھا، جس کا ایک نوکیلا کونا اس کے انگوٹھے میں چبھا تھا۔ اس کے

انگوٹھے سے خون نکلتا دیکھ کر عباد گھبرا گیا تھا۔
"ہمیں اس وقت ننگے پیر نہیں چلنا چاہیے تھا۔ تم یہاں بیٹھو۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے انگوٹھے سے نکلتے خون کو دیکھ رہا تھا، اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھایا اور خود اپنی جیب سے فوراً رومال نکال کر اس کے زخم پر مضبوطی سے باندھنے لگا۔
"تم گھر تک چل لو گی؟" اسے اس قدر پریشان ہوتا دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر اسے تسلی دینے لگی۔
"عالی! میں ٹھیک ہوں۔ معمولی سی چوٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گی۔ چلو گھر چلتے ہیں۔"
"تم چلو گی کیسے؟"
"اب خدا کے لیے یہ مت کہنا کہ تم مجھے فلمی ہیروز کی طرح اٹھا کر گھر تک لے کر جاؤ گے۔ میں چل لوں گی، ایسی کوئی خطرناک چوٹ نہیں ہے۔"
مگر وہ اسے یوں سنبھالتے گھر تک لایا تھا جیسے نجانے وہ کتنی زخمی ہو گئی ہے۔ گھر آ کر روئی سے زخم صاف کرنے کے بعد اس نے خود بڑی احتیاط سے اس کے انگوٹھے پر بینڈیج کی تھی۔
"تم اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہو عالی! تمہارے خوف سے تو بندہ ڈر کے مارے کبھی بیمار بھی نہ پڑے۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی بول رہی تھی۔
"ہاں تو مت پڑنا نا کبھی بیمار۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔
"ہنی! مما، پاپا اور تم، بس تم تین ہی تو لوگ ہو میری زندگی میں۔ تم میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچتے میں نہیں دیکھ سکتا۔ میری خواہش ہے، میری دعا ہے کہ مما، پاپا اور تم ہمیشہ خوش رہو، تم لوگوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اتنی چھوٹی سی میری فیملی ہے، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں میری فیملی کے یہ تینوں افراد ہمیشہ ہمیشہ بہت خوش رہیں۔"
وہ اپنے دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ بولا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اپنے لیے یہ دنیاوی جنت جہاں دکھ، غم، فکر

اندیشے کچھ نہ تھے انہوں نے تلاش کی تھی‘ اس میں ان کے قیام کی یہ آخری رات تھی۔ کل اتوار کا دن تھا اور کل صبح انہیں یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔ ہفتے کی اس رات کو ان دونوں نے جاگ کر گزارا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی سونا نہیں چاہتا تھا۔ کل کی رات عباد کی جہاز میں گزرنا تھی اور پتا نہیں پھر کتنی راتوں بعد وہ رات آنی تھی جب وہ دونوں ساتھ ہوتے۔ انہیں کتنی طویل جدائی پیش آنے والی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ جدائیوں کے ان دنوں کے مختصر سے مختصر ترین ہونے کی دعا کر رہی تھی مگر ان دعاؤں کے ساتھ وہ ہجر کی ان راتوں اور ان دنوں سے گھبرا بھی رہی تھی‘ ڈر بھی رہی تھی۔ وہ عباد کے بغیر ان تمام دنوں اور راتوں میں کیسے رہ پائے گی؟ وہ ابھی اپنی جنت ہی میں تھی مگر اب وہ آنے والے کل کو سوچتی مضطرب اور بے قرار تھی۔

عباد کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی‘ اس کی اپنے قریب موجودگی کو پوری طرح محسوس کرتی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ایسی ہی رات اب ان کی زندگی میں کتنے دنوں بعد آئے گی۔ وہ ہو‘ عباد ہو اور ایسی ہی چاندنی رات ہو۔ بالکونی کے کھلے دروازے سے وہ چاند کو‘ چاند کے ہالے کو‘ اس کے نور کو اپنا اور عباد کا حصار کیے محسوس کر رہی تھی۔ عباد نے اسے وارفتگی سے اپنی بانہوں کے حلقے میں لیے رکھا تھا۔ وہ اس کی خاموشی اور اداسی کو سمجھ رہا تھا مگر کچھ کہہ نہیں رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح اس نے ویسے ہی اس کے سرہانے پھول لا کر رکھے تھے جیسے گزشتہ تمام دنوں میں لا کر رکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے اپنے قریب آنے سے جاگ چکی تھی مگر قصداً آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ وہ کہتا تھا ناں‘ وہ جاگ کر اس کے پھول رکھنے کا رومینس کم کر دیتی ہے۔

”جاگی ہوئی ہو تو آنکھیں بھی کھول لو۔“

اس کی طرف جھک کر اس نے اس کی دونوں آنکھوں کو چوما۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا‘ وہ اس کی طرف جھکے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”غلط کہہ رہا تھا میں کہ تمہارے جاگ جانے سے میرے پھول رکھنے کا رومینس کم ہو جاتا ہے۔ تم جاگی ہوتی ہو تب تو زیادہ رومینٹک لگتا ہے کہ یہ لڑکی میری آہٹوں کو سوتے میں بھی پہچان جاتی ہے۔“

وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا‘ روز کی طرح اس کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے ساتھ لیٹا نہیں تھا۔

”سورج طلوع ہونے والا ہے‘ چلو ساحل پر چلتے ہیں۔ ایک ساتھ سورج طلوع ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ ناشتہ بھی وہیں کریں گے۔“

وہ اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”تم منہ ہاتھ دھو کر نیچے آجاؤ۔“ وہ اس سے کہتے ہوئے نیچے چلا گیا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر نیچے آئی تو ان کے ناشتے کا سامان اور ایک چادر لے کر کھڑا وہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ناشتے میں سب بازار کی چیزیں تھیں جو [illegible] وقت اس نے لا کر کچن اور فریج میں رکھ دی تھیں۔ گھر پر اس نے صرف انڈے ابالے تھے اور چائے بنائی تھی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا‘ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا‘ ساحل پر اتنے منہ اندھیرے ان دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔

چادر بچھا کر اس پر ناشتے کا سارا سامان سجا کر وہ دونوں چادر پر سمندر کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔ [illegible] اس سے کہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ ساحل پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھے مگر اپنی صبح بستر چھوڑنے کے خیال سے ہی اس پر سستی اور [illegible] طاری ہونے لگتی‘ آج وہ پہلی بار اس کے ساتھ یہاں بیٹھی سمندر کے دوسرے کونے سے اوپر اٹھتے سورج کو دیکھ رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا اس سے حسین منظر اس نے اپنی اب تک کی زندگی میں نہیں دیکھا۔ وہ دن کے جس وقت بھی سمندر پر آتے انہیں کسی وقت کم اور کسی وقت زیادہ رش ملتا تھا۔ اس وقت یہاں پر ان دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا۔

ناشتہ جلدی سے کر کے وہ اٹھ کر سمندر کے قریب آگئے۔ وہ سمندر کے ٹھنڈے یخ پانی سے اپنے پیروں کو بھگو رہی تھی۔ آتی جاتی لہروں کا اپنے قدموں سے آ کر ٹکرانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے ایک سیپی کیا ملی‘ اس نے لہروں میں اپنے پیروں کو بھگوتے وہاں سیپیاں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ عباد بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سیپیاں ڈھونڈوانے لگا تھا۔

یہ کل رات ہی طے ہو چکا تھا کہ انہیں یہاں سے صبح سویرے نکل جانا ہے مگر اب ساتھ سیپیاں ڈھونڈتے جیسے وہ دونوں اپنی واپسی بھول چکے تھے۔ عباد کافی دور تک جا کے اس سے زیادہ سیپیاں جمع کر چکا تھا‘ وہ دونوں ہاتھوں میں بہت پیاری پیاری سی سیپیاں جمع کیے اس کے پاس آگیا۔ منیہہ کے پاس جو تھیلی تھی اس میں وہ سیپیاں ڈالنے کے بعد وہ اس سے آہستگی سے بولا۔

”چلیں؟“ جانا تو تھا‘ یہ جنت تو چند روزہ تھی ہمیشہ کے لیے تو نہیں ملی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس نے عباد کے ساتھ مل کر ناشتے کا سارا سامان سمیٹا‘ عباد نے ریت پر سے چادر اٹھا کر تہہ کر لی‘ تب وہ دونوں واپس کاٹیج کی طرف جانے لگے۔

”تم نہا کر تیار ہو جاؤ‘ میں اتنی دیر میں دونوں کا سامان سمیٹ لیتا ہوں۔“ ساحل پیچھے رہ گیا تھا‘ وہ اب درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔

”عالی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟“

”جب تم کہو گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

”عالی! مجھے یہاں پر پھر لے کر آنا‘ بہت سارے دنوں کے لیے۔ میں ڈینس کی فرمائش واپس لے رہی ہوں۔ مجھے تمہارے ساتھ دوبارہ بھی یہیں پر آنا ہے۔“

”لگتا ہے مجھے سستے میں جان چھڑانے کے طعنے دیتے دیتے یہ جگہ کچھ زیادہ ہی پسند آگئی ہے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

”ہاں‘ بہت زیادہ۔ یہاں میں نے اپنی اب تک کی زندگی کے سب سے بہترین اور یادگار دن گزارے ہیں۔“

”صرف تم نے نہیں‘ میں نے بھی۔ زندگی کی الجھنوں‘ حالات کی سختیوں اور آنے والے کل کے اندیشوں سے جو یہ کچھ دن‘ کچھ پل ہم نے چرائے ہیں ناں یہ بہت انمول ہیں‘ بہت خاص اور بہت یادگار۔ ہم دونوں ان دنوں کو عمر بھر یاد رکھیں گے۔ کبھی بہت بڑھاپے میں ہم دونوں ان دنوں کو یاد کر کے مسکرایا کریں گے۔“ وہ چلتے چلتے یکلخت ہی ایک درخت کے سامنے رک گیا تھا‘ وہ پتا نہیں اس درخت کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

”عدیل تم؟“ وہ عدیل سفیان کو اپنے سامنے پا کر بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے پیچھے بند دروازے کی طرف دیکھا‘ پھر اپنے سامنے حیرت زدہ کھڑے عدیل کو دیکھا۔ عذیر فاروق کسی بھی لمحے اپنے آفس میں واپس آنے والے تھے۔ صورت حال کو اپنے موافق رکھنے کے لیے اسے فوری طور پر کچھ کرنا تھا۔ اس کے ذہن نے بہت تیز رفتاری سے کام کیا‘ وہ تقریباً ”بھاگنے والے انداز میں عدیل کے قریب آئی۔ عدیل جو اسے عباد کے پاپا کے آفس میں دیکھ کر بالکل ہکا بکا اور ساکت رہ گیا تھا۔

”منیہہ تم؟ یہاں؟ انکل کے پاس؟“

اس نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

”عدیل! پلیز ابھی کچھ مت پوچھو۔ میں تمہیں بعد میں ساری بات بتا دوں گی۔ ابھی پلیز‘ پلیز تم عالی کے پاپا کے سامنے یہ ہرگز مت ظاہر کرنا کہ تم مجھے جانتے ہو۔ ایسے شو کرنا جیسے تم مجھ سے آج پہلی بار مل رہے ہو۔ وجہ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی۔ پلیز عدیل! میں تمہیں بھی نہیں جانتی‘ میں عالی کو بھی نہیں جانتی میں آج تم سے زندگی میں پہلی بار مل رہی ہوں۔“

وہ التجائیہ انداز میں ایک سیکنڈ کا توقف کیے بغیر تیز

تیز بول رہی تھی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔

عدیل اور اس کی فیملی کے عباد کی فیملی کے ساتھ بہت اچھے گھریلو مراسم ہیں' یہ وہ جانتی تھی مگر یہ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ عدیل سفیان اس طرح اسے کبھی عذیر فاروق کے آفس یا ان کے گھر پر بھی ٹکرا سکتا ہے۔ ابھی حیرت میں گھرا عدیل اس کی بات کے جواب میں کچھ پوچھ بھی نہ پایا تھا کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

عذیر فاروق دروازے میں کھڑے تھے۔ کیا انہوں نے اس کی بات سن لی تھی یا جب وہ بات مکمل کر چکی تھی تب دروازے پر آئے تھے؟ وہ ان کے چہرے کو بغور دیکھتی' دھک دھک کرتے دل کے ساتھ یہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ انہوں نے اس کی عدیل سے کہی جانے والی بات سن لی ہے یا نہیں؟

☼ ☼ ☼

عباد نے اس بہت مضبوط اور تناور درخت پر بہت بڑا بڑا ان دونوں کا نام کھود کر لکھا تھا' ساتھ آج کی تاریخ اور دن بھی لکھا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے ایسا کرتے دیکھتی رہی تھی۔

"یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے نہ رکھے مگر Carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں کاٹیج واپس آ گئے تھے۔ جتنی دیر میں وہ نہا کر تیار ہوئی' عباد نے سارا سامان سمیٹ کر گاڑی میں رکھ دیا۔ اس گھر کا ایک ایک گوشہ ان چند دنوں میں اسے بے حد عزیز ہو گیا تھا' وہ وہاں کے ہر ہر کونے کو حسرتوں سے دیکھتی عباد کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے کاٹیج کے پچھلی طرف کے دروازے پر آ کر آخری مرتبہ سمندر کو دیکھا۔ اس سمندر' اس ساحل' اس کاٹیج اور اس ساحلی شہر کے ساتھ کتنی ساری انمول یادیں سمیٹ کر وہ یہاں سے جا رہی تھی۔

"ہم یہاں پھر آئیں گے ہنی!" اس کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلائے عباد اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ یہ چھ دن تو عباد کے سنگ اس نے جیسے جنت میں گزارے تھے۔ مگر اب انہیں اپنی اس جنت سے نکلنا تھا۔ حقیقت کی دنیا میں لوٹنا تھا۔ آج رات وہ اس سے دور جانے والا تھا۔ پتا نہیں اسے اپنے گھر والوں کو منانے میں کتنے دن لگنا تھے اور پتا نہیں عباد کے گھر والوں کو ان کے رشتے کو کبھی ماننا بھی تھا کہ نہیں؟

کل ساری رات عباد کے ساتھ اس کی بانہوں کے حصار میں جاگ کر گزارتے وہ ہر لمحہ یہی سوچتی رہی تھی۔ وہ دونوں ہی چپ تھے۔ گاڑی ڈرائیو کرتا عباد کیا سوچ رہا ہے وہ نہیں جانتی تھی۔ یونہی خاموش' اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں carmel سے سان فرانسسکو اور سان فرانسسکو سے بذریعہ جہاز وہ دونوں نیویارک لوٹ آئے تھے۔ پیر کے روز اپنی جہاز کی سیٹ بک کرا کے آنے کے بعد وہ جانے کی کوئی تیاری کیے بغیر منگل کی صبح اس کے ساتھ ماسوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر اپنا اتا پتا دیے بغیر یہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ اب اسے اپنی روانگی کی تیاری بھی کرنا تھی اور چند دیگر اہم کام بھی کرنے تھے۔

لفٹ میں ان کی عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ عباد کو دیکھتے ہی ان کی خوشی والہانہ تھی۔

عباد نے انہیں اپنی اور ہنیہ کی شادی کا بتایا اور ساتھ یہ کہ وہ دونوں کیلی فورنیا اپنے ہنی مون کے لیے گئے ہوئے تھے اور اس وقت وہیں سے لوٹے ہیں تب بے پناہ گرم جوشی اور مسرت کا اظہار کرتے عبداللہ نے ان دونوں کو شادی کی مبارک باد دی۔

"تم بہت خوش قسمت ہو' یہ لڑکا بہت پیارا ہے۔" عبداللہ ہنیہ سے بولے۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں' یہ لڑکی بہت پیاری ہے۔" عباد کے بے ساختہ جواب پر عبداللہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ ہر تشویش فکر اور اداسی کے باوجود وہ بھی عباد کی بے ساختگی پر مسکرائی تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ میں آتے کے ساتھ ہی عباد سب

سے پہلے اپنے لیے ان تمام دنوں میں آئے ٹیلی فونک پیغامات سننے لگا‘ جن کے جواب دیے جانے ضروری تھے وہاں کالز کرنے لگا۔ جینی‘ نک ہیروشی سمیت اپنے کچھ اور قریبی دوستوں‘ ڈاکٹر اینڈریو اور چند ایک اور اساتذہ کو وہ خود رابطہ کر کے انہیں اپنے پاکستان جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ تمام ضروری فون کالز سے فارغ ہونے کے بعد وہ جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

وہ نیویارک شام میں پہنچے تھے‘ اس کی رات میں فلائٹ تھی۔ وقت کم تھا زیادہ سامان کی پیکنگ کا اس کے پاس وقت نہ تھا۔ اس لیے وہ صرف اپنا خاص اور ضروری سامان پیک کر رہا تھا۔

وہ پیکنگ میں اس کی مدد کروا رہی تھی اگرچہ کہ اس نے اسے ”تم بیٹھو ہنی! میں کرلوں گا۔“ کہہ کر منع کیا تھا مگر وہ اس کے ساتھ لگی اس کا سارا سامان سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ وہ الماری سے جو جو چیزیں نکال رہا تھا‘ وہ انہیں سلیقے سے سوٹ کیس میں رکھتی جارہی تھی۔

عباد اس وقت بھی بالکل خاموش تھا۔ بے انتہا سنجیدہ اور بالکل خاموش۔

”ہنی! یہ چیک کل تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرالینا۔“

الماری کے ایک خانے سے اپنے چیک بک نکال کر اس پر تیز رفتاری سے قلم چلانے کے بعد اس نے اس میں سے ایک چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے اس چیک کی طرف دیکھا‘ اس نے عباد عذیر کی طرف دیکھا۔ یہاں اس کے بینک اکاؤنٹ میں کتنا پیسہ تھا وہ اسے باتوں باتوں میں کئی بار بتا چکا تھا اور اس وقت وہ اس چیک پر اپنے نام کے ساتھ درج شدہ رقم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے اکاؤنٹ میں موجود تقریباً سارے کا سارا پیسہ اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا رہا تھا۔

”تمہیں جب بھی پیسوں کی ضرورت ہو ہنی! ان ہی پیسوں کو استعمال کرنا۔“

اس نے یہ کہنے کے لیے لب کھولنا چاہے کہ اسے پیسوں کی ضرورت نہیں‘ اس کے پیچھے یہاں اسے پیسوں کا ہرگز کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مگر وہ اس کے کہنے سے قبل ہی اس کی بات کا مطلب سمجھ کر آہستگی سے بولا۔

”مجھے پتا ہے تمہیں پیسوں کی ضرورت نہیں ہے مگر ہنی! پلیز تم میرے پیچھے اپنے پاپا کے نہیں میرے پیسوں کو استعمال کرنا۔ یہ میرے پاپا کے نہیں میرے اپنے کمائے ہوئے پیسے ہیں اور تم انہیں استعمال کرو گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ مجھے اگر کراچی میں زیادہ دن لگے تو میں تمہیں وہاں سے اور پیسے بھجوا دوں گا۔ تمہارا پینٹ ہاؤس بے شک میرے اپارٹمنٹ سے زیادہ لگژری اور شاندار ہے مگر پھر بھی میرے پیچھے تم یہیں رہنا۔“

وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

”تمہیں یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں عالی! تم نہ بھی کہتے تب بھی میں یہیں رہتی۔ ہماری شادی ہوئی ہے عالی! اور شادی کے بعد لڑکیاں اپنے شوہر کے گھر میں رہتی ہیں۔ جب تم پاپا کو منا کر مجھے اپنے ساتھ کراچی لے جانے کے لیے نیویارک واپس آؤ گے تو میں تمہیں یہیں اسی گھر میں ملوں گی‘ چاہے تم کتنے بھی دنوں بعد آؤ۔“ عباد نے بغور اسے دیکھا‘ وہ یک دم اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

”مجھے معاف کردو ہنی! مجھے تمہیں اس طرح چھوڑ کر جانا پڑ رہا ہے۔ ماما جانی کو دیکھتے ہوئے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے ہیں اور اتنی جلدی میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔“ وہ اس کے لیے بے حد پریشان تھا۔

”جیسے ہی میں نے پاپا کو منا لیا میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کروں گا‘ میں فوراً تمہیں لینے آجاؤں گا۔ تم اتنے دن میرے بغیر رہ لوگی ناں ہنی؟“ وہ اسے اتنا فکر مند اور اداس دیکھ نہیں سکتی تھی‘ اس لیے قصداً مسکرائی۔

”کم آن عالی! اس طرح پریشان ہو کر تو تم پہلے ہی ہمت ہار رہے ہو۔ میری فکر مت کرو‘ میں یہاں بالکل ٹھیک رہوں گی۔“ وہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا رہا۔

[illegible] آنکھوں کو پڑھتا رہا۔

”تم میری فکر مت کرو عالی! میں تمہارے واپس آنے کا انتظار کرتے یہ تمام دن مزے میں گزار لوں گی۔ میں جاب میں مصروف ہو جاؤں گی پھر تو تمہیں میرے اکیلے ہونے کی فکر نہیں ہو گی ناں؟ سارا دن آفس میں اور شام میں دوستوں کے ساتھ گزار لیا کروں گی اور رات میں اتنی دیر سے گھر واپس آؤں گی کہ آتے ہی لیٹ کر سو جانے کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش تک نہیں ہوگا۔“

وہ اس کے پیچھے کیا معمولات اختیار کرے گی‘ یہ اسے بتا کر وہ اپنی جانب سے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماما جانی کی بیماری کے ابتدائی دنوں میں وہ جاب کرتی رہی تھی‘ مگر پھر جب ان کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی‘ ان کے ٹیسٹس کی رپورٹس مایوس کن آنے لگیں‘ تب اس نے آفس سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ اب اس کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ عباد اس کی جاب دوبارہ جوائن کرنے کی بات سن کر بہت خوش ہوا تھا۔

”ہاں یہ اچھا ہے ہنی! تم بزی ہو جاؤ گی۔“

”جی جناب! میں مصروف ہو جاؤں گی اور میں بہت مزے میں بھی رہوں گی۔ اب خدا کے لیے تم اپنی اس غمگین شکل کو بالکل ٹھیک کرلو۔“ اس نے عباد کے شانے پر اپنا سر ٹکا دیا۔

”عالی! تمہاری ہنی اتنی کمزور اور بزدل نہیں۔“ وہ آہستگی سے بولی تھی۔

”ہاں مجھے پتا ہے۔ مگر شاید میں کمزور اور بزدل ہوں تمہارے معاملے میں‘ میں بہت کمزور اور بہت بزدل ہوں ہنی!“ عباد نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

”ہنی! میرے پیچھے اپنا خیال رکھنا۔ تم خود سے بہت لاپروا رہتی ہو۔“ اس کی محبتوں کی شدت اس کی آنکھوں میں آنسو لانے لگی تھی مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی‘ وہ خود پر ضبط قائم رکھے ہوئے تھی۔

”مجھے تمہاری نصیحت یاد ہے عباد عذیر! مجھے تمہارے لیے اپنی پروا کرنی ہے‘ اپنا خیال رکھنا ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی تھی۔

عباد جواباً مسکرایا تھا۔ ”ہاں میرے لیے اپنی پروا کرنا۔ استری کرتے وقت‘ کھانا پکاتے وقت ہاتھ مت جلانا۔ وقت پر کھانا کھانا۔ ماما جانی کی طرح روز رات میں کلینزنگ کرنا۔ میں واپس آؤں تو مجھے ہنی عباد ایسی ہی ملنی چاہیے‘ جیسی آج ہے‘ بہت خوب صورت اور بے انتہا حسین۔“

وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

”صرف کلینزنگ نہیں کروں گی‘ پابندی سے بیوٹی سیلون بھی جایا کروں گی۔ انشاء اللہ مجھے جلد ہی اپنے ساس سسر سے ملنا ہے‘ ان سے ملنے سے پہلے مجھے خود کو ایسا تو بنانا ہی ہے کہ صرف ان کے بیٹے ہی کو نہیں بلکہ انہیں بھی بہت خوب صورت اور حسین نظر آسکوں۔“

عباد نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا تھا مگر ہنستے ہنستے وہ یک لخت ہی دوبارہ سنجیدہ ہوا تھا۔

”ہنی! پلیز اپنا خیال رکھنا۔ پریشان مت ہونا۔ مجھ سے وعدہ کرو تم میرے جانے کے بعد روؤ گی نہیں۔ رونے کا دل چاہ رہا ہے تو ابھی میرے سامنے رو لو‘ جتنا رونا چاہتی ہو رو لو۔ مگر میرے پیچھے مت رونا۔ پتا ہے تم یہاں روؤ گی تو وہاں میں بہت بے چین رہوں گا۔“

”میں نہیں روؤں گی عالی! رونے کی خدانخواستہ بات کیا ہے؟ تم‘ مما‘ پاپا کو منانے پاکستان جا رہے ہو‘ تمہیں کتنے بھی دن لگیں مگر بالآخر تو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو ہی جائے گا ناں؟ یہ پریشانیاں اور یہ جدائی تو عارضی ہے عالی!“

”بس اسی طرح خود کو مضبوط رکھو ہنی! دیکھو ہو سکتا ہے مجھے وہاں زیادہ دن لگ جائیں اور میں تمہیں وہاں سے بہت زیادہ فون نہ کر سکوں۔ میں تمہیں وہاں سے فون کیا کروں گا ہنی! مگر شاید ہم روزانہ بہت طویل بات نہیں کر پائیں گے۔“

”تمہیں جب سہولت ہو تب فون کیا کرنا۔ میں نہ

پریشان ہو رہی ہوں نہ بدگمان۔ میں خود تمہیں فون نہیں کیا کروں گی۔ پتا نہیں میں تمہیں فون کروں وہاں اس وقت تمہارے ساتھ کون ہو' کیا ماحول کیا سچوئیشن ہو' کیا گفتگو ہو رہی ہو۔"

طمانیت بھرے انداز میں مسکراتے عباد نے بے ساختہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے چوما تھا۔ "تمہیں پتا ہے ہنی عباد! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟"

"مجھے پتا ہے اور تمہاری محبت ہی میری سب سے بڑی طاقت ہے عالی! تم ساتھ ہو' تمہاری محبت میرے ساتھ ہے تو میں زندگی کی بڑی سے بڑی مشکل کا بھی ہنستے کھیلتے سامنا کر سکتی ہوں۔"

"ہنی! دعا کرنا میں پاپا کو منا لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ان کی مجھ سے ناراضی دور ہو جائے۔ دعا کرنا انکل طارق اور انوشہ میری بات سمجھ جائیں۔ اگر انکل طارق نے میرا ساتھ دیا' اگر انہوں نے میرے کہنے پر پاپا سے بات کرلی تب تو سمجھو' سارا مسئلہ فوراً" ہی حل ہو جائے گا۔"

"میں دعا کروں گی عالی!" اس دعا ہی میں تو اس کی زندگی کی تمام تر خوشیاں پوشیدہ تھیں۔

"ہنی! یہ بھی کرنا کہ جدائیوں کے یہ دن مختصر ہوں بہت جلد میں اور میری ساری فیملی اکٹھی ہو۔ میں' تم' مما' پاپا ہم چاروں۔ پھر میں اپنی فیملی کی ایک ایسی ہی تصویر کھینچوں گا' وہ تصویر حقیقی ہوگی ہنی! اس میں' میں نے کسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے تمہیں' مما' پاپا خود کو یکجا نہیں کیا ہوگا بلکہ ہم سب حقیقت میں اس طرح ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔"

اس کے لبوں سے بے ساختہ۔ "ان شاء اللہ" نکلا تھا۔ عباد ابھی بھی اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا۔ "آج کیا ہم صرف باتیں کرتے رہیں گے؟ کچھ کھائیں گے نہیں؟"

عباد کو یک دم ہی وقت کا احساس ہوا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی' رات ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کا وقت نزدیک آ رہا تھا۔ اپنی فلائٹ کے ٹائم سے تین گھنٹے قبل اسے ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔ 9/11 کے بعد امریکی ایئرپورٹس پر جتنی سخت قسم کی سیکیورٹی کے انتظامات کر دیے گئے تھے' ان کے باعث بین الاقوامی فلائٹس کے مسافروں کو کم از کم تین گھنٹے پہلے ایئرپورٹ پہنچنا ہوتا تھا۔ وہ نارمل سے ناشتہ کرکے چلے تھے' پھر اب تک انہوں نے دوران سفر کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس کا کچھ کھانے کا ابھی بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ جانتی تھی عباد اسے اپنے سامنے اپنے موجودگی میں کھانا کھلانا چاہتا ہے اس لیے بنا کچھ کہے وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ کچن میں آ گئی۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتی تھی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

"میرے پیچھے خود ہی پکا کر کھاؤ گی' آج ایک دن اور میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھالو۔"

"تم اتنا مزے کا کھانا بناتے ہو عالی! میں سمجھتی تھی اچھا کھانا پکانا صرف لڑکیوں ہی کا پلس پوائنٹ ہوتا ہے مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ مردوں خاص طور پر شوہروں کا اچھا کک ہونا بھی کتنا زبردست ہوتا ہے۔"

عباد نے فرائی کی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اس کے منہ میں ڈالا تھا اور وہ اس نوالے کو چباتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ جیسے وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہا تھا' ایسے ہی وہ بھی اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہی تھی۔ ایک ہی پلیٹ میں سے وہ اسے کھلا رہی تھی اور عباد اسے۔

"کل صبح ناشتہ ٹھیک سے اور وقت پر کرنا اور میری مانو تو کل ہی سے اپنا آفس جوائن کرلو۔ آفس کے بعد کیتھی اور مائیک کے ساتھ کہیں باہر گھومنے اور کھانا کھانے کا پروگرام بنا لینا۔"

"کل تو نہیں ہاں پرسوں سے آفس جوائن کرلوں گی۔ اتنے دن ہو گئے گھر گئے۔ کل وہاں جا کر وہاں کی صفائی وغیرہ کروں گی' پھر اپنا سارا سامان یہاں لاؤں گی' اس سامان کو پھر یہاں سلیقے سے رکھوں گی' پھر یہاں کی بھی تھوڑی صفائی وغیرہ کروں گی۔ کل کا دن تو اسی مصروفیت میں گزر جائے گا۔"

آخر میں یہ اعلان کر رہی تھی کہ اب عباد کو تیار ہونے کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے' ورنہ وہ ایئرپورٹ پہنچنے کے لیے لیٹ ہو جائے گا۔ ایک دوسرے سے کچھ بھی کہے بنا وہ دونوں ایک ساتھ' ایک ہی وقت میں میز پر سے اٹھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں آ گئے تھے۔ عباد نے الماری میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ بلیک پینٹ کے ساتھ پہننے کے لیے اس نے وہی بلیو شرٹ نکالی جو ہنی نے اسے گفٹ کی تھی۔ وہ باتھ روم میں آ گیا۔ وہ باتھ روم میں کھڑا شیو بنا رہا تھا اور وہ باتھ روم کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے اسے شیو بناتا دیکھ رہی تھی۔

"پتا ہے عالی! تم بہت ہینڈسم ہو۔"

ریزر ہاتھ میں اٹھاتے وہ ہنسا۔ وہ اسے شیو کرتا دیکھتی رہی۔ اس نے شیو کیا' منہ دھویا' چہرے کو تولیے سے خشک کیا' وہ باتھ روم سے باہر نکلا تب وہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آئی۔ وہ لباس تبدیل کر رہا تھا۔ پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا' ایسا اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کیا تھا' جیسے ہی عباد نے شرٹ پہننے کے لیے ہینگر سے نکالی اس نے وہ شرٹ عباد کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے شرٹ پہنانے لگی تھی۔

اس نے فقط خاموشی سے ایک ایک کرکے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے تاکہ قمیص کی آستینوں میں اس کے ہاتھ جا سکیں۔ وہ اب ایک ایک کرکے اس کی شرٹ کے تمام بٹن لگا رہی تھی۔ تمام بٹن لگ چکے تب اس نے قمیص کا کالر اپنے ہاتھوں سے سیدھا کیا' کف بند کیا۔ عباد اسے خاموشی سے یہ سب کرتے دیکھتا رہا۔

وہ اسے شرٹ پہنا چکی تب عباد نے شرٹ پینٹ کے اندر گھسا کر بیلٹ لگائی۔ وہ پیچھے ہینگر سے اس کا کوٹ اور اوور کوٹ نکال کر لے آئی تھی۔ اب وہ اسے اپنے ہاتھ سے کوٹ پہنا رہی تھی۔

"مجھ سے تو کہہ رہے ہو کہ میں اپنا خیال رکھوں' مگر خود اپنا خیال رکھنا مت بھولنا۔" اس کی آواز بھرانے لگی تو وہ جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹی۔ وہ مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئی اور وہاں سے ہیئر برش اٹھا کر اسے پکڑایا۔ "برش بھی تم ہی کردو۔" وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو سنوارنے لگی' وہ اس کے بالکل نزدیک کھڑا اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ اس نے اس کی کلائی پر گھڑی بھی خود باندھی پھر خود ہی اسے اس کے من پسند کولون کی خوشبو سے مہکایا۔ وہ اس کے جوتے اٹھا کر لے آئی تھی۔ عباد نے جوتے اس کے ہاتھ سے لے کر اسے صوفے پر اپنے برابر میں بٹھا لیا تھا' وہ جھک کر جوتے پہن رہا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوتے پہن کر سیدھا ہوا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ تیار ہو چکا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس اور بیگ اٹھانے لگا۔ وہ اپنا سامان اپارٹمنٹ کے مین دروازے تک پہنچا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں' وہ عباد کو سامان رکھتا دیکھتی فوراً" کمرے سے نکل کر باہر بالکونی میں آ گئی تھی۔

وہ خود کو صبر اور ضبط کی تلقین کر رہی تھی۔ اسے رونا نہیں ہے' اسے عالی کو پریشان نہیں کرنا۔ اپنا سامان دروازے پر رکھ کر وہ ایک منٹ بعد ہی اس کے پاس بالکونی میں چلا آیا تھا۔ وہ ریلنگ پر بازو جمائے کھڑی تھی' اس کی آہٹ سن کر مڑی۔

"چلیں؟" اس نے مسکرا کر عباد سے پوچھا۔ وہ کتنی دقتوں سے مسکرائی تھی' یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

"ابھی کچھ دیر باقی ہے۔" وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لگائے اس کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلا کر وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چاند نے گھٹنا شروع کر دیا تھا مگر ابھی اس کا نور اور چمک ماند پڑنا شروع نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے ایئرپورٹ چھوڑ کر واپس آؤ گی تو کیا کرو گی؟" عباد نے آہستگی سے پوچھا' اس کی نگاہیں بدستور آسمان پر مرکوز تھیں۔

"اوں۔ میرا خیال ہے لیٹ کر سو جاؤں گی' اتنی صبح کے اٹھے ہوئے ہیں ہم دونوں۔ میرا خیال ہے مجھے

فوراً" ہی نیند آجائے گی لیکن اگر نیند نہیں آئی تو ٹی وی دیکھ لوں گی۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"جھوٹ نہیں، سچ۔ روؤ گی؟"

وہ جواباً" چپ رہی۔

"ہنی! مجھے یاد کر کے رونا مت۔ نہ آج رات نہ کسی اور رات۔ جب بھی میں بہت یاد آؤں، بس آسمان کی طرف دیکھنا، وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو، اسے دیکھنا، جب تم ایسا کرو گی ناں مجھے پتا چل جائے گا۔"

"اچھا، وہ کیسے؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ ہمارا دل کا نہیں روح کا رشتہ ہے۔ ہم بظاہر کتنے بھی دنوں کے لیے ایک دوسرے سے کتنا بھی دور ہو رہے ہیں مگر روح کا رشتہ تو ملنے اور نظر آنے سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ تم جس پل سچے دل سے اپنی روح کی گہرائیوں سے مجھے پکارو گی آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی، میں تمہارے پاس ہوں گا۔"

وہ اس کے بازوؤں کے حلقے میں اس کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ وہ دونوں یک ٹک آسمان پر سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کو دیکھ رہے تھے۔ نجانے کتنے منٹ وہ دونوں یونہی کھڑے رہے تھے، عباد کی کلائی پر بندھی گھڑی بتا رہی تھی کہ اس کے گھر سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہے۔

"چلیں ہنی؟" اس کے شانے سے سر ہٹا کر وہ سیدھی ہوئی اور سر اثبات میں ہلایا وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکلے تو عباد مڑ کر ایک نظر اپنے گھر کو دیکھنے لگا۔ تب وہ اس سے بولی۔

"تمہارے پیچھے، میں تمہارے گھر کا اور اپنا دونوں کا خیال رکھوں گی۔ تم جب واپس آؤ گے ہم دونوں تمہیں ایسے ہی ملیں گے۔"

"میرا گھر؟" عباد کا انداز سرزنش کرنے والا تھا۔

"ہاں تمہارا گھر۔ میرا گھر تو کراچی میں ہے، وہ گھر جہاں مما، پاپا رہتے ہیں۔ اگر تم سے پاپا کو منایا نہ جا رہا ہو تو مجھے بتا دینا۔ تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا میں اگر پاپا سے تمہارے حوالے کے بغیر جا کر ملوں تو وہ پہلی ملاقات میں مجھے پسند کرنے لگیں گے تو اگر تم سے ناکام ہونے لگے تو میں کراچی آجاؤں گی۔"

عباد نے جواباً" مسکراتے ہوئے سر اقرار میں ہلایا تھا۔

وہ دونوں گاڑی میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی وہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ عباد اس کے برابر والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ عباد کو ٹرمینل چار کے باہر اتار کر وہ گاڑی پارک کرنے چلی گئی تھی۔ عباد سوٹ کیس اور بیگ ٹرالی پر رکھ کر Terminal کے اندر آگیا تھا۔

وہ عباد کو رخصت کرنے آئی تھی، اسے الوداع کہنے آئی تھی اور اسے پورا ایئرپورٹ سوگوار لگ رہا تھا۔ باوجود وہاں بے تحاشا شور، رش اور افراتفری کے۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ دونوں یونہی خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے کے بجائے وہ دونوں اپنے اطراف موجود لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تم جب دبئی پہنچ جاؤ گے، میں تمہیں تمہارے سیل پر فون کروں گی۔"

عباد نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب اسے ہنی کو خدا حافظ کہہ کر اپنے سیکیورٹی چیک پوائنٹ کی طرف چلے جانا چاہیے تھا۔

"ہنی! عالی!" ان دونوں نے ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کو پکارا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اپنا خیال رکھنا ہنی!" عباد نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تھے۔ اس نے گردن اقرار میں ہلائی، اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ عباد کے ہاتھوں سے اپنا دایاں ہاتھ نکال کر اب وہ اسے اس کے رخسار پر اس کے ڈمپل پڑنے والی جگہ پر رکھ رہی تھی۔

"عالی! ہنس کر دکھاؤ، مجھے تمہارا ڈمپل دیکھنا ہے۔" اس کی آنکھوں سے دو آنسو باوجود کوشش کے بہ

نکلے تھے۔ وہ اس کے کہنے پر مسکرایا تھا۔ وہ اس کے ڈمپل پر انگلی رکھ کر کھڑی تھی۔ عباد نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"خدا حافظ ہنی۔"

"خدا حافظ عالی!" عباد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنا ٹکٹ، پاسپورٹ، بورڈنگ کارڈ اور carry-on بیگ ہاتھ میں لیے وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ وہ پہلے سیکیورٹی چیک پوائنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ مڑ مڑ کر اسے دیکھتا وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایئرپورٹ کا وہ سیکیورٹی آفیسر کھڑا تھا جو یہاں سے آگے بڑھنے سے پہلے ہر مسافر کا بورڈنگ کارڈ چیک کرتا انہیں آگے سیکیورٹی چیک کے لیے لگی لمبی قطار میں جانے کی اجازت دے رہا تھا۔

نجانے ایک دم ہی اسے کیا ہوا تھا بجائے قدم آگے بڑھانے کے وہ الٹے قدموں واپس مڑا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ جو اسے الوداع کہنے کے لیے ہاتھ اٹھائے کھڑی تھی اسے بھاگ کر اپنی سمت آتا دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی تیز رفتار سے بھاگ رہا تھا کہ اس کی سانس پھول گئی تھی۔ اس کے قریب آتے ہی اس نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"ہنی! میں تم سے بہت، بہت محبت کرتا ہوں۔"

اس کے سینے سے لگ کر وہ خود پر ضبط قائم نہیں رکھ پائی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ عباد نے اس کا سر اپنے سینے سے اٹھایا، اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے ارد گرد کی کوئی پروا کیے بغیر وہ اس کی پیشانی چوم رہا تھا، اس کی آنکھوں، اس کی پلکوں، اس کے رخساروں، اس کے لبوں کو چوم رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہا تھا۔ ایسا تو اس نے carmel میں بھی نہ کیا تھا۔

یہ نیویارک تھا، یہاں کوئی انہیں مڑ کر یا رک کر نہیں دیکھ رہا تھا مگر عباد کی محبت کا یہ والہانہ اظہار اس کی اپنی شخصیت کے بالکل برخلاف تھا۔ اس نے دیکھا عباد کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"عالی! جلدی آنا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اس کی بھیگی پلکوں کو چومتے ہوئے عباد نے سر اقرار میں ہلایا تھا۔ کئی منٹ وہ یونہی اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لیے کھڑا رہا تھا۔ پھر اس نے سر اوپر اٹھایا، دوبارہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"اپنا خیال رکھنا۔ رونا نہیں میں جلدی آؤں گا۔" وہ اس کے رخساروں پر پھیلے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر رہا تھا۔

"میں اپنا خیال رکھوں گی عالی! تم میرے لیے پریشان مت ہونا۔" اس کے ہونٹوں کا لمس اپنے بھیگے رخساروں اور لبوں پر محسوس کر کے اس کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

"جلدی آنا عالی! میں تمہارا انتظار کروں گی۔" سر اقرار میں ہلا کر وہ اس کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر رہا تھا۔

"عالی! تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" خود کو ضبط اور حوصلے کی تلقین کرتے اس نے اسے یاد دلایا۔ اس کے احساس دلانے پر وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ اس نے اس کے چہرے کو ہنوز اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عباد کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر سے ہٹایا۔ وہ ایک قدم پیچھے بھی ہٹ گئی تھی۔ وہ اپنے آنسوؤں پر بھی بند باندھ چکی تھی۔ وہ عباد کے لیے اس روانگی کو مشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔

"خدا حافظ عالی!" وہ اس سے ایک قدم مزید دور ہٹ گئی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا عالی! میرے لیے پریشان مت ہونا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جیسے تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو ایسے ہی میں بھی تم سے بہت، بہت، بہت محبت کرتی ہوں۔"

ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے دور جاتے عباد غذیر سے بلند آواز میں کہا تھا۔

ان کے بیچ اب بہت سارا فاصلہ تھا۔ وہ اسے نظر آ رہا تھا مگر وہ کیا کہہ رہا ہے، اتنے شور اور مسلسل مختلف فلائٹس کے Departure اور بورڈنگ کے اعلانات میں وہ اس کے لبوں کی محض جنبش دیکھ رہی

تھی۔ وہ اسے I Love you Honey کہہ رہا تھا۔ وہ ان لفظوں کی بازگشت میں گھری کھڑی تھی اور وہ اندر جا چکا تھا، وہ اسے نظر آنا بند ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کا دل چاہا تھا۔ وہ ایک بار پھر بھاگ کر اس کے پاس جائے، ایک بار پھر اسے اپنے گلے سے لگا لے۔ مگر خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے اس بار وہ واپس مڑا نہیں تھا۔ ہنیہ کو دیکھتے اسے یوں کیوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے آخری مرتبہ دیکھ رہا تھا، جیسے آج کے بعد وہ اسے کبھی نظر نہیں آئے گی۔ کیوں پیدا ہو رہا تھا یہ دل دہلا دینے والا مایوس کن احساس اس کے اندر؟

اس سے رخصت ہوتے ان لمحوں میں اس کے دل میں یہ ہراساں کرتا سوال کیوں پیدا ہو رہا ہے کہ اب وہ ہنیہ سے کب اور کہاں مل پائے گا؟ حالات کس رخ پر جا نکلیں گے، زندگی کا کیا رخ متعین ہو گا؟ اگر پاپا نے اسے معاف کرنے اور اس سے راضی ہونے کی شرط یہ رکھی کہ وہ ہنیہ کو چھوڑ دے تب وہ کیا کرے گا؟ اگر اسے معاف کرنے کے لیے انہوں نے یہ شرط رکھ دی کہ وہ ہنیہ سے الگ ہو جائے، اگر والدین اور ہنیہ میں سے اسے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا پھر وہ کیا کرے گا؟ وہ محبتوں کی اس درجہ بندی اور تقسیم سے خائف ہو رہا تھا۔ نہیں اس کا دل محبت کی اس درجہ بندی اور تقسیم کو نہیں مانتا۔ وہ ان تین لوگوں کو اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے۔ تینوں اسے ایک ساتھ چاہئیں، وہ ان سب میں سے کسی سے بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔

اسے ماں کی گود میں سر رکھنا تھا، باپ کے گلے لگنا تھا۔ لگتا تھا صدیاں گزر گئیں اسے اپنے ممی، پاپا سے ملے بغیر، انہیں دیکھے بغیر۔ وہ تیز قدموں سے چلتا اس لائن کا حصہ بن گیا۔ وہ جلد از جلد اپنے جہاز تک یوں پہنچ جانا چاہتا تھا جیسے یہ فلائٹ اسے جہاں پہنچائے گی وہاں ممی، پاپا اس کے منتظر کھڑے ہوں گے، اس سفر کے اختتام پر وہ ممی، پاپا کو اپنے روبرو دیکھے گا۔ کاش ایسا ہی ہو، کاش ایسا ہی ہوتا۔

وہ جہاز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا، اپنے پلین کو ٹیک آف کرتا دیکھ رہا تھا۔ وہ نیویارک سے دور جا رہا تھا، وہ ہنیہ سے دور جا رہا تھا۔ وہ خود سے روٹھے ہر رشتے کو منانے جا رہا تھا۔ ممی، پاپا، انکل طارق، انوشہ۔ آج Carmel سے واپس آ کر اس نے بڑی امید اور آس سے اپنے لیے آئے ٹیلی فونک پیغامات سنے تھے، اس نے اپنی e-mails چیک کی تھیں۔ کیا پاپا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو، اب انہوں نے اس کی وہ ای میل پڑھ لی ہو جو اس نے ہنیہ سے نکاح سے قبل انہیں بھیجی تھی۔ اس کی وہ ای میل پڑھ لینے کے بعد پھر وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کی آنسرنگ مشین میں ریکارڈ شدہ بے شمار پیغامات میں کوئی پیغام اس کے پاپا کا نہ تھا، اس کے لیے آئی بہت ساری e-mails میں کوئی e-mail اس کے پاپا کی نہ تھی۔ اس کی حسرت حسرت ہی رہ گئی تھی۔

"یوں لگتا ہے ہنی! تمہارے علاوہ ہر کوئی مجھ سے خفا ہے، مجھے غلط سمجھ رہا ہے۔"

اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکالا۔ اس والٹ میں پہلے صرف ماما اور پاپا کی تصویریں رہا کرتی تھیں، اب اس میں ہنیہ کی بھی تصویر تھی۔ کرسمس ایو پر اس اسٹور میں کھینچی ہنیہ کی وہ تصویر جس کے بیک گراؤنڈ میں برف باری اور روشنیاں تھیں۔ خوب اچھی طرح تیار ہوئی، بھرپور میک اپ کیے بے پناہ حسین لگتی ہنیہ۔ ریڈ کلر کا منک کوٹ، منک ہیٹ، شانوں پر بکھرے بال اور خوب کھلکھلا کر ہنستی ہنیہ۔ اس تصویر میں اس نے ہنیہ کا کلوز اپ لیا تھا۔ فوکس اس کے چہرے پر رکھا تھا۔ اس کے شانوں تک کی وہ تصویر تھی اور اس میں اس کے دلکش میک اپ سے سجے چہرے کا ایک ایک نقش نمایاں تھا۔

ہنیہ کے شدید ترین اصرار پر بھی اس نے اس روز کی کھینچی تمام تصویروں میں سے اسے یہ تصویر نہیں دکھائی تھی۔ باقی تمام تصویریں اس نے اسے دکھائی تھیں اور یہ ایک تصویر اسے دکھائے بغیر تب ہی سے

اپنے والٹ میں رکھ لی تھی۔ ہنیہ کی تصویر پر ایک مسکراتی نظر ڈالنے کے بعد وہ والٹ میں ہی مما اور پاپا کی تصویروں کو دیکھنے لگا تھا۔

"عالی! اٹھ جاؤ بیٹا۔" وہ جہاز میں بیٹھے بیٹھے اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ مما اس کے کمرے میں آکر اسے یونیورسٹی جانے کے لیے اٹھا رہی تھیں۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی' اس کی پیشانی چومتی۔

"ناشتے میں کیا کھاؤ گے؟" ناشتے کا نام سنتے ہی اس نے فٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اپنی مما کے ہاتھوں کا پکا پراٹھا۔"

ماں کے ہاتھ کے پکے کھانوں کے لیے تو وہ آدھی رات کو بھی سوتے سے اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔ وہ اس کے کس طرح لاڈ اٹھاتی تھیں۔ اسے اپنے ہاتھوں سے نوالے تک بنا کر کھلاتی تھیں۔ ان سے ہاتھ کا پکا پراٹھا ان ہی کے ہاتھ سے کھانے میں اتنا مزا آتا تھا کہ وہ قصداً" اس وقت بالکل چھوٹے بچوں کی طرح بی ہیو کرنے لگتا تھا۔

"آپ کے ہاتھوں کا ذائقہ بہت یاد آرہا ہے مما! میں آؤں گا تو اپنے ہاتھوں سے پکا کر پراٹھا کھلائیں گی ناں؟"

ماں کی تصویر دیکھتے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں' وہ ماں کو بہت یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنے پاپا کو بہت یاد کر رہا تھا' اپنی اب تک کی زندگی میں وہ اتنے سارے دنوں کے لیے کبھی بھی ان سے دور نہیں ہوا تھا۔ پاپا اس سے ملے بغیر' اس کے پاس نیویارک آئے بغیر وہیں سے واپس لوٹ گئے تھے تب وہ بہت ہرٹ ہوا تھا۔

وہ ان دونوں سے ملنے کے لیے کتنا بے قرار تھا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ انہیں ہنیہ سے ملوانا چاہتا تھا بلکہ اس لیے کہ اسے ان سے ملے بہت مہینے ہو گئے تھے' انہیں دیکھے بہت سارے دن ہو گئے تھے۔ وہ ان سے ملنے کے لیے شدید بے قرار تھا۔

ہنیہ کے سامنے اس نے اپنے کسی دکھ کا اظہار نہیں کیا تھا گو یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سب سمجھتی ہے' وہ جانتی ہے کہ وہ اپنے پاپا کی اس لاسٹ فون کال کے بعد سے ٹوٹ پھوٹ سا گیا ہے' بہت تنہا' بہت اکیلا اور بے سہارا محسوس کر رہا ہے خود کو۔ "میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔" وہ ان تمام دنوں میں ہنیہ کے ساتھ جہاں بھی گیا' جو بھی کیا ایک لمحے کے لیے بھی پاپا کی ناراضی سے بھرپور آواز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

"عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پاپا ایسا مت کہیں۔ پلیز پاپا ایسا مت کہیں۔" ان کی تصویر کو اپنے نگاہوں کے سامنے کیے' وہ ان سے بے آواز مخاطب تھا۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو بہے تھے' جنہیں اس نے بڑی سرعت سے فوراً" ہی پونچھ ڈالا تھا۔

"کاش پاپا! میں آپ کو یہ بتا پاؤں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' اپنی زندگی سے بڑھ کر' اپنی جان سے بڑھ کر۔ آپ میرے پاپا ہیں' آپ میرے بہترین دوست ہیں۔ آپ تو مجھے یار کہہ کر دوستوں کی طرح بے تکلفی سے بات کیا کرتے تھے پاپا! پھر آج ہمارے بیچ یہ فاصلہ یہ دوری کیوں پیدا کر رہے ہیں۔ آپ میرے دوست ہیں ناں تو اپنے دوست کو سمجھیں پاپا! ہنیہ سے محبت کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے دل میں آپ کی محبت کم ہو گئی؟ آپ اور مما تو میرے لیے دنیا کے ہر رشتے اور ہر فرد سے یہاں تک کہ میری اپنی ذات سے بھی زیادہ اہم ہیں۔"

وہ اپنے پاپا کو اچھی طرح جانتا تھا' ایک بار وہ اس کی بات سننے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی بات سمجھ بھی لیں گے۔

وہ ایئر ہوسٹس کو ہر طرح کی اشیائے خورد و نوش کے لیے منع کر چکا تھا۔ اس کا کچھ بھی کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ تو بس اپنے مما' پاپا کی تصویروں کو سامنے کیے ان سے باتیں کرنے میں مگن تھا۔ وہ اڑ کر پل کی چوتھائی میں ان کے سامنے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اسے خود اپنے آپ پر یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ

کیا پاپا سے ملنے کی اتنی والہانہ بے تابی کے باوجود اس نے یہ گزشتہ 6 دن اتنے سکون سے امریکہ میں کس طرح گزار لیے۔ ماما جانی کے انتقال کے فوراً" بعد وہ ہنیہ کو تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا' وہ ہنیہ کی خاطر یہ چھ دن مزید امریکہ میں رکا تھا۔ مگر نیویارک میں رکا رہنا اور بات تھی آخر وہ اسے لے کر carmel کیوں چلا گیا تھا؟ ان دنوں کو اتنے گرم جوشی اور محبت سے بھرپور انداز میں ہنی مون کی طرح کیوں گزارا تھا؟ ہنیہ کو تمام tensions اور پریشانیوں سے نکالنے کے لیے؟ اس کی آب و ہوا اور ماحول چند دنوں کے لیے تبدیل کروانے کے لیے؟ ہاں یہ وجوہات بھی تھیں اسے لے کر carmel چلے جانے کی' مگر یہ ثانوی وجوہات تھیں۔ اصل اور بنیادی وجہ نہیں۔ اصل اور بنیادی وجہ ہنیہ کو اپنے ساتھ کسی ایسی خوب صورت جگہ لے جانے کی' جہاں ان دونوں کے سوا ان کا واقف کوئی بھی نہ ہو' صرف وہ دونوں ہوں اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ محبت ہو' اس کے دل کے کسی گوشے سے ابھرتی یہ آواز تھی کہ وہ ہنیہ سے جیسی اور جتنی محبت کرتا ہے اس کا بھرپور اور مکمل انداز میں اظہار ان چھ دنوں میں کروا لے۔ پچھلے چھ سات دنوں میں اس نے جو کچھ بھی کیا اپنے دل کے کہنے پر کیا۔

کیسی ناقابل فہم سی بات تھی کہ جو کام اس نے بظاہر ہنیہ کو ماما جانی کی جدائی کے غم اور مستقبل کے اندیشوں سے نکالنے کے لیے اس کی خاطر کیا تھا اس نے درحقیقت اسے بھی بہت خوشی دی تھی۔ وہ ان چھ دنوں میں بہت خوش رہا تھا ان دنوں میں کئی بار ایسا ہوا جب خود کو خوش ہوتا محسوس کر کے اس کے اندر احساس ندامت جاگا' کیا وہ ایک خود غرض اور نافرمان بیٹا بن گیا تھا؟ اس کا باپ اس سے خفا ہے اور وہ تفریحات میں مگن ہے؟ مگر اس احساس ندامت کو یکسر مسترد کرتے اس کے دل سے فوراً ہی ہر بار یہ صدا آتی کہ وہ جو کر رہا ہے' بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔

اس نے اپنے اور ہنیہ کے رشتے کو مکمل بنایا مما' پاپا کی رضامندی سے قبل ان کے رشتے کی اس تکمیل پر ہنیہ شرمندہ ہوئی تھی' پشیمان ہوئی تھی مگر وہ تو ایک پل کے لیے بھی شرمندہ نہ ہوا تھا۔

ہنیہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے نظر آرہی تھی سوتے وقت اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہن کر وہ کتنی خوب صورت لگا کرتی تھی۔ اگر پاپا کو یہ پتا چلے کہ پچھلے دنوں اس نے اس لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی کے چھ بہترین' یادگار اور انمول دن گزارے ہیں تو وہ کیا سوچیں گے؟ شاید وہ اس سے مزید بدگمان اور خفا ہو جائیں گے' اسے بہت خود غرض بے حس اور نافرمان بیٹا سمجھیں گے۔ مگر ہنیہ کو اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے اور مکمل دے کر اسے ایسا کیوں نہیں لگ رہا کہ اس نے کچھ برا کیا ہے' کچھ غلط اور خود غرضانہ کیا ہے۔ وہ اپنے دل کی بہت سنتا تھا' دل کی بہت مانتا تھا اور اس کا دل ان گزرے دنوں میں اسے ہر پل یہ یقین دلاتا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ سب بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا دل مطمئن تھا' وہ اسے بھی اطمینان دلا رہا تھا۔ اگر ہنیہ کے ساتھ ان چھ دنوں میں وہ خوش رہا تو یہ خوشی خود غرضی نہیں' نافرمانی نہیں حق تھی' ان کے رشتے کا حق تھی۔ کون جانے اب وہ دونوں کب اور کہاں ملیں گے' کن حالات میں ملیں گے۔ ان چھ دنوں میں اس کا دل ہر پل اس سے یہ کہتا رہا تھا کہ وہ جتنی محبت ہنیہ سے کرتا ہے اس کا آج اور ابھی کھل کر اور والہانہ اظہار کر ڈالے۔ اپنی محبت کی کسی بھی شدت کو ہنیہ سے چھپا کر آئندہ کے لیے بچا کر نہ رکھے۔

☆ ☆ ☆

عباد کو رخصت کر کے وہ گھر واپس آچکی تھی۔ کچھ گھنٹے قبل یہاں وہ بھی تھا' یہاں ایسی خاموشی اور ویرانی نہ تھی۔

وہ کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ خود کو بار بار یہ یاد دلا رہی تھی کہ اسے رونا نہیں ہے' اسے خود کو مضبوط بنانا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں بار بار ہی بھیگ رہی تھیں۔ بیڈ پر جس طرف وہ لیٹتا تھا' وہ اس طرف' اسی کے تکیے

پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ سامنے عباد کی لگائی My faimly والی تصویر میں وہ ٹکٹکی باندھے عباد کو دیکھے چلی جارہی تھی۔ وہ پچھلے سات دنوں میں 24 گھنٹے اس کے ساتھ رہا تھا' دن اور رات کا کوئی پل کوئی لمحہ اس نے اس کے بغیر نہیں گزارا تھا اور اس وقت اس کمرے کی یہ خاموشی اور یہ سناٹا اسے سمار رہا تھا' خوفزدہ کر رہا تھا۔ اس سناٹے سے گھبرا کر وہ بالکونی میں آ گئی تھی۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں مگر وہ ان آنسوؤں کو بہا کر وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"عابی! جلدی آنا' تمہارے بغیر تو یہ ایک رات نہیں کٹ رہی' میں یہ تمام طویل دن کس طرح گزاروں گی؟"

وہ بالکونی میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اب راستے میں ہو گا' وہ نیویارک کی حدود سے باہر نکل چکا ہو گا' جس ستارے کو اس پل وہ دیکھ رہی ہے پتا نہیں آسمان کی وسعتوں میں عباد کو وہ ستارہ دکھائی دے رہا ہو گا کہ نہیں؟

☆ ☆ ☆

اس کا سفر جاری تھا۔ جہاز میں اپنے اردگرد بیٹھے مسافروں سے لاتعلق وہ اپنے مما' پاپا کی تصویروں کو نگاہوں کے سامنے کیے بیٹھا تھا۔ اسے نہ کچھ کھانے کی خواہش تھی نہ کچھ پینے کی۔ وہ اپنے گرد و پیش سے یکسر بے نیاز تھا۔ وہ اپنی بہت پیاری مما کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بہت ہینڈسم پاپا کو دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کو منانے آرہا ہوں پاپا! آپ ضدی ہیں تو میں آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ ضدی ہوں۔ آپ مجھ سے ناراض رہنے کی اپنی ضد پر قائم رہیں میں آپ کو منا لینے کی اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہوں۔ میری ضد آپ کی ضد سے زیادہ مضبوط ہے لہٰذا آپ کو تو میں ہر حال میں منا کر ہی رہوں گا۔ آپ نے مجھے معاف نہ کیا' مجھے گلے سے نہ لگایا تو عباد عذیر کی زندگی کس کام کی ہے؟"

باپ کی تصویر کو دیکھتا وہ ان سے سرگوشی کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

انہیں ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔ عباد انہیں بے طرح اور بے حساب یاد آرہا تھا۔ وہ پریشان تو اس کے لیے اسی روز سے تھیں جب عذیر فاروق نے ان سے اس کے نکاح کی اطلاع پا کر سخت غصے کی حالت میں اسے فون کیا تھا۔ انہوں نے فون پر عباد کو جو کچھ کہا وہ ہاجرہ نے حرف بہ حرف سنا تھا' اپنی طرف سے انہوں نے بہت اچھے انداز اور اچھے ماحول میں عذیر فاروق کو عباد کے نکاح کی بات بتائی تھی مگر ان کے تمام تر محتاط انداز کے باوجود وہ یہ بات سنتے ہی غصے سے بپھر گئے تھے۔ انہوں نے اسی وقت ان کے سامنے ہی عباد کو فون کر کے اس سے قطع تعلق کا اعلان کیا تھا۔ اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی شادی کا ان سے ایک ماں سے بڑھ کر ارمان اور کس کو ہو سکتا تھا' عباد کا اس طرح کسی انجان لڑکی سے نکاح کر لینا' جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا' ان کے دل کو افسردہ کر گیا تھا مگر وہ ان کا بیٹا وہ ان کا عابی جس طرح آس و نراس میں گھرا بول رہا تھا۔

وہ اس کا امید بھرا التجائیہ انداز کہ ماں اسے ضرور سمجھ لے گی' اماں اس سے خفا نہ ہوں گی' انہیں کسی بھی خفگی و ناراضی کا اظہار کرنے سے روک گیا تھا۔ وہ عابی سے ناراض نہیں انہوں نے اسے یقین دلایا تھا مگر وہ اس کے پاپا کی ناراضی دور کرنے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہی تھیں۔

عذیر فاروق عباد سے شدید ناراض تھے۔ وہ اس کا نام سننا تک پسند نہیں کر رہے تھے۔ ان گزرے سات دنوں میں انہوں نے کئی بار شوہر سے بات کرنے کی کوشش کی۔ عباد سے ان کی ناراضی ختم کرانے کے جتن کیے مگر وہ ان کی بات کیا سنتے' قائل کیا ہوتے' وہ عباد کا نام سنتے ہی انہیں آگے بات کرنے سے روک دیتے۔ یہ سات دن انہوں نے بڑی کشمکش اور پریشانی میں گزارے تھے۔ وہ کیا کریں۔ وہ حالات کو کس طرح ٹھیک کریں۔ انہیں نہ عباد کی فکر چین لینے دے رہی

تھی نہ شوہر کی۔ وہ اپنے حساس بیٹے کے لیے بہت پریشان تھیں وہ اس سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہی تھیں اور دوسری طرف عذیر فاروق تھے' ان کے شوہر' ان کی زندگی کے ساتھی جو عباد پر چیخنے چلانے اور ناراض ہونے کے بعد بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے بولنا' کھانا پینا سب چھوڑ رکھا تھا۔ صبح وہ آفس جاتے شام میں وہاں سے گھر آکر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے جاتے' نہ ہاجرہ سے کچھ کہتے نہ کچھ پوچھتے۔ ان چھ دنوں میں آفس اور گھر کے سوا وہ کسی تیسری جگہ نہیں گئے تھے۔ ان کا یہ انداز وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ وہ عباد سے بے تحاشا محبت کرتے تھے۔

انہوں نے زندگی بھر اس کی کوئی فرمائش' کوئی خواہش کبھی ٹالی نہیں تھی انہوں نے اسے والہانہ اور بے حساب چاہا تھا اور اب جب اس سے خفا ہوئے تھے تو اتنے شدید کہ لگتا تھا کبھی اس سے راضی ہوں گے ہی نہیں' ان دنوں ان کے گھر میں خاموشی اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔ روز رات کو وہ دونوں ایک ہی کمرے میں ایک ہی بستر پر موجود ہوتے اور آپس میں کوئی بات نہ کرتے۔ مختلف پریشان کن سوچوں میں گھرے کبھی ہاجرہ کی آنکھ لگ جاتی' کبھی سوتے سوتے آنکھ کھل جاتی۔ یہ کیفیت گزشتہ کئی راتوں سے تھی مگر آج کی رات تو بڑی ہی بے کلی اور اضطراب میں گزر رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے عالی کا چہرہ تھا' ان کے کانوں میں اس کی مما پکارتی آوازیں تھیں۔ صرف وہی نہیں جاگ رہی تھیں' عذیر فاروق بھی جاگ رہے تھے' آنکھیں کھول کر چھت کو تکتے وہ بھی بے چین سے لگ رہے تھے۔

اس کے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا' عالی کے قہقہوں اور آوازوں کے بنا یہ گھر کتنا سونا ہو گیا تھا' مگر جب سے عذیر فاروق اس سے ملنے کے لیے دبئی سے نیویارک جانے کے بجائے انہیں لے کر واپس کراچی آگئے تھے' تب سے تو ان کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ وہ انہیں حد سے زیادہ یاد آرہا تھا۔ ان کا کسی کام' کسی چیز میں دل نہ لگتا تھا۔ انہوں نے عذیر فاروق سے بہت کہا تھا مگر یہ گزرے تمام ماہ جو دبئی سے آکر انہوں نے اپنے گھر میں گزارے ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھے۔ ان کا دل اپنے عالی کو دیکھنے اسے پیار کرنے کو مچل رہا تھا۔ اس کا خیال کسی بھی پل ان کے ذہن و دل سے محو ہی نہ ہوتا تھا۔ آج کل صبح شام نجانے کب کب کی پرانی باتیں انہیں یاد آئے چلی جاتیں۔ اس وقت بھی آرہی تھیں۔ اپنے پیارے عالی کی باتیں' ماں کا دل ہر پل دہراتا رہتا تھا۔ اس کے اے لیول کے بعد جب پہلے پہل عذیر فاروق نے اسے امریکہ پڑھنے کے لیے بھجوانے کی بات کی' وہ کس طرح بالکل چھوٹے بچوں کے سے انداز میں ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔

"مما! مجھے امریکہ نہیں جانا۔ مما! میں آپ کے اور پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

سترہ اٹھارہ سال کی لاابالی اور کھلنڈرے پن والی عمر میں وہ اپنے ہم عمر دوسرے لڑکوں سے کتنا مختلف تھا۔ عذیر فاروق اس کی ان باتوں پر کبھی اس پر ناراض ہوتے' کبھی اس کا مذاق اڑاتے' مگر وہ تو ایسا ہی تھا۔ وہ ان دونوں کی معمولی سی بیماری پر بھی اتنا پریشان ہو جاتا تھا کہ اس کی پریشانی کے خوف سے وہ اس سے اپنی بیماری چھپاتی تھیں۔ وہ امریکہ سے انہیں دن میں کئی کئی بار فون کرتا' صرف ان کی آواز سے وہ ان کی طبیعت کی خرابی بھانپ لیتا تھا' وہ لاکھ چھپاتی رہیں' اسے ان کی آواز سے پتا چل جاتا تھا کہ وہ بیمار ہیں' پھر اس کی بوکھلاہٹیں اور پریشانیاں ہوتیں' تشویش ہوتی۔ وہ اسے اس طرح پریشان ہونے اور بوکھلانے پر پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ ایسے جیسے یہ اس کے اختیار سے باہر کی بات ہے بے بسی سے کہتا۔

"میں کیا کروں مما! میں جان کر نہیں کرتا' میں آپ کو اور پاپا کو کسی بھی تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔"

آج کل کے لڑکے کہاں ماں' باپ سے اس طرح الجھے ہوتے ہیں' کہاں اتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ پچھلی بار پاکستان آیا تھا تو اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ کچھ اور ہی حجب و کھوا سے خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم اور پیارا لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس پر نظر کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔ "اوپر سے بھرپور نوجوان اور اندر سے چھوٹا بچہ ہے۔"

عذیر فاروق ہنستے رہے تھے' مذاق اڑاتے رہے تھے اور وہ جتنے دن پاکستان میں رہا روز ان کے ہاتھوں سے بیڈ ٹی لے کر اٹھتا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے پراٹھا پکا کر' اپنے ہاتھوں ہی سے نوالے بنا بنا کر کھلایا کرتیں۔

"مما!" وہ بولیں "عالی! مما کی جان۔" ان کی محبت کا یہ والہانہ انداز' یہ پیار اور محبت کی شدتوں میں گندھا ان کا طرز تخاطب اسے کس قدر اچھا لگا کرتا تھا۔ اپنی شادی کے ذکر پر وہ کس طرح فوراً" ان سے بولا تھا۔

"مما! ابھی تک آپ کے جیسی کوئی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی ہی نرمی اور محبت ہو گی۔ جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوب صورت ہو گی اور جو مجھ سے بالکل ویسی ہی محبت کرے گی جیسی ہاجرہ عذیر میرے پاپا سے کرتی ہیں۔"

وہ اس کی ان باتوں پر کتنی دیر تک ہنستی رہی تھیں۔ اس کی ہر بات' ہر ادا ہی دل موہ لینے والی ہوتی۔ یہاں تھا تو ان کی اور عذیر فاروق کی سالگرہ کا دن وہ کس طرح اہتمام سے منایا تھا۔ صبح سویرے اپنے ہاتھوں سے بیڈ ٹی بنا کر ساتھ پھولوں کا گلدستہ اور کارڈ لیے وہ ان کے کمرے میں چلا آتا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو مما۔" "ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا۔" گنگناتے ہوئے۔ اس کے امریکہ جانے کے بعد اب انہیں سالگرہ کا دن کس قدر پھیکا اور بے رونق لگتا تھا۔ حالانکہ عباد بار بار انہیں فون کر کرکے اور میسج کر کر کے wish کر رہا ہوتا مگر وہ فون کالز اور میسجز اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے تھے۔

"عالی! مما کو تم بہت یاد آرہے ہو۔ کب آؤ گے بیٹا؟ ماں کا دل تمہارے لیے بہت اداس ہے۔" بیٹے کی تصویر کو دیکھتے ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

انہیں نیند نہیں آرہی تھی' وہ بستر پر بالکل ساکت اور خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ تھوڑی دیر بعد انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کر رہے تھے مگر وہ ان نگاہوں کو نظرانداز کیے خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ آج کل ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھیں۔ جب سے عباد کے متعلق کوئی بھی ذکر سننے سے انہوں نے انکار کیا تھا' وہ تب سے اس کے متعلق کچھ کہتی تو نہ تھیں مگر ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی یہ ضرور کہہ رہی ہوتی تھیں کہ وہ ان کی خاطر عباد کو معاف کر دیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی طارق کو دبئی فون کر کے انہیں ساری بات بتا دی تھی۔ اب چھپانے کو رہ کیا گیا تھا' ان کا بیٹا امریکہ میں شادی کر چکا تھا۔ وہ بیٹا جس سے انہیں بہت امیدیں تھیں' اس نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ہاجرہ کی ملتجی نگاہوں کو ان تمام دنوں میں نظرانداز کرنے کے باوجود وہ ان سے بہت ڈسٹرب ہوتے تھے۔ وہ اس وقت بھی ڈسٹرب ہو رہے تھے اس لیے یک دم ہی بستر سے اٹھ کر وہ باہر بالکونی میں آگئے تھے۔ ان کے کمرے کے برابر والا کمرہ عباد کا تھا اور ان کے کمرے سے نکلنے والی بالکونی سیدھی اس کے کمرے تک جاتی تھی۔ یعنی وہ بالکونی کے ذریعے بھی بالکونی والا دروازہ استعمال کرکے ایک دوسرے کے کمروں میں جا سکتے تھے۔ وہ اس بند دروازے کو دیکھنے لگے۔

ہاجرہ پابندی سے اس کمرے کی صفائی کرواتی تھیں۔ باہر سے بھی اس کی کھڑکیاں' دروازے سب چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اسی بالکونی' اسی کمرے میں چھوٹا سا کھیلتا وہ پڑا ہوا تھا' برسوں پہلے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنی زندگی کا پہلا قدم اٹھایا تھا اور آج وہ اتنا بڑا ہو چکا تھا کہ اپنی زندگی کے تمام فیصلے ان کی مرضی اور منشا کے بغیر خود کر سکتا تھا۔ ان کی نگاہوں میں تو ابھی تک وہ چھوٹا سا پانچ چھ سال کا بچہ بسا تھا جو "بابا بابا" پکارتا اسی بالکونی میں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اسی لان

میں ان سے سائیکل چلانا سیکھ رہا تھا۔ آج اسے ان سے کچھ بھی سیکھنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ بڑا ہو گیا تھا‘ وہ خود مختار ہو گیا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر لاتے وہ اس کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ خود بخود ہی نگاہوں کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ برسوں پہلے کا منظر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا‘ وہ ہاسپٹل کے بستر پر پٹیوں اور مختلف مشینوں میں جکڑے بری طرح زخمی پڑے تھے‘ وہ ان کے سرہانے سے ہٹتا نہیں تھا‘ وہ بچوں کی طرح روتا رہتا تھا۔

"میرے پاپا کب ٹھیک ہوں گے؟" وہ روتے ہوئے ڈاکٹرز سے پوچھتا رہتا تھا۔ اس نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا‘ وہ چوبیس گھنٹے ان کے پاس رہتا تھا۔ طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی‘ زخم کچھ بہتر ہوئے تو وہ اسے اکثر ان رونے دھونے والی حرکتوں پر چھیڑتے‘ اس کا مذاق اڑاتے۔

"عباد عزیز! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔"

وہ امریکہ جانے پر بھی ان سے چھپ چھپ کر ماں کی گود میں سر رکھ کر بہت رویا تھا۔ انہوں نے اسے بی ای پاکستان ہی سے کرنے دیا تھا‘ بلکہ اس کا اتنا رونا دھونا دیکھ کر انہوں نے اسے آگے بھی باہر پڑھنے کے لیے بھیجنے کی اپنی خواہش کو ختم کر ڈالا تھا‘ وہ نہیں چاہتا تھا تو وہ اس پر زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر B.E کے آخری سال میں اس نے از خود M.S کرنے کے لیے امریکہ جانے کی بات کر کے انہیں حیران کر دیا تھا۔

"یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسی؟ ہمارا ماما زبوائے مما کے بغیر وہاں رہ لے گا؟" وہ اسے حسب عادت چھیڑ رہے تھے۔

"اپنے پاپا کے لیے وہاں جا رہا ہوں‘ تاکہ وہ مجھ پر ہمیشہ فخر کر سکیں‘ لہٰذا رہ بھی لوں گا۔" وہ ان کے مذاق اڑاتے انداز کے جواب میں سنجیدگی اور بردباری سے بولا تھا۔ وہ ہاجرہ کی التجائیہ نگاہوں سے بچنے کے لیے باہر آئے تھے اور اب رات کے اس پہر خود بھی اسی کی باتیں یاد کر رہے تھے [illegible] وہ انہیں [illegible] نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ رات کے اس پہر اسے [illegible] اس کی باتیں اس طرح کیوں یاد آ رہی ہیں وہ [illegible] ناکام تھے۔ وہ تو اسے سوچنا نہیں چاہتے اس کا ذکر سننا چاہتے۔ وہ اسے یاد کرنا نہیں چاہتے‘ اس نے انہیں بہت مایوس کیا ہے‘ اس نے انہیں ان کے [illegible] جیسے بڑے بھائی کے آگے بری طرح شرمسار کروایا ہے‘ اس نے ان کا مان‘ فخر اور ناز جو انہیں اس پر تھا سب خاک میں ملا ڈالا ہے‘ پھر وہ اسے کیوں سوچ رہے ہیں؟ نہیں انہیں اسے نہیں سوچنا۔ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکا۔ وہ باپ اور اس انجان لڑکی میں سے اس لڑکی کو چن چکا‘ اسے باپ پر ترجیح دے چکا۔

وہ چند مہینوں کی شناسا لڑکی اس کے لیے باپ کی (پچیس) سالوں کی محبت پر حاوی ہے‘ وہ جتا چکا۔ نہیں انہیں عباد عزیز کو نہیں سوچنا۔ "سر! میں اندر آ سکتا ہوں۔" وہ شرارتی مسکان لبوں پر سجائے ان کے آفس کا دروازہ کھولے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔
"[illegible] آفس [illegible]" [illegible] کرتا۔ وہ اپنے بی ای کے پچھلے سال سے ان کے آفس آنے لگا تھا۔

"آپ کو پتا ہے یہ عزیز فاروق صاحب آفس میں سارا وقت اتنی خوب صورت لڑکیوں کے بیچ رہتے ہیں۔ ذرا خود کو ٹیون کر کے رکھیں۔"

وہ شرارتی انداز میں ماں کو سمجھاتا۔

آج جب وہ اس سے اتنے شدید ناراض ہیں جب اس نے ان کا اتنا دل دکھایا ہے‘ انہیں اتنا مایوس کیا ہے تب کیوں وہ اس طرح یاد آ رہا ہے؟

وہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکل رہے ہیں‘ وہ ان کی جوتیاں ہاتھوں میں لیے کھڑا ہے‘ وہ جھک کر ان کی جوتیاں ان کے پیروں کے سامنے رکھ رہا ہے۔ جب بھی وہ ساتھ نماز پڑھنے جاتے وہ ایسا ہی کیا کرتا۔ وہ باپ بیٹا مسجد سے باہر نکلے تھے‘ پتا نہیں پھٹے پرانے کپڑوں میں میلا کچیلا سا کون شخص تھا اور کیا بے کار اور بے مقصد اپنی داستان سنا رہا تھا‘ وہ اسے نظر انداز کرتے

آگے بڑھ گئے تھے اور عباد مروت اور لحاظ میں اس شخص کی ساری بات سن رہا تھا۔

وہ بیٹے کو سمجھانا چاہتے تھے کہ اس شخص کی جھوٹی غم زدہ داستان کا اختتام پیسے مانگنے پر ہوگا‘ مگر وہ ان کی آنکھ کا اشارہ سمجھ لینے کے باوجود بھی اپنے فطری لحاظ اور مروت کے ہاتھوں مجبور اس شخص کی بات تحمل سے سن رہا تھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا‘ مگر ان سے بالکل مختلف عادات کا مالک تھا۔ وہ تو جہاں ضرورت ہوتی بد مزاج اور بد دماغ بھی بن سکتے تھے‘ پُرغرور انداز بھی اختیار کر سکتے تھے‘ لحاظ اور مروت کو پرے بھی دھکیل سکتے تھے۔

"ہر آدمی آپ کی اخلاقیات کا مستحق نہیں ہوتا۔" وہ اسے سمجھایا کرتے تھے۔

"عباد عزیز! آثار بتا رہے ہیں تم میرے جمے جمائے کاروبار کو چند ہی سالوں میں بہت برے حالات تک پہنچا دو گے‘ تمہیں تو ہر کسی پر ترس اس قدر آتا ہے۔"

وہ بالکونی میں چلتے چلتے آہستگی سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آ گئے۔ [illegible] کے بچپن [illegible] نوجوانی سب بکھری پڑی ہیں۔ اسے کمرے میں تصویریں لگانے کا بہت شوق تھا۔

اس کی ایک تصویر جس میں وہ 8‘ 9 برس کا تھا‘ اسے دیکھتے انہیں بے وجہ ہی برسوں پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ برسوں پہلے کی ایک بات جب وہ یونہی اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔ اسی طرح بالکونی والے دروازے سے‘ انہیں بات یاد نہیں تھی‘ عباد نے کیا شرارت کی تھی‘ ایسا کیا کیا تھا جس پر انہوں نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر ان کی ڈانٹ سنتا رہا تھا۔ وہ ایسے کام کرتا ہی بہت کم تھا کہ اسے ڈانٹ کھانی پڑے۔ اس لیے نہ وہ اور ہاجرہ اسے ڈانٹنے کے عادی تھے اور نہ وہ ڈانٹ کھانے کا۔ یہی وجہ تھی کہ رات جب وہ سونے کے لیے لیٹ گئے تو انہیں بے چینی سے نیند نہیں آئی۔

وہ اپنی غلطی پر ان سے ڈانٹ کھا کر چپ چاپ اپنے کمرے میں سونے چلا گیا تھا اور اب انہیں اسے ڈانٹنے پر ملال سا ہو رہا تھا۔ اس کی غلطی بھی تھی تو کیا ہوا‘ وہ شرارتی بچہ نہ تھا‘ ایک آدھ بار کی غلطی تو قابل معافی ہوتی ہے‘ انہیں اسے اتنے سخت لفظوں میں نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا۔ وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے اٹھ گئے تھے۔ "کبھی کبھار ڈانٹ ڈپٹ بھی بچوں کی بھلائی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اکلوتا بیٹا ہے‘ کہیں ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار میں بگڑ ہی نہ جائے۔" بالکونی میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ان کا ذہن ان سے کہہ رہا تھا۔ مگر باپ کا دل‘ ذہن کی ان نصیحتوں کو خاطر میں نہ لاتا آخر بیٹے کے کمرے میں آ ہی گیا تھا۔ وہ اندر اسی طرح جیسے ابھی آئے تھے بالکونی کے دروازے سے اسی کمرے میں آئے تھے‘ شاید رات کا ایسا ہی کوئی پہر تھا‘ یہیں اسی بیڈ پر وہ سو رہا تھا۔

وہ اس کے قریب آئے تھے‘ اس کے قریب آکر انہوں نے اسے جھک کر دیکھا تو اس کے گالوں پر انہیں آنسوؤں کے نشان نظر آئے‘ آنسو سوکھ چکے تھے مگر ان آنسوؤں کے نشان اس کے چہرے پر باقی تھے‘ وہ روتے روتے سو گیا تھا۔ ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔ وہ بے اختیار جھکے تھے‘ انہوں نے اس کے دونوں گالوں کو والہانہ چوما تھا۔

"عالی! آئم سوری بیٹا‘ پاپا کو تمہیں اس طرح نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا۔" وہ گہری نیند سو رہا تھا‘ وہ اٹھا نہیں تھا‘ ان کی آنکھیں بیٹے کے آنسوؤں کو دیکھ کر بھیگ سی گئی تھیں‘ وہ اس کے پاس ہی لیٹ گئے تھے۔ وہ دل میں ارادہ کر رہے تھے کہ اپنی اس ڈانٹ کے ازالے کے لیے وہ اسے کل کہیں گھمانے لے جائیں گے‘ اسے اس کی پسند کے بہت سارے کھلونے دلائیں گے‘ وہ ان سے خفا ہو کر روتے ہوئے سویا تھا‘ وہ اسے کل صبح ہی منا لینے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مگر صبح ہونے پر جب ان سے پہلے عالی ان کے پاس آیا۔ وہ اسے منانے اور خوش کرنے کا پروگرام طے کر رہے تھے اور

وہ آنکھوں میں آنسو لیے ان سے معافی مانگ رہا تھا۔

"sorry papa! It won't happen again"

وہ نو سال کا بچہ رات اپنے بستر میں گھس کر روتے ہوئے اس لیے نہیں سویا تھا کہ پاپا نے اسے ڈانٹا تھا اور وہ ان سے ناراض تھا بلکہ اس لیے رویا تھا کہ اس نے ایسا کام کیا کیوں جس پر پاپا خفا ہوئے' وہ خود سے ناراض ہو کر روتے ہوئے سویا تھا۔

اپنے نو سال کے بیٹے کی اس حساسیت پر ان کے دل کی عجیب حالت ہوئی تھی' انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا' اسے والہانہ اور بہت پیار کیا تھا۔

ان کے ذہن کی رو بھٹکتی کہاں سے کہاں چلی گئی تھی' وہ عباد کے بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

وہ رات کے اس پہر آخر اس بیٹے کو کیوں سوچ رہے ہیں' جسے کل ضرور ان سے محبت تھی مگر آج نہیں' جسے کل ضرور ان کی پروا تھی مگر آج نہیں' جس کے لیے وہ کل ضرور اہم تھے مگر آج نہیں۔ آج تو اس کے لیے وہ لڑکی اہم ہے۔ اگر اس کے لیے آج ان کی کوئی اہمیت ہوتی تو بجائے انہیں موبائل پر میسجز کرنے اور ای میل بھیجنے کے یہاں آنہ چکا ہوتا؟! انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دیتی ایک ای میل کر کے وہ امریکہ میں اس لڑکی کے ساتھ سکون سے تھا' مزے میں تھا۔ انہوں نے اس کی ای میل پڑھنا گزشتہ کئی ماہ سے ترک کر رکھا تھا۔ اس کی ای میلز ہوں یا موبائل پر ٹیکسٹ میسجز' وہ پڑھے بغیر انہیں ڈیلیٹ کر دیتے اس وقت ان کے ان باکس میں عباد کی صرف ایک ہی میل تھی' وہ میل جو غالباً" اس نے انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دینے کے لیے کی تھی۔ اس ای میل کو انہوں نے پڑھا نہیں تھا' مگر اس ای میلز کو پچھلی تمام میل کی طرح وہ ڈیلیٹ بھی نہ کر سکے تھے' نجانے کیوں؟

☆ ☆ ☆

ایک بہت طویل اور بہت تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر اس کا جہاز دبئی ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا تھا۔ اس نے پورا سفر اپنے مما' پاپا کی تصویروں کو دیکھ [illegible] ان سے باتیں کرتے گزارا تھا۔ وہ اب ان تصویروں کو واپس اپنے والٹ میں رکھ رہا تھا۔ حفاظتی بیلٹ باندھ لینے کے بعد آنکھیں بند کیے بیٹھا وہ جہاز کا زمین نزدیک سے نزدیک تر ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

وہ پاپا کو منا لینے کے اپنے طویل سفر کی پہلی منزل دبئی پہنچ چکا تھا۔ امیگریشن کے لیے یہاں بھی طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

اس کی فلائٹ کے مسافر اور کچھ دوسری فلائٹس جنہوں نے ان کے آگے پیچھے ہی دبئی ایئرپورٹ پر لینڈ کیا تھا ان کے مسافر مختلف قطاروں میں لگے امیگریشن کے لیے سکون سے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی باری آئی تو عرب امیگریشن آفیسر نے دو تین عمومی نوعیت کے سوالات کر کے اس کے پاسپورٹ پر اسٹیمپ لگا دی تھی۔

اسی اثنا میں Luggage Belt پر ان لوگوں کا سامان آنا شروع ہو چکا تھا۔ اس [illegible] سامان نہیں تھا مگر اس کے ساتھ سفر کرتی [illegible] بوڑھی پاکستانی خاتون جو جہاز میں اس سے ایک نشست آگے بیٹھی ہوئی تھیں' ان کے ساتھ خاصا وزنی سامان تھا۔ وہ خاصی ضعیف بھی تھیں اور تنہا سفر بھی کر رہی تھیں۔ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھا کر ٹرالی میں رکھتے اس کی ان خاتون پر نظر پڑی۔

وہ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وزنی ہونے کے سبب وہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ان کے قریب آ گیا' اس نے ان کا وہ سوٹ کیس اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھ دیا۔

"شکریہ بیٹا۔" وہ اس کی شکر گزار ہوئی تھیں۔

"آپ کا اور بھی سامان ہے آنٹی؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"ہاں بلیک کلر کا ایک سوٹ کیس اور ہے۔" وہ ان کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ اپنا سامان اٹھا چکا ہے اور اب صرف ان کی خاطر وہاں کھڑا ہے۔

سارا راستے بھر وہ کتنا لاتعلق سا لگا تھا' انہوں نے دیکھا اس نے ایئر ہوسٹس کو بھی اپنے لیے کچھ کھانے کے لیے لانے کو منع کر دیا تھا' وہ سارا راستہ گرد و پیش سے لاتعلق اپنے آپ میں گم رہا تھا۔ مگر وہ شاید صرف لاتعلق نظر آیا تھا' تھا نہیں' تب ہی تو بغیر کسی واقفیت اور جان پہچان کے صرف انسانیت کے ناتے ان کے ساتھ کھڑا ان کے سامان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کا دوسرا سوٹ کیس کافی دیر بعد آیا تھا۔ اس نے ان کا دوسرا سوٹ کیس بھی اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا۔

"جیتے رہو۔ خوش رہو۔" اس کا شکریہ ادا کرتے انہوں نے اسے دعائیں دیں۔

وہ ان کے شکریہ پر شرمندہ سا ہوتا یوں نظر آ رہا تھا جیسے کسی ایسی بات پر اس کا شکریہ ادا کیا جا رہا تھا جو انتہائی معمولی تھی۔ بڑھاپا بھی تھا اور وہ زندگی میں پہلی بار تنہا سفر بھی کر رہی تھیں' اس لیے کچھ گھبراہٹ کا شکار تھیں مگر اس انجان لڑکے کی اپنے ساتھ موجودگی [illegible] نہیں بلکہ ڈھارس بندھا رہی تھی۔ یہاں اپنی بیٹی سے ملنے آئی تھیں۔ ان کے داماد کو انہیں پک کرنے آنا تھا مگر وہ اب تک پہنچے نہیں تھے۔ انہیں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی کہ انجان جگہ پر تنہا وہ بیٹی کے گھر کیسے پہنچیں گی۔

"آپ فکر مت کریں آنٹی! تھوڑی دیر اور دیکھ لیں اگر آپ کو لینے کوئی نہیں آیا تو آپ کو جہاں جانا ہے وہاں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" وہ ان کی وجہ سے ان کے ساتھ وہاں رکا ہوا تھا۔ انہوں نے اب اس سے اس کا نام پوچھا تھا۔ وہ انہیں کسی بہت اچھی فیملی کا لگا تھا۔ نئی نسل کے لڑکوں میں یہ شائستگی' یہ اخلاقیات باقی ہیں' وہ تعجب سے سوچ رہی تھیں۔ کافی انتظار کے بعد ان کے داماد انہیں لینے آ گئے تھے۔ سو اب اس سے رخصت ہو رہی تھیں۔

"آپ مجھے یہ دعا دیں آنٹی! کہ میرے مما' پاپا ہمیشہ خوش رہیں' مجھ سے راضی رہیں' کبھی بھی مجھ سے ناراض نہ ہوں۔"

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں' باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس والدین کی خوش قسمتی پر رشک کر رہی تھیں جن کا وہ اتنا پیارا بیٹا تھا۔

ان بوڑھی خاتون کو ان کے داماد کے ساتھ رخصت کر کے اب وہ ٹیکسی میں بیٹھا انکل طارق کے گھر کی جانب رواں تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ روشنیوں اور بلند و بالا عمارتوں میں گھرے دبئی کی صاف ستھری سڑکوں پر بے توجہی سے نگاہیں دوڑاتے وہ اپنے مما اور پاپا کو سوچ رہا تھا۔ ابھی تو وہ دبئی پہنچا ہے۔ وہ کراچی کب جائے گا۔ وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح ان دونوں کے سینے سے لگ جانا چاہتا تھا۔ وہ ان دونوں سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ان دونوں سے بہت پیار کرتا ہے' ساری دنیا میں سب سے زیادہ وہ ان دونوں کو چاہتا ہے۔

مما' پاپا کا اس وقت اس کے سامنے آ جانا ناممکن تھا' مگر اس کا ان سے محبت کا اظہار اور اعادہ تو ناممکن نہ تھا۔ پاپا اس کا میسج پڑھیں نہ پڑھیں پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان کر چکے تھے' وہ اس سے اپنا ہر رشتہ ختم کرنے کا اعلان کر چکے تھے' پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا۔

پہلے وہ مما کو ان کے موبائل پر میسج بھیج رہا تھا۔ سادہ سے چند لفظ تھے جو اس نے ٹائپ کیے تھے۔

"Mama! I Love You"

اور میسج سینڈ کر دیا تھا' اب وہ ایسا ہی ایک میسج اپنے پاپا کو سینڈ کر رہا تھا۔

"Papa! I Love You"

ایک ہی سیکنڈ کے اندر مما کا Reply آ گیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا۔"

مما کا جوابی میسج پڑھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

ہنیہ سجاد ایک ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ غیر معمولی اعتماد اسے والدین سے ورثے میں ملا ہے اس کی ساری زندگی امریکہ میں گزری ہے۔ بہترین تربیت اور کولمبیا یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری نے اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کیا ہے۔ اس کے والد وکیل جبکہ والدہ آکناسٹ تھیں۔ دو بھائی اور ایک بہن شادی کے بعد اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ والدین کے انتقال کے بعد ہنیہ امریکہ کی ہنگامہ پرور فضا سے گھبرا کر پاکستان آجاتی ہے اور جاب کے سلسلے میں فاروق ایسوسی ایٹس آتی ہے۔ جہاں فرم کے مالک عذیر فاروق اس کے پراعتماد اور سادہ انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ اسے ٹرائل پر نوکری دے دیتے ہیں۔ جہاں چند ہی دنوں میں وہ متاثر کن کارکردگی دکھاتی ہے۔ پاکستان میں وہ فیاض ماموں، شمسہ مامی کے ساتھ رہتی ہے۔ جاب کے سلسلے میں عذیر فاروق خاص معاونت کرتے ہیں، جس سے اسے ایڈجسٹمنٹ میں آسانی ہوتی ہے۔ ان کی اہلیہ ہاجرہ عذیر سے مل کر ہنیہ بہت متاثر ہوتی ہے۔ وہ عذیر فاروق کی طرح طلسماتی شخصیت کی حامل ہیں۔ ہاجرہ عذیر کی طبیعت کی خرابی پر ہنیہ ذاتی طور پر ان سے ملنے اسپتال جاتی ہے۔ وہ ہنیہ میں ایک ان دیکھی کشش محسوس کرتی ہیں۔ ہنیہ بھی عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔ اچانک ایک روز وہ دونوں ہنیہ سے ملنے گھر آجاتے ہیں۔ جس پر وہ حواس باختہ ہو جاتی ہے ان کے جانے کے بعد وہ فیاض ماموں اور شمسہ مامی کو بتاتی ہے کہ یہ عباد کے والدین ہیں۔ جس پر وہ دونوں حق دق رہ جاتے ہیں۔

عالی یعنی عباد عذیر سے اس کی ملاقات کولمبیا یونیورسٹی میں اتفاقاً ہوئی جو وہیں سے انجینئرنگ میں ایم ایس کر رہا تھا۔ ہنیہ کا پراعتماد انداز اسے بھی چونکاتا ہے اور بے ساختہ اس کی جانب کھنچنے لگتا ہے۔ ایک اتفاق ہنیہ اور عباد کو ایک

مکمل ناول

دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ ہنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عباد کی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ ہنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ عباد کا دوست عدیل' ہنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا' ہنیہ' عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

ہنیہ اور عباد کی لو اسٹوری میں اچانک موڑ آتا ہے جب عذیر فاروق' تایا زاد انوشہ سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں جان کر عباد کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کو ہنیہ کے بارے میں بتاتا ہے تو وہ اسے ہنیہ سے ہر تعلق ختم کرنے کا کہتے ہیں۔ ہنیہ کے علم میں جب یہ بات آتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتی ہے۔ عباد اسے ایک لمحے کے لیے تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ عباد ہنیہ کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کو ہنیہ کے لیے منالے گا۔ ہنیہ تمام معاملے کا ذمہ دار عذیر فاروق کو سمجھتی ہے۔ اسی دوران ماما جانی کی طبیعت شدید خراب ہو جاتی ہے' جس سے ہنیہ کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔

مرتے ہوئے ماما جانی' عالی اور ہنیہ کا نکاح کروا دیتی ہیں۔ عذیر فاروق' عباد سے سارے تعلق توڑ لیتے ہیں' عباد کے لیے ان کی سرد مہری سوہان روح ہے۔ مشکل کی اس گھڑی میں ہنیہ کے بہن بھائی اسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ عباد' ہنیہ کو جذباتی سہارا فراہم کرتا ہے اور اپنی نئی زندگی کا آغاز پر اعتماد انداز میں کرتا ہے۔

نئی زندگی کی شروعات وہ carmel میں چھ دن ہنی مون سے کرتے ہیں۔ اسے ایک ہفتے بعد نیویارک سے دبئی اور پھر پاکستان اپنے والد عذیر فاروق کو منانے جانا ہے۔ چھ یادگار دن وہ ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے ہیں۔ عباد چاہتا ہے کہ ہنیہ ہر غم بھلا کر اسے پاکستان بھیجے' ہنیہ اس کا مان رکھتی ہے اور تمام اچھی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی اور آخری قسط

بہت خوب صورت' بڑی پیاری مسکراہٹ' وہ اس میسج کو جی بھر کر کئی بار پڑھنا چاہتا تھا' اپنی ماں کے پیار بھرے ان لفظوں کی چاشنی اور مٹھاس اپنے اندر اتارنا چاہتا تھا مگر ابھی وہ صرف دوسری بار ہی ماں کے لکھے ان خوب صورت لفظوں کو دیکھ پایا تھا کہ اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ ہنیہ اسے کال کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا ناں وہ اسے اس کے دبئی پہنچنے کے بعد فون کرے گی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ اس نے ہنیہ کی کال ریسیو کی۔ ابھی وہ صرف کال ریسیو کر پایا تھا' ہیلو کہنے کے لیے لب وا کر رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ سامنے سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ان کی ٹیکسی ٹکرائی تھی۔ غلطی کس کی تھی' کیا ہوا تھا' اسے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ وہ بس اپنی ٹیکسی کو گویا سیکنڈ کے اندر کئی قلابازیاں کھاتے دیکھ رہا تھا' وہ ہوا میں کئی فٹ اوپر اچھلی نجانے کہاں سے کہاں ٹکرائی' قلابازیاں کھاتی اب کہیں لڑھکتی چلی جا رہی تھی' ایسے جیسے کہیں نیچے کی طرف' کہیں کسی گہرائی کی طرف لڑھک رہی تھی' موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس کے کانوں میں ہنیہ کی گھبرائی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ وہ "عالی" "عالی" پکار رہی تھی۔

وہ اوندھے منہ سیٹ سے نیچے گرا ہوا تھا' اس کے ارد گرد چاروں طرف خون ہی خون پھیل رہا تھا۔ وہ اپنا تمام سارا خون' جس میں وہ نہا رہا تھا اس کے اپنے جسم سے بہہ رہا تھا۔ یہ خون اس کے جسم کے کس حصے سے بہہ رہا تھا اسے معلوم نہیں تھا' وہ تو بس بے بسی سے خود کو اپنے خون میں نہاتا دیکھ رہا تھا۔

وہ اب صرف اپنے موبائل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ہنیہ نے یقیناً اس دھماکے کی آواز سنی تھی' وہ کتنی دیر سے "عالی" "عالی" کہہ کر پکارتی رہی تھی۔ شاید ابھی بھی پکار رہی تھی مگر اب اسے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر ہنیہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فون پر اس سے بات نہ کی تو وہ بہت بری طرح پریشان ہو جائے گی۔ وہ اسے فون پر تسلی دینا چاہتا تھا کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے مگر وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے اپنے موبائل پر پایا کا Reply بھی تو پڑھنا ہے۔ کیا پتا انہوں نے اسے Reply کر دیا ہو۔

"عالی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں عالی۔ میں تنہا ہوتی ہوں' تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔"

اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں کھولیں۔ وہ روتی ہوئی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔

"ہنی۔" اس کے لبوں سے آواز نہیں نکل سکی تھی مگر اس کے دل نے اسے پکارا تھا۔

"نہیں اللہ! ابھی نہیں' ابھی نہیں۔ ابھی میں تیار نہیں۔ ابھی تو مجھے اس دنیا میں بہت کام ہیں۔ ابھی بہت لوگوں کو میری ضرورت ہے۔ مما' پاپا' ہنی۔ مجھے پاپا کو منانا ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہیں' ابھی نہیں۔"

اس کی وہ پرفیکٹ فیملی' اس کا وہ گھر جہاں مما' پاپا' وہ اور ہنیہ موجود تھے' ابھی ہر منظر ادھورا تھا۔ تکمیل کا منتظر تھا۔ ابھی تو زندگی کو اس کی بہت ضرورت تھی' ابھی تو دنیا میں بہت سے لوگوں کو اس کی بہت ضرورت تھی۔ مما' پاپا' ہنیہ اس کے بنا جی نہیں سکیں گے۔ بے بسی کے عالم میں اس کے دل سے فریاد نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے پھر اندھیرا آ رہا تھا۔

"عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پاپا! میری بات سنیں۔" آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا اب اسے کچھ بھی دیکھنے نہیں دے رہا تھا۔ اب اسے اپنا خون نظر نہیں آ رہا تھا' اب اسے اپنا وجود' الٹی پڑی وہ ٹیکسی جس میں وہ اوندھے منہ پڑا تھا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اب اسے کسی بھی طرح کا درد یا تکلیف بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے جسم کو ہلا نہیں سکتا تھا مگر اب اسے ذرا سی بھی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اب اگر وہ کچھ محسوس کر رہا تھا تو وہ' وہ اندھیرا تھا جو اس کی آنکھوں کے آگے چھاتا چلا جا رہا تھا اور کسی لمحے کم ہونے لگتا تھا اور کسی لمحے بڑھنے لگتا۔

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں' باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔" اسے یاد آیا ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے یہ جملہ اسے کہا تھا۔ وہ برا بیٹا نہیں' وہ نافرمان بیٹا نہیں' وہ پیارا بیٹا ہے۔ ابھی ابھی کسی نے اسے یہ بتایا تھا' یہ یقین دلایا تھا۔ اس کے کانوں میں یقین دلاتی وہ انجان آواز گونج رہی تھی۔

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں' باپ کیوں راضی نہ رہیں گے؟"

"I Love You too Beta"

ماں کے محبت بھرے یہ لفظ اس گھپ اندھیرے میں یکدم ہی روشنی پھیلانے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کا چہرہ آنے لگا' خوبصورت اور روشن چہرہ' وہ اسے پیار کرنے اس کے پاس آ رہی تھیں۔

"مما!"

"عالی!" بڑے پیار سے انہوں نے اس کا نام لیا تھا۔ ماں یہاں اس وقت اس کے پاس نہیں' وہ کہیں اور ہے' دنیا کے کسی اور گوشے میں مگر وہ ماں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے انہیں اپنا نام لیتے سنا تھا۔ صرف اس کے دل نے نہیں بلکہ اس کے کانوں نے بھی' اس کی سماعتوں نے بھی ان کا "عالی!" پکارنا سنا تھا۔

"عالی!" اس بار کسی اور نے اسے پکارا تھا' اس کی بند ہوتی آنکھوں نے اس آواز کو ایک پل میں پہچان لیا تھا۔

یہ اس کے پاپا کی آواز تھی۔ اس کے پاپا' وہ اپنے عالی کو پیار سے پکار رہے ہیں۔ اس کے لب کھلے' اس بار دل میں نہیں' لبوں کی جنبش سے نہیں' بلکہ زبان سے آواز سے اس نے انہیں پکارا' ان کا نام لیا۔ "پاپا!" اس کے لب ہل رہے تھے' وہ آواز سے بول رہا تھا۔

"پاپا! مجھے معاف کر دیں۔ پاپا! مجھ سے خفا مت ہوں۔ آئی لو یو پاپا!" اس کے لبوں سے مزید کوئی لفظ نکل نہیں پایا تھا۔ عباد عذیر کے لبوں سے یہ آخری الفاظ نکلے تھے۔ اس کے لب باہم پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے گرد پھیلا اندھیرا اب گھٹ نہیں رہا تھا' وہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"عالی! میرا بیٹا' مما کی جان!" مما اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھیں' وہ اس کا سر اپنی گود میں رکھ رہی تھیں۔

"عباد عذیر! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔"

وہ اس کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے' اس کے پاپا۔ یہ آخری چہرہ تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا' یہ

آخری آواز تھی جو اس نے سنی تھی۔ اس نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندلی تھیں کہ اس کی گود میں سر رکھ کر اب اس کو بہت گہری نیند سونا تھا۔

papa! it would not happen again"
(Im sorry

وہ اس کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ویسے ہی بیٹھے تھے جیسے کئی گھنٹے قبل یہاں آکر بیٹھے تھے۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ یاد آئے چلا جارہا تھا۔

"عالی!" اچانک ہی انہیں ہاجرہ کی چلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ گھبرا کر فوراً بستر سے اٹھے اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ ہاجرہ بستر پر بیٹھی تھیں۔

وہ فوراً ان کے پاس آئے۔

"ہاجرہ! کیا ہوا ہے؟"

"عالی، میرا عالی! میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔" سر سے لے کر پاؤں تک پسینے میں بھیگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کو پیار سے تھپتھپا کر وہ ان کے لیے روم فریج سے پانی نکال لائے۔

"پانی پی لیں۔"

انہوں نے گلاس اپنے سامنے سے دور ہٹا دیا۔ "مجھے اپنے عالی سے ملنا ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس سے رشتہ توڑ سکتے ہیں' میں نہیں۔ مجھے عالی سے ملنا ہے۔ سن رہے ہیں آپ۔ اسے دیکھے بغیر تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے کام کی اور ضروری باتوں کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ اور اب جب بات ہوئی تو اس کے متعلق۔ وہ ان کی پیٹھ آہستہ آہستہ سہلاتے انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ نے کوئی برا خواب دیکھا ہے' وہ وہاں بالکل خیریت سے ہوگا۔"

"اسے یہاں بلائیں' میرے پاس۔ میں اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی عذیر!" ضدی لہجے میں بولتی وہ زارو قطار رو رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

صبح ہونے پر وہ دونوں خاموش تھے۔ ہاجرہ نے باقی کی رات جائے نماز پر نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے گزاری تھی۔ ہاجرہ کی رات کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے آفس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے' مگر وہ دونوں بالکل چپ تھے۔ ناشتے کے لیے' دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے وہ دونوں میز پر ایک دوسرے کی خاطر بیٹھے ضرور تھے پر دونوں میں سے کسی نے بھی کچھ کھایا نہیں تھا۔ دل بے وجہ اتنا اداس اتنا مضطرب تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دل کو یہ بے سکونی سی کیسی لاحق ہے۔

پورا دن یونہی گزر چکا تھا' رات ہو چکی تھی۔ رات ایک بج رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھے تھے۔ ہاجرہ کے موبائل پر کوئی میسج آیا تھا' انہوں نے خود ہی سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ہاجرہ کو ان کا موبائل دیا تھا۔ پتا نہیں کس کا میسج تھا' وہ بے ساختہ بہت بھرپور انداز میں مسکرائی تھیں' طمانیت اور سرشاری بھری مسکراہٹ۔

ہاجرہ کی مسکراہٹ کو دیکھ رہے تھے کہ اسی پل ان کا موبائل بھی بجا تھا۔

"Papa! I Love You" وہ گم صم سے بس ان لفظوں کو دیکھتے رہے۔ ہاجرہ ان کے پاس سے اٹھی تھیں' پتا نہیں وہ کہاں جا رہی تھیں۔ وہ ان سے لاتعلق اپنے موبائل پر چمکتے' جگمگاتے ان چار لفظوں کو تکے جا رہے تھے۔

"Papa! I Love You" یک ٹک کسی کی طرف توجہ دیے بغیر وہ ان لفظوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

"عالی!" ہاجرہ کے لبوں سے نکلنے والی اس چیخ نے انہیں چونکا کر اٹھایا۔ شاید انہیں چکر آیا تھا' وہ ادھر قالین پر گری پڑی تھیں۔ وہ بوکھلا کر فوراً کھڑے ہو کر ان کے پاس آئے۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انہوں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا' اور احتیاط سے واپس بیڈ تک لائے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے انہیں بیڈ پر بٹھایا تھا' وہ تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"پتا نہیں' ایک دم چکر سا آیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ایسا لگا جیسے عالی نے مجھے آواز دی ہے۔ ممّا کہہ کر مجھے پکارا ہے۔ آپ نے سنی عالی کی آواز؟ آپ کو عالی کی آواز آئی؟"

وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے' ان کی بات کی تردید میں کچھ کہہ نہ سکے۔ وہ جانتے نہ تھے کہ اس ماں نے جو آواز سنی' وہ سچی تھی۔ جس لمحے وہ ماں "عالی" پکارتی لڑکھڑا کر قالین پر گری تھی' وہی وہ لمحہ تھا جب عباد عذیر نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندی تھیں۔ وہ بے بسی سے ہاجرہ کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو وہ بہت یاد آرہا ہے نا؟ ہم اسے ابھی فون کر لیتے ہیں۔ آپ اس سے بات کر لیں۔"

وہ اس ماں کی ممتا کا مزید امتحان نہیں لے سکتے تھے۔ ان کے بالوں کو پیار سے سنوارتے وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

"ہاں پلیز میری اس سے بات کرا دیں۔"

وہ اپنے موبائل سے عباد کا موبائل نمبر ملانے لگے۔ مگر کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے تین چار بار ٹرائی کیا۔ وہ اب نیویارک میں اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر ملا رہے تھے۔ وہاں بھی بیل جا رہی تھی' کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ نجانے کتنی بار وہ ٹرائی کر چکے تھے' ان کے برابر بیٹھی ہاجرہ آس اور امید سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ کافی دیر کوشش کی انہیں ٹرائی کرتے۔ ان کے برابر رکھے موبائل کی بیل بجنی شروع ہوئی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی۔

"عباد عذیر کا گھر ہے؟" کسی آدمی نے عربی لب و لہجے کی حامل انگریزی میں ان سے دریافت کیا تھا۔

"جی۔" پتا نہیں ان کا دل یک دم ہی بہت تیزی سے کیوں دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔

"آپ ان کے؟"

"پاپا ہے وہ میرا۔" ہاجرہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا' انہوں نے ہاجرہ کی آنکھوں میں خوف و ہراس پھیلتا دیکھا تھا۔

"سوری سر! ہمارے پاس آپ کے لیے ایک بری خبر ہے۔ یہاں دبئی میں شیخ زید روڈ کے نزدیک ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے' اس میں عباد عذیر کا انتقال ہو گیا ہے۔"

روز قیامت پتا نہیں کب آئے گا اور کیسا ہوگا مگر عذیر علی اور ہاجرہ عذیر کی زندگیوں میں تو روز قیامت آچکا تھا۔ زمین' آسمان' دنیا' زندگی سب اس لمحے ختم ہو چکے تھے۔ ان سفاک اور بے رحم لفظوں کو انہوں نے سنا ضرور تھا' پر سمجھ نہ سکے تھے۔ ان کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ہنوز بالکونی میں بیٹھی تھی۔ چونکہ پچھلی دو راتوں سے وہ اور عباد بالکل نہیں سوئے تھے۔ اس لیے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اسے اونگھ آنے لگی تھی۔ اس ستارے پر نگاہیں جمائے جمائے اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ وہ سو گئی تھی۔ شاید دس' پندرہ منٹ ہی کے لیے اس کی آنکھ لگی ہوگی کہ گھبرا کر فوراً ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ عجیب سی وحشت اور بے سکونی نے اسے سوتے سے اٹھا دیا تھا۔

اسی وقت اندر فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھتی وہ دوڑتی ہوئی اندر آئی اور فون اٹھایا۔ دوسری طرف کیتھی تھی۔ اس کی آواز سن کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ اس وقت جیسی وحشت اور بے سکونی وہ محسوس کر رہی تھی' جس طرح اس کا دل گھبرا رہا تھا' ایسے میں دوست کی صرف آواز سن لینا بھی بڑی ڈھارس دے رہا تھا۔ دوسری طرف کیتھی اس سے لڑ رہی تھی کہ وہ اتنے دنوں سے کسی کو بھی کچھ بتائے اور کہے سنے بغیر آخر غائب کہاں ہو گئی تھی۔ کیتھی اور مائیک سمیت اس کے تمام قریبی دوست اس کی عباد سے ہنگامی حالات میں ہوئی شادی سے واقف تھے۔

"مجھے پتا ہے' یہ کسی کے گھر فون کرنے کا کوئی معقول وقت نہیں مگر میں اتنی زیادہ پریشان ہو گئی تھی کہ روز پابندی سے صبح' شام' رات مختلف وقتوں میں یہاں بھی فون کرتی ہوں' تمہارے گھر بھی فون کرتی ہوں۔ تمہارے سیل پر بھی فون کرتی ہوں۔ بندہ نہیں جا رہا ہے تو کسی کو بتا کر تو جائے۔" اس کے یہ بتانے پر کہ وہ اور عباد کیلی فورنیا گئے ہوئے تھے' کیتھی نے جواباً" تیز لہجے میں کہا۔

"عالی کیسا ہے؟" غصے سے کچھ فرصت ہوئی تو کیتھی نے عباد کی خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی تو پلین میں ہوگا۔ وہ اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہے' انہیں ہماری شادی کے بارے میں سب کچھ بتانے۔"

اس کے جواب پر کیتھی یک دم ہی سنجیدہ ہوئی۔ عباد کے پیرنٹس نے منیبہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا' یہ

کیتھی کے علم میں تھا۔ وہ فوری طور پر ہنیہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔

"تم پریشان ہو؟" اس نے آہستگی سے ایک لمحے بعد پوچھا۔

"ہاں بہت۔ کیتھی! کیا تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو؟ مجھے پتا ہے رات بہت ہوگئی ہے مگر پلیز۔ مجھے اکیلے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں دل اتنا گھبرا رہا ہے۔ عجیب سا ڈر ہے' عجیب سا خوف ہے' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے' بس دل تیز تیز دھڑک رہا ہے۔"

دوست کا ہمدردانہ انداز اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا تھا۔ اس نے عباد سے کہا تھا۔ وہ کمزور اور بزدل نہیں' اور وہ تو اس کے جانے کی پہلی ہی رات اتنی کمزور اور بزدل ثابت ہو رہی تھی۔ گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی' مگر کیتھی نے جواب میں...

"اس وقت؟ اتنی رات کو؟" جیسا ایک بھی جملہ نہیں کہا تھا' وہ فوراً" اس کے پاس آنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

"میں آرہی ہوں ہنیہ! تم فکر مت کرو۔" اور وہ واقعی چند ہی منٹ بعد اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس کا گھر عباد کے اپارٹمنٹ سے تھا ہی اتنا نزدیک کہ گاڑی میں پہنچنے میں تو اسے محض چند منٹ ہی لگے تھے۔ اپنے قریب اپنی پیاری دوست کو دیکھ کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔

"تم فکر مت کرو ہنیہ! عالی کے پیرنٹس ضرور تمہیں قبول کریں گے۔"

وہ دونوں کمرے میں آگئی تھیں اور آکر بیڈ پر ساتھ ہی لیٹ بھی گئی تھیں۔ وہ کیتھی کی تسلی کے جواب میں اسے یہ نہ سمجھا پائی کہ اس وقت اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ عالی کے والدین اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اس وقت تو اسے خود پتا نہیں تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔ اندر ہی اندر جو بے سکونی' وحشت اور خوف ہے' وہ اس بات کا ہرگز نہیں کہ وہ قبول کی جاتی ہے یا رد۔ وہ اپنے اندر پھیلی بے سکونی اور خوف کو خود نہیں سمجھ پارہی تھی تو کیتھی کو کیا سمجھاتی۔

"تم ریلیکس ہو کر سو جاؤ۔ اچھی اچھی باتیں سوچو۔ چاہو تو عالی کی carmal میں کہی کوئی رومانٹک بات مجھ سے بھی شیئر کرسکتی ہو۔ ورنہ bestoption تو یہ ہے کہ عالی کے ساتھ carmal میں گزاری راتوں کو سوچتے سوچتے سو جاؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

اس سے باتیں کرتے کرتے کیتھی سوگئی تھی مگر وہ جاگ رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی اور نہ ہی اسے آنا تھا۔ عالی دبئی پہنچ جاتا تو اسے فوراً" اسے کال کرنی تھی۔ خیریت سے پہنچ گیا' یہ اطمینان کرنا تھا۔

کیتھی صبح سو کر اٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ ہنیہ رات بھر بالکل بھی نہیں سوئی تھی۔ اس کا ذہن عباد کو فون کرنے کی سوچ پر اس طرح اٹکا ہوا تھا کہ اسے یہ دھیان بھی نہیں آیا تھا کہ کیتھی اس کے گھر پر مہمان ہے اور اسے اس کے لیے ناشتہ بنانا چاہیے۔ کیتھی خود کچن میں جا کر اس کے اور اپنے لیے ناشتہ بنا لائی تھی۔ اس کے بہت کہنے پر بھی اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا' وہ گھڑی پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔ عجیب طرح کی بے سکونی اسے لاحق تھی' عباد سے بات ہو جاتی تو شاید یہ بے سکونی کچھ کم ہو پاتی۔ کیتھی نے اسے اتنا ڈسٹرب اور پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا' ہنیہ! اس نے ہمیشہ بہت مضبوط اور بہادر پایا تھا' اس لیے وہ بجائے اپنے آفس جانے کے اس کے پاس ہی رکی رہی۔

ہنیہ کی طرح اسے بھی یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی فوراً" ایک جگہ جاب مل گئی تھی۔ اگلے مہینے وہ اور مائیک شادی کرنے والے تھے۔ ہنیہ گھڑی میں نجانے کون سی ویں دفعہ حساب لگا رہی تھی۔ نیویارک میں اس وقت سپہر کے تین بجنے والے ہیں' تو دبئی میں رات کے 12 بجنے والے ہوں گے۔ "ہاں اب عباد دبئی پہنچ گیا ہو گا۔"

اپنی طرف سے اس نے کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اسے فون کرنے کے لیے اپنا سیل اٹھایا تھا۔ اس کے حساب سے اب عباد یا تو انکل طارق کے گھر پہنچ چکا ہوگا یا پہنچنے والا ہو گا۔ وہ تیز رفتاری سے اس کے موبائل پر کال ملا رہی تھی۔ کیتھی بھی اس کے ساتھ وہیں موجود تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ بھی عباد سے بات کرے گی اور اسے بتائے گی کہ وہ اس پاگل لڑکی کو چھوڑ کر زیادہ دنوں کے لیے نہ جائے ورنہ یہ تو پتا نہیں اپنا کیا حشر کرے گی۔ رات بھر ایک پل کے لیے وہ سوئی نہیں تھی۔ ہنیہ موبائل کان سے لگائے اپنی کال ریسیو کیے جانے کی منتظر تھی۔

عباد نے کال ریسیو کرلی تھی۔ ابھی وہ عباد کی ہیلو تک آواز سن بھی نہیں پائی تھی کہ اس کے کانوں میں ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ بہت خطرناک اور خوفناک سا دھماکہ۔ اس کے لبوں سے بے اختیار چیخ نکلی۔

"عالی! عالی!" دوسری جانب اس کی بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا' اسے پے در پے شور اور دھماکے کی آوازیں آرہی تھیں' انسانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں ایک چیخ کو وہ نہیں پہچانتی تھی' مگر دوسری چیخ کو پہچانتی تھی۔ وہ چیخ اس کے عالی کی تھی۔

"عالی! کیا ہوا ہے؟ عالی! مجھ سے بات کرو۔ عالی کیا ہوا ہے؟" وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی' وہ پوری کی پوری کانپ رہی تھی۔ "عالی! کیا ہوا عالی؟ عالی مجھ سے بات کرو۔ عالی! تم ٹھیک ہو نا؟"

کیتھی نے فون اس کے ہاتھ سے لیا' اس نے موبائل اپنے کان سے لگایا۔ اس نے دوسری جانب کوئی آواز سننے کی کوشش کی۔ مگر دوسری جانب اب بالکل خاموشی تھی۔ دوسری جانب لائن کٹ چکی تھی۔

"کیتھی! عالی میرا عالی!" اس نے موبائل کیتھی کے ہاتھ سے چھینا۔ وہ وحشت بھرے جنونی انداز میں موبائل کان سے لگائے اس پر عالی' عالی پکار رہی تھی' اسے یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ لائن کٹ چکی ہے۔

"ہنیہ! لائن ڈس کنیکٹ ہو چکی ہے۔"

کیتھی نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ وہ خود بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں عباد کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ "جو بھی حادثہ' جو بھی واقعہ جو کچھ بھی ہوا ہو' عباد زندہ رہے' عباد سلامت رہے' ورنہ یہ لڑکی تو جیتے جی مر جائے گی۔" ہنیہ کو تشویش سے دیکھتی کیتھی دوبارہ عباد کے سیل پر کال ملا رہی تھی۔

ہنیہ آنکھوں میں وحشت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی اس دھماکے کی گونج تھی' بہت بڑا شور تھا اور اس کے کانوں میں اس کے عالی کی چیخیں تھیں۔ کئی بار کی کوششوں کے بعد بھی دوسری جانب کال ریسیو کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ کیتھی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سنبھالے جو وحشت بھرے انداز میں "عالی" "عالی" پکارے چلی جارہی تھی۔

"عالی کو فون ملاؤ کیتھی! مجھے اس سے بات کرنی ہے' اسے چوٹ لگی ہے' وہ چیخ رہا ہے۔ مجھے فون ملا کر دو۔" اس نے جنونی انداز میں کیتھی کو جھنجوڑ ڈالا۔ وہ رو رہی تھی' وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح بلک بلک کر روتی اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر اس سے ضدی انداز میں ایک ہی بات مسلسل کہہ رہی تھی۔

"میری عالی سے بات کرادو' پلیز میری ایک بار اس سے بات کرادو۔"

وہ کیتھی سے کسی طور سنبھالی نہیں جارہی تھی' بکھر کر روتی وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔ اسے سنبھالنے کی کوشش میں کیتھی فون کی اس بیل کو بھی نہیں سن پائی تھی جو لیونگ روم میں بج رہی تھی اور ایک بار نہیں کئی بار بجی تھی۔ ہنیہ کو سنبھالتی وہ ایک مرتبہ پھر عباد کے موبائل پر کال ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ کال تو ہر بار مل رہی تھی' مگر لگتا تھا' دوسری جانب اس کال کو ریسیو کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ نجانے کون سی ویں مرتبہ کال ملا رہی تھی جب دوسری جانب سے کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ دوسری جانب کسی انجانی مردانہ آواز نے عربی لہجے میں ہیلو کہا تھا۔ تھوک نگلتے کیتھی نے جواباً" ہیلو کہا تھا' اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ اس کا دل یکبارگی بڑی تیزی سے دھڑکا تھا' عباد کے موبائل پر کال کوئی اور ریسیو کر رہا تھا' کیتھی اندر ہی اندر سہم گئی تھی۔ اسے ہیلو بولتا دیکھ کر ہنیہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"عالی ہے ناں؟" اس نے موبائل اپنے کان سے لگایا' کیتھی اس کو روک نہیں پائی۔

"ہیلو عالی!" دوسری جانب ایک انجانی مردانہ آواز جو عالی کی ہرگز نہیں تھی اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہیلو! کون بات کر رہا ہے؟"

"میں ہنی ہوں۔ مجھے عباد سے بات کرنی ہے۔ عباد عذیر سے۔ غالباً" یہ سیل فون اسی کا ہے۔" وہ انتہائی غصے سے چلائی۔

"مجھے عباد عذیر سے بات کرنی ہے' آپ کوئی بھی ہیں' براہ مہربانی فون اسے دے دیجیے۔" وہ روتے ہوئے حلق کے بل چلائی۔

"ہمیں افسوس ہے عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اسپتال لے جائے جانے سے پہلے وہ اور ٹیکسی ڈرائیور دونوں موقع ہی پر دم توڑ گئے۔

آپ اس کی کون ہیں؟"

پتا نہیں کون بے ہودہ شخص تھا' اور کیا الٹا پ شناپ بک رہا تھا' شاید کیتھی نے کہیں رانگ نمبر ملا دیا تھا۔ بعض لوگ رانگ نمبرز پر کتنے بے ہودہ اور واہیات مذاق کرتے ہیں۔ وہ شخص اس قابل نہ تھا کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی۔ اس نے بجائے اس شخص کو کوئی جواب دینے کے کال ڈس کنیکٹ کردی۔ کیتھی جو اس کے بالکل نزدیک اسے اپنے ساتھ لگائے بیٹھی تھی' اس نے فون پر ہوئی گفتگو کا ایک ایک حرف سنا تھا۔ وہ سن سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔ کتنی تھی اسے یقین کرنے میں کہ 'ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ زندگی سے بھرپور شخص' اس طرح' اتنی جلدی' نہیں ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ تو ابھی صرف 25 سال کا ہے' ابھی اس کا MS بھی مکمل نہیں ہوا' ابھی تو اس کی ہنیہ کے ساتھ شادی کو صرف نو دن ہوئے ہیں' نو دن کی شادی شدہ اس کی دوست' ابھی تو وہ نئی نئی دلہن ہے۔ کیتھی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ زارو قطار رو پڑی تھی۔

نہیں زندگی اتنی سفاک نہیں ہو سکتی' زندگی اس کی دوست کے ساتھ اتنا بدصورت مذاق نہیں کر سکتی۔ وہ دونوں تو اس کی پارٹی کے کپل آف دی ایوننگ تھے' ان کی جوڑی کو تو وہ چاند سورج کی جوڑی کہتی تھی۔

Made for each othes کہتی تھی' ان دونوں کو تو ابھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت سارا سفر طے کرنا تھا' صرف نو دن کی شادی شدہ زندگی کے بعد یہ بیوگی اس کی دوست کا نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی دوست کو گلے لگا کر رونا چاہتی تھی مگر وہ ہنیہ کو اپنے گلے سے نہ لگا پائی۔ ہنیہ اس کے رونے پر اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' ایسے جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کس بات پر رو رہی تھی۔ اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھتی ہنیہ اس کے پاس سے کھڑی ہو گئی۔

"ہنیہ کہاں جا رہی ہو؟" وہ بھاگتی ہوئی اٹھ کر اس کے پیچھے آئی' اسے اس دیوانی لڑکی سے خوف آیا تھا' کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے' خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

"کہیں نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں عالی کو پھر فون کروں گی۔ لائن نہیں مل رہی نا۔ تھوڑی دیر بعد کروں گی تو اس سے بات ہو جائے گی۔"

وہ اپارٹمنٹ کے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی' باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی' بہت ٹھنڈ تھی۔ کیتھی نے روتے ہوئے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"ہنیہ!" اس نے اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگایا۔ وہ اپنی اس چہیتی دوست سے کیا کہے' کیسے اسے تسلی دے' کیسے اسے صبر کی تلقین کرے' کیسے کہے کہ اس کا عالی مر گیا ہے' کیسے اسے زندگی کی اس بدصورت حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ اس سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس اسے گلے سے لگائے' پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں' مگر ہنیہ بے حس سی بالکل ساکت اس کے ساتھ لگی تھی۔ روتے روتے اسے احساس ہوا کہ ہنیہ کے وجود میں کوئی بھی جنبش نہیں ہو رہی' وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت ہے' تب اس نے اس کا سر اپنے کندھے سے ہٹایا۔ اسے دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ بے ہوش تھی۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ اس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے گرنے لگی تھی' کیتھی نے بڑی مشکلوں سے اس کے بے ہوش وجود کو سنبھالا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کمبیہ پہنچنے میں لیٹ ہو گئی تھی' وہ بوکھلائی ہوئی بھاگتی دوڑتی اس کرسی پر آکر بیٹھی تھی' جس کے برابر..... لڑکا لبوں پر شرارتی مسکان لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں عباد عزیر ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔"

وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھ چلا آیا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پینا پسند کریں گی۔"

اس نے نیلی جینز اور براؤن شرٹ پہن رکھی تھی' اس کے ماتھے پر بکھرے بال بڑے خوب صورت لگ رہے تھے۔ کیتھی کو وہ بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ بڑا کول اور چارمنگ لگتا تھا۔

"ہمارے ہاں خواتین سے پیسے لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ پر بہت بڑا احسان کر دیا ہے تو آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں کافی پلا سکتی ہیں۔"

وہ شوخ و شریر لڑکا کافی کا ذکر کہیں نہ کہیں سے پھر لایا تھا۔ اس بار وہ اسے انکار نہ کر پائی تھی۔ اسے بھی

اس کی شیو' اچھا رہا لگنے لگا تھا۔ اسے دیکھ کر اس ہینڈسم لڑکے کی آنکھوں میں کیسی چمک آجاتی تھی۔

"ایک بات کہوں' آپ کہنا کچھ عجیب نہیں لگ رہا؟ میرے ممی' پاپا اور قریبی دوست مجھے عالی کہتے ہیں' تم بھی اگر چاہو تو مجھے عالی کہہ سکتی ہو۔"

وہ اس کے آپ جناب پر اسے ٹوک رہا تھا۔ وہ سالوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کر لینا چاہتا تھا' مگر اسے اس کی بے تکلفی ذرا بھی بری نہیں لگ رہی تھی۔

"تم کہیں پر انگیج ہو یا کوئی کمٹمنٹ یا کوئی۔"

اس طرح کنفیوز سا ہوتا وہ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ نروس بھی تھا' کچھ بوکھلا بھی رہا تھا اور جو دل میں چھپی بات تھی' وہ اس سے کہہ بھی ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے دل میں چھپی بات جان گئی تھی' مگر مزا آرہا تھا' اس کی کنفیوژن کو بڑھانے میں۔

"میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کی دعوت دی تھی جس سے میں محبت کرتا ہوں' جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

وہ اس سے ناراض ہو گیا تھا' ہنیہ نے اسے غلط سمجھا' اس کی محبت کو غلط سمجھا' اس کے ہنیہ کو اپنے اپارٹمنٹ لے جانے کی اتنی غلط وجہ سوچی جبکہ حقیقت میں تو اس سے وہ اسے پرپوز کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے بہت خفا تھا۔

اسے لگا تھا کہ جو لڑکی اتنی رومانٹک ہے جسے پرانی فلمیں' چاندنی راتیں' بارش اور آسمان پر چمکتے ستارے دیکھنا پسند ہے' اسے کسی رومانٹک انداز میں پرپوز کرنا اچھا لگے گا۔" وہ غصے ہی کی حالت میں اس سے پہلی بار اقرار محبت کر رہا تھا۔

"ہمارے بیچ کچھ ہے' جو بہت خاص ہے۔ کیا تمہیں کبھی ایسا نہیں لگا ہنیہ؟ تم اسے محبت نہ ماننا چاہو مت مانو' تمہارا امریکن کلچر اسے جو نام دیتا ہے دے لو۔ مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کسی کے لیے ایسے جذبات انسان کے دل میں زندگی میں صرف ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔

once in a life time اس لیے کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے۔"

وہ اس کے ساتھ central park میں تھی۔ وہ واکنگ کر رہے تھے۔ اس کے کہنے پر آج اس نے

شیو کر رکھا تھا۔ حالانکہ دل ہی دل میں وہ یہ بات تسلیم کرتی تھی کہ بڑھی ہوئی شیو میں وہ اور بھی زیادہ ہینڈسم لگتا ہے مگر اپنی فرمائش اس سے منوانی تھی نا۔

"مس ہنیہ سجاد! میں عباد عزیر عمر ساڑھے 24 سال....."

وہ اس کے سامنے جھکا اسے پرپوز کر رہا تھا۔ اس کا ہنستے ہنستے برا حال تھا' جبکہ وہ مسکراہٹ روکے بڑا سنجیدہ تھا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" وہ اسے اپنے ہاتھ سے ایک خوب صورت بریسلیٹ پہنا رہا تھا۔ وہ بریسلیٹ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اب تو پچھلے کافی طویل عرصے سے وہ اس بریسلیٹ کو ہر وقت ہی پہننے لگی ہے۔ اس نے دائیں ہاتھ میں پہنے اس بریسلیٹ کو چھونے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھانا چاہا' مگر اس پر کوئی وزن سا تھا' وہ اپنا ہاتھ اٹھا نہ پائی۔ اس کے بازو میں کوئی سوئی چبھی ہوئی تھی۔ ایک' دو مرتبہ کی کوشش کے بعد اس نے بریسلیٹ کو چھونے کی کوشش ترک کر دی۔ اس وزن کے ساتھ وہ اپنا بازو اٹھا ہی نہیں سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

کیتھی' مائیک اور اس کے تمام دوست اس کے لیے ازحد پریشان تھے۔ وہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھی' اسے ہوش نہیں آرہا تھا۔ اس کی حالت سے گھبرا کر کیتھی نے یمینہ کو شکاگو فون کر ڈالا تھا۔ یمینہ' جنید اور معاذ نیویارک آگئے تھے۔ کئی دن گزر چکے تھے اور وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔ ڈاکٹرز کے حساب سے اسے ہوش آجانا چاہیے تھے۔ وہ فزیکلی بالکل ٹھیک تھی' اس کے تمام اعضاء بالکل ٹھیک اور درست کام کر رہے تھے۔

ڈاکٹرز کے مطابق وہ خود ٹھیک ہونا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اس بے ہوشی میں اپنے لیے ایک راہ فرار تلاش کر رہی تھی' وہ بے ہوش رہنا چاہتی تھی تاکہ اسے کسی سچائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے قریب آکر اس کا نام لیا جاتا' اس کے ہاتھ پاؤں کو ہلایا جاتا تو اس میں ہلکی سی جنبش ہوتی' اپنے نام پر اس کی پلکیں کچھ پل کے لیے حرکت کرتیں۔

اس کی بیماری کی نوعیت جسمانی نہیں' نفسیاتی اور جذباتی تھی۔ سو اب اس کا علاج ایک سائیکاٹرسٹ کر رہے

تھے۔ وہ اس کے پاس آکر اس سے باتیں کرتے ؑ انہوں نے اس کے دوستوں اور بہن بھائیوں سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس کے پاس آکر اس کے نزدیک بیٹھ کر اس سے باتیں کیا کریں۔ اس لیے کہ وہ سب سن رہی ہے۔ یہ اور بات کہ سمجھتا کچھ نہیں چاہتی۔ اسے اس خود طاری کردہ بے ہوشی سے باہر نکالنے کے لیے ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں اور عزیز و اقارب کی بھی بہت ضرورت تھی۔ وہ سب آکر اس سے باتیں کریں۔ اس حادثے کے حوالے سے نہ سہی جسے وہ ماننے سے انکاری ہے، تو اپنے اور حنیہ کے تعلقات یونیورسٹی میں گزارے لمحات ' گھر کی ' ماما جانی کی ' بچپن کی تمام یادیں اس کے ساتھ دہرائیں۔ وہ سب ماضی میں ساتھ گزارے لمحات کے متعلق اس سے باتیں کریں۔ ڈاکٹرز بھرپور کوششیں کر رہے تھے مگر وہ ہوش میں نہ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟" وہ اس کے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"تم اتنی لاپروا کیوں ہو حنیہ سجاد؟" وہ اپنے ہاتھ سے اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" وہ اس کی معمولی سی تکلیف پر یونہی پریشان ہو جاتا ہے۔

"لاپروا لڑکی! میرے لیے ہی اپنی پروا کر لیا کرو۔ عالی!" اس نے اسے کتاب پر لکھ کر دیا تھا۔ وہ اس کی محبتوں پر سرشار ہوتی مسکراتی رہی تھی۔ وہ اس سے فون پر باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنے لگی تھی مگر وہ فون بند نہیں کر رہا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا وہ اس کے سونے کا انتظار کر رہا تھا ' وہ سو جائے گی تو وہ فون بند کرے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ حنیہ اس سے باتیں کرتے کرتے سو جائے۔

"آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی ہی نہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"اڑاؤ مذاق۔ تمہیں قدر ہی نہیں ہے میری محبت کی۔"

اسے بہت قدر تھی اس کی محبت کی ' اسے بہت قدر ہے اس کی محبت کی۔ وہ تو بس یونہی اسے ستانے کو بول رہی تھی۔

وہ بوسٹن سے اس کے لیے بہت خوب صورت آف وائٹ کلر کا ڈریس لایا تھا۔ وہ کپڑے اپنی ساری وارڈ روب میں سے اس کے پسندیدہ ہو گئے تھے۔ وہ یہ لباس پہن کر جب اس کے گھر گئی تھی ' وہ اس پر سے نگاہیں ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس روز بارش بہت تیز ہو رہی تھی۔ اس نے اسے اپنے دوست سے ملوایا تھا۔ ڈنر کے بعد وہ اسے چھوڑنے نیچے تک آیا تھا۔ اس نے چھتری کھول کر اسے فوراً چھتری کے اندر لے لیا تھا ' خود اس پر بارش کا پانی گر رہا تھا مگر وہ اس پر بارش کی ایک بوند تک نہیں گرنے دے رہا تھا۔

"تم مجھے spoil کر کے ہی چھوڑو گے۔" وہ اپنے اس طرح ناز اٹھانے پر اس سے کہہ رہی تھی۔

"میں تمہارے سارے ناز نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا حنیہ سجاد!" وہ زندگی بھر اس کے ناز اٹھانے کا وعدہ کر رہا تھا۔

وہ کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے سے پہلے پہل انکاری تھا۔ وہ اسے ساتھ چلنے پر آمادہ کر رہی تھی۔

"تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے اترانا اور شو آف کرنا ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا ' میں پراؤڈ فیل کروں گی۔ عالی! پلیز۔"

"اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر جانے کو کہو تو میں چلنے کے لیے کھڑا ہو جاؤں گا۔"

اس نے اس سے اپنی فرمائش منوالی تھی۔ وہ اس سے اپنی ہر بات منوا لیتی ہے۔ وہ اس کی کوئی فرمائش کوئی خواہش کبھی نہیں ٹالتا۔

24 دسمبر تھی ' کرسمس ایو تھا۔ وہ دونوں بہت اچھی طرح تیار ہوئے پیدل چل کر کیتھی کے گھر جا رہے تھے۔

عباد بہت دل سے تیار ہوا تھا۔ اس نے اس سے کہا ہوا تھا کہ وہ چاہتی ہے آج کپل آف دی ایوننگ وہی دونوں قرار دیے جائیں۔

وہ اس سجے سجائے بڑے سے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا گٹار بجا رہا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر اسے پکڑا دیا تھا۔ وہ اس کے کوٹ کو اپنی گود میں رکھے ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ یوں گٹار بجاتا وہ کس قدر ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اور وہ دھن کس گانے کی بجا رہا تھا؟

"you were meant for me" کی۔

باہر برف باری ہو رہی تھی اور اندر عالی گٹار بجا رہا تھا۔ سب بالکل خاموش ہو کر اسے سن رہے تھے۔ اس نے ماحول پر ایک سحر طاری کر دیا تھا۔ "باقی لوگ جس کو بھی چنیں پر میرے لیے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔ وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال یہی آتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں۔" اس کی پیاری دوست کیتھی نے ان دونوں سے کہا تھا۔ کیتھی اسے اور عباد کو ساتھ دیکھ کر ایسے ہی خوش ہوا کرتی ہے۔

"عباد اور حنیہ کی جوڑی جنت میں بنائی جوڑی ہے۔" وہ دونوں کپل آف دی ایوننگ قرار دے دیے گئے تھے ' خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

وہ دونوں برف باری میں پیدل چلتے جا رہے تھے۔ عالی کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ چلتے برف باری کا وہ موسم کس قدر رومانٹک اور خواب ناک لگ رہا تھا۔ اس بڑے سے اسٹور میں وہ دونوں ایک ساتھ تصویر کھنچوا رہے تھے۔ وہ اطالوی کیشئر انہیں nice couple (بہترین جوڑا) قرار دے رہا تھا۔ وہ برف پر پھسل کر گرنے نہ پڑے ' اس خیال سے عالی نے اس کا ہاتھ مسلسل پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"کاش نیویارک میں سارا سال برف باری ہوا کرے ' اس بہانے عباد مذہر نے میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔"

وہ گہری نیند سو رہی تھی ' جیسے ابھی سو رہی ہے اور وہ شمعوں میں دو بڑی بڑی کینڈلز روشن کیے کھڑا تھا۔ وہ گنگنا رہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیئر حنی!" وہ اس کی سالگرہ اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں منا رہا تھا۔ ٹھیک رات کے بارہ بجے۔ اس نے بالکونی کو بڑی اچھی طرح سجایا تھا۔ فرش پر پھول ہی پھول تھے ' میز پر کیک تھا۔ بہت سی کینڈلز اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے بلونز تھے۔ خوشی کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے دیکھو ہم یاد ہے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

"عالی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ' نہیں کروں گا؟" وہ اسے پیار سے دیکھ رہا تھا۔

"اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔ عالی کے بابا نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا انہوں نے عالی کی کہیں اور منگنی کر دی۔ وہ ڈسٹرب تھی۔ عالی بہت اداس تھا۔ ساری غلطی اس کے بابا کی تھی اور وہ بغیر کسی خطا کے اپنے بابا ' اپنے انکل اور اپنی کزن سے شرمندہ تھا۔ اس کی آنکھوں کی تھکن اور اس کے دل کی اداسی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

"تم انجانے میں بھی کبھی کسی کا دل نہیں دکھا سکتے عالی! تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہیے۔"

بہت پہلے ایک بار اس نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ جو بہت اچھے ہوتے ہیں ' وہ اس لیے اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ انہیں اس دنیا سے جلدی چلے جانا ہوتا ہے اور انہیں پیچھے رہ جانے والے اپنے پیاروں کے دلوں میں اپنی بہت خوب صورت یادیں چھوڑ جاتی ہوتی ہیں اور ان کی ضرورت جتنی اس دنیا کو ہوتی ہے اتنی ہی تو اس دنیا میں بھی ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

وہ اس تحریر کو پڑھ کر ڈر گئی تھی۔ "نہیں یہ تحریر تو بس یونہی ہے کوئی آسمانی صحیفہ تو نہیں۔" اور اس کا عالی وہ تو بس ویسے ہی غیر معمولی طور پر اتنا زیادہ اچھا ہے۔ اس کے عالی کو تو اللہ ان شاء اللہ بہت لمبی بہت طویل عمر عطا کرے گا۔

اسے "حنیہ" کہہ کر کوئی آواز دے رہا تھا۔ مگر یہ آواز عالی کی نہیں تھی ' اس لیے اس نے اس آواز کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے جسم کے اندر یہ اتنی ساری چیزیں کیا چبھی ہوئی ہیں ' یہ اس پر اتنا وزن کیوں ہے؟ یہ تار ہیں یا پتا نہیں کیا جو اسے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ ان کی وجہ سے سکون سے سو نہیں پا رہی۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت ہوتی کہ ان کو ہٹا سکے تو انہیں اتار کر پھینک ڈالتی۔ وہ اپنے نزدیک سے ابھرتی اس آواز کو نظر انداز کر کے پھر عالی کی آواز کو سننے لگی تھی۔ اسپتال کے گارڈن میں وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوں ' میں کل بھی تمہارے ساتھ ہوں گا ' میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گا۔" وہ اسے اپنی محبت کے لازوال اور لافانی ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ وہ اس وقت سوتے میں رو رہی ہے۔ اسے پتا تھا وہ سوتے میں رو رہی ہے۔ کیوں؟ ہاں! اس کی ماما جانی جو چلی

گئی ہیں اور عالی کے پاپا عالی پر کتنی بری طرح چلا رہے ہیں۔ "میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔" انہیں اتنے سخت لفظ تو نہیں بولنے چاہیے تھے عالی سے۔ وہ کس طرح "پاپا! میری بات سنیں پلیز!" گڑگڑا کر کہے جارہا تھا۔ انہیں عالی کی بات سننی چاہیے تھی۔ عالی کا دل کتنا دکھ رہا ہوگا اس وقت۔

کوئی پھر اس کے قریب آگیا تھا' کوئی پھر اس کے قریب آکر کچھ بول رہا تھا۔

"ڈاکٹر! پیشنٹ کو ہوش آرہا ہے۔ دیکھیں یہ رورہی ہے۔" اس نے انجانی زنانہ آواز کو پھر نظر انداز کیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ گہری نیند سوجانا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سونے لگی تھی۔

"مت رونا ہنی! پلیز میرے لیے تم روتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

ارے وہ کہاں رورہی ہے۔ "عالی میں نہیں رورہی۔" شکر اس کی نیند گہری ہوگئی تھی۔ اب اسے اپنے قریب کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ عالی کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ وہ اسے اس طرح سنبھال رہا تھا' اس طرح پیار کررہا تھا کہ خود کو پریوں کے دیس میں پہنچا محسوس کررہی تھی۔

وہ رات کتنی حسین تھی' کتنی خوب صورت عمر بھر نہ بھلائی جاسکے ایسی رات۔ اسے سمندر کی ٹھنڈی ہوائیں اپنے چہرے پر آتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ نیلگوں سمندر کی وسعتیں اور سامنے وہ چھوٹا سا کاٹیج ہوا میں خنکی تھی۔ اسے سردی سے محسوس ہورہی تھی مگر پھر بھی ساحل پر ننگے پاؤں چلنا اچھا لگ رہا تھا۔ عالی نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پر چہل قدمی... اس سے حسین زندگی میں اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

ساحل پر جب وہ دونوں ان ایک جیسی ٹی شرٹس کو پہن کر گھوم رہے تھے سب کیسے انہیں پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا ایسا کرنا' ایک سا لباس پہننا سب کو بڑا رومانٹک لگ رہا تھا۔

ان دونوں کی وہ I'm crazy about u والی ٹی شرٹس اب کہاں رکھی ہیں؟ اسے بے چینی ہونے لگی۔ وہ دونوں ان ٹی شرٹس کو پہن کر کتنے اچھے لگتے تھے کہیں نیویارک آتے وقت جلدی جلدی سامان پیک کرتے وہ ان ٹی شرٹس کو Carmel میں تو نہیں بھول آئے؟ وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اپنے سر کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی' وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس سے اٹھا نہیں جارہا تھا' آنکھیں نہیں کھولی جارہی تھیں' مگر وہ جاگنا چاہتی تھی۔ اسے اٹھ کر وہ ٹی شرٹس ڈھونڈنی تھیں۔ اف کہیں Carmel میں تو نہیں رہ گئیں' وہ تو اس کی اتنی فیورٹ ٹی شرٹس ہیں' انہیں پہن کر وہ دونوں اتنے اچھے لگتے تھے۔ لوگ کس طرح انہیں توجہ سے دیکھ رہے تھے' پسند کررہے تھے۔ اسی ٹی شرٹ کو پہنے ہوئے تھے وہ' جب عالی نے وہ حرکت کی تھی۔ وہ جو اس نے ساحل پر کھڑے ہوکر بہت زور زور سے چلا کر...

"ہنی! آئی لو یو۔" کہا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو پوری قوت کے ساتھ ہلانے کی کوشش کی۔ سارا زور آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی۔

✿ ✿ ✿

اس نے اپنے بیگ میں سے نکال کر کیتھی کو Souvenirs دیے' جو وہ Carmel سے اس کے اور مانیک کے لیے لائی تھی۔ منہ سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس خاموشی سے وہ چیزیں نکال کر اسے پکڑا دی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو لیے کیتھی نے اس کے ہاتھ سے وہ تحفے لے لیے تھے۔ اس نے Carmel سے لائے بیگ پورے کا پورا بیڈ پر الٹا ہوا تھا۔ وہ اس سامان میں سے عالی کے استعمال کی اشیاء الگ کررہی تھی۔ کیتھی خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ ہنیہ اب الماری کھول کر عالی کے کپڑے اور دوسرا سامان اس کی درست جگہ پر واپس رکھ رہی تھی۔

عالی کی I'm crazy about u والی ٹی شرٹ اس نے الماری میں رکھ دی تھی جبکہ اپنی والی گھر آتے ہی فوراً پہن لی تھی۔

اس کے ہوش میں آنے پر سب بہت خوش ہوئے۔ سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ کیتھی اس کے ہوش میں آنے پر خوش بھی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی۔ اسے ہوش میں آنے پر وہ کس طرح ہسٹریک ہوکر روئے گی' اسے سنبھالنا اور چپ کرانا مشکل ہوجائے گا' اسے صبر دلانا مشکل ہوجائے گا۔ مگر وہ تو ہوش میں آنے پر اتنی مختلف تھی' اتنی ناقابل فہم۔ رونا تو دور اس کی آنکھ سے تو ایک آنسو تک نہیں ٹپکا تھا۔ وہ کسی سے بھی کچھ بول نہیں رہی تھی' بالکل خاموش تھی۔

اس نے اگر کسی سے کوئی ایک جملہ کہا تھا تو وہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے ڈاکٹر سے اور وہ بھی یہ کہ وہ گھر جانا چاہتی ہے۔ اس کا شوہر عباد عذیر اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہوا ہے اور اسے اس کی فون کال کا انتظار ہے۔ کیتھی اور مانیک اس کی بات سن کر ساکت رہ گئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ہیرسن جو ہنیہ کا علاج کررہے تھے انہوں نے ہنیہ کی ساری کنڈیشن کا بغور جائزہ لینے کے بعد اسے اسپتال سے ڈسچارج کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک تھی۔ اسے کوئی مرض' کوئی بیماری لاحق نہیں تھی۔

اس کی روزانہ ان کے ساتھ ایک گھنٹے کی سٹنگ ہوتی تھی اور ان کے لیے ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیتھی جو ہنیہ کی حالت دیکھ دیکھ کر شدید پریشان ہورہی تھی' وہ روتی کیوں نہیں' وہ کچھ بولتی کیوں نہیں' کیا اس حادثے نے اس کے اعصاب کو مفلوج کردیا' اس سے سوچنے سمجھنے کی حس چھین لی ہے' اسے ڈاکٹر ہیرسن نے سمجھایا تھا کہ ہنیہ کی موجودہ کیفیت کچھ کچھ شیزوفرینیا کے مرض میں مبتلا مریض جیسی ہے۔

"یہ ایک ایسا نفسیاتی عارضہ ہے جس میں مریض کسی حادثے کی بری اور بدترین سچائی کا سامنا کرنے سے بچنے کی خاطر اپنی ایک الگ دنیا تخلیق کرلیتا ہے' وہ خود کو لوگوں سے' عملی زندگی سے بالکل علیحدہ کرلیتا ہے' خاموشی اختیار کرلیتا ہے' اپنی تخلیق کردہ تصوراتی دنیا اسے اصل نظر آتی ہے باقی ساری دنیا سے وہ اپنا رابطہ منقطع کرلیتا ہے۔ جب کوئی بدترین سچائی بدلنا ان کے اختیار میں نہیں ہوتا تو وہ اپنی تصوراتی اور خیالی دنیا میں پناہ تلاش کرلیتے ہیں۔

ہنیہ کی کیفیت بالکل ایسی ہی ہے۔ اس نے اپنے ذہن سے اس فون کال جس میں اس نے عباد کے حادثے کی آواز اپنے کانوں سے سنی تھی' کہیں بہت اندر چھپا ڈالی ہے۔"

اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ ہنیہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئی تھی۔ ڈاکٹر ہیرسن نے کیتھی سے کہا تھا کہ وہ ہنیہ کو عباد کے اپارٹمنٹ جانے سے نہ روکے' بلکہ اسے خود وہاں لے جایا کرے کہ وہاں وہ یادیں بکھری ہیں جو اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لانے میں معاون ثابت ہوں گی۔ یہی وجہ تھی کہ ہاسپٹل سے کیتھی کے اپارٹمنٹ آنے کے بعد جب وہ پیدل عباد کے اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگی تب کیتھی اسے خود گاڑی میں بٹھا کر وہاں لے آئی تھی۔

یمینہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر شکاگو لے جانا چاہتی تھی مگر وہ کسی دوسرے شہر کیا جاتی وہ تو عالی کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسرے گھر میں رہنے تک کے لیے تیار نہ تھی۔

کئی دن اس کے ساتھ یہاں رہ کر یمینہ اسے اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام ہوکر واپس شکاگو چلی گئی تھی۔ اب یہاں اس کے پاس صرف کیتھی تھی جو اسے اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ مگر ظاہر ہے وہ ہنیہ کے ساتھ چوبیس گھنٹے عباد کے اپارٹمنٹ میں نہیں رک سکتی تھی۔ اس کی جاب تھی' دیگر مصروفیات تھیں' وہ رات میں سونے اس کے پاس آ بھی جاتی تو بھی دن بھر اس کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتی تھی وہ۔

ہنیہ کو ڈاکٹر ہیریسن کے پاس اس کی معمول کی ایک گھنٹے کی نشست کے لیے لے کر گئی تو ان کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھا۔ پھر ڈاکٹر ہیریسن ہی کی توسط سے اسے ہنیہ کے لیے ایک فلپینو (FILIPINO) عورت جو کسی زمانے میں ان کے کلینک میں بطور نرس کام کرچکی تھی مل گئی تھی۔

کیتھی عباد کے اپارٹمنٹ پہنچی تو اس کے لیے دروازہ میری نے کھولا تھا۔ وہ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں تین چار روز کے لیے شہر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ یہاں ہوتی تو اس کی پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ رات میں ہنیہ کے پاس رہے' اس کے گھر پر اس کے ساتھ رات گزارے وہ "تقریباً" ہر رات ہنیہ کے پاس گزارتی تھی۔ آتے ہی اسے دروازے پر میری سے یہ پتا چلا کہ ہنیہ نے تین دنوں سے کچھ نہیں کھایا' یہاں تک کہ پانی بھی نہیں پیا۔

وہ ایسی ہی ہوگئی تھی' کبھی کھانے پر آتی تو کچن میں جا کر فریج سے مختلف چیزیں نکال نکال کر کھائے چلی جاتی

اور کبھی کئی دنوں کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتی۔ کبھی نہا دھو کر بڑے اہتمام سے تیار ہوتی' کبھی ایک ہی کپڑے کئی کئی دنوں تک پہنے رہتی' نہ منہ دھوتی نہ بال بناتی۔ اس سے کچھ بھی کہتے رہو ایسا لگتا تھا وہ سنتی ہی نہیں ہے۔ جیسے وہ گونگی اور بہری ہو چکی ہے۔

ان دو مہینوں میں اس کے منہ سے صرف وہ چند جملے نکلے تھے جو اس نے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر ہیریسن سے اس حوالے سے بولے تھے کہ وہ اسے اسپتال سے اس کے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔ ان چند جملوں کے بعد اس کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔ نہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلتی تھی' نہ آنکھ سے آنسو بہتا تھا' وہ زیادہ تر فون کے آس پاس خاموش بیٹھی رہتی تھی' وہاں نہ ہوتی تو بالکونی میں بیٹھی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بالکونی میں تھی۔ وہ اس کے پاس بالکونی میں آئی۔

تین دن پہلے وہ اسے ان ہی کپڑوں میں چھوڑ کر گئی تھی جو اس نے ابھی بھی پہن رکھے تھے۔ بال بکھرے ہوئے' اجڑا حلیہ' آنکھوں کے نیچے حلقے' سوکھ کر کانٹا ہوئی لڑکی کم از کم اس کی بچپن کی دوست ہنیہ سجاد ہرگز نہیں تھی۔ اس کی ساری خوب صورتی' سارا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ کیتھی کا دل اسے دیکھ کر کڑھا' وہ تین دن سے بھوکی تھی۔

"تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" اس کے آنے پر ہنیہ نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا' مسکرانا تو دور وہ شناسا نگاہوں سے اسے دیکھ تک نہیں رہی تھی۔ ہنیہ کی نگاہوں میں اس کے لیے بے گانگی اور لاتعلقی تھی۔ اس نے کیتھی کو گردن گھما کر دیکھا اور پھر دوبارہ آسمان پر نگاہیں جما دیں۔ اس کے لیے کیتھی کی فکر اور تشویش غصے میں بدلنے لگی۔

"اس طرح حقیقت سے نظریں چرا کر کسے دھوکا دے رہی ہو تم؟" اس نے شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔

"ہنیہ سجاد! مان لو یہ سچائی کہ عباد عذیر مر چکا ہے۔ مر گیا ہے وہ۔ وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اور مر جانے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہے۔" غصے سے چلاتے اس نے ہنیہ کو زور زور سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اپنے لفظوں کی سفاکی کا اسے احساس تھا' مگر وہ اسے اس طرح خود کو مارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس نے کچھ بھی سنا ہی نہیں تھا۔ یہ حقیقتوں سے فرار پانے کے لیے ہنیہ نے کون سی راہ' کون سا راستہ چن لیا تھا' ناکام اور مایوس ہوتی کیتھی اسے بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ بالکونی میں کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ بارش کو دیکھتے دیکھتے ایک دم ہی اس کا دل چاہا' سامنے جو پارک نظر آ رہا ہے وہ وہاں جائے۔ وہ بالکونی سے مڑی' اندر آئی۔ اس نے اس عورت کو دیکھا جو اس کے گھر میں اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور وہ عورت سو رہی تھی۔ وہ عورت کون تھی اور اس کے گھر میں کیوں رہ رہی تھی' وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے یہ پتا تھا کہ وہ اسے گھر سے باہر اکیلے کہیں نہیں جانے دیتی۔ وہ کہیں باہر جانے لگے تو وہ عورت اس کے ساتھ باہر جاتی ہے۔ اس وقت وہ سو رہی تھی۔ موقع اچھا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ تیز بارش میں بغیر چھتری اور گرم کپڑوں اور رین کوٹ کے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے' مگر وہ بے نیازی سے پارک کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس سڑک تک آ گئی جسے عبور کرتے ہی سامنے وہ پارک تھا۔ سگنل سرخ تھا مگر وہ پھر بھی سڑک پار کر رہی تھی۔ اگر سامنے سے تیز رفتاری سے آتی گاڑی کا ڈرائیور اپنی گاڑی کو فوری طور پر بریک نہ لگاتا تو یقیناً گاڑی اس سے بہت بری طرح ٹکراتی' انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

ایمرجنسی میں بریک لگانے میں گاڑی کے ٹائر بہت بری طرح چرچرائے تھے' ٹائرز میں سے کافی زور دار آواز آئی تھی۔

"ہنیہ!" اسے پیچھے سے کسی نے گھبرا کر آواز دی تھی' اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ "اتنی لاپروا ہو کر سڑک پر مت چلا کرو ہنیہ! جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی ایک لمحے کے لیے تو میں بری طرح ڈر گیا تھا۔"

وہ سڑک پر گر پڑی تھی۔ اس لیے کہ اسے کسی نے بچانے کے لیے پیچھے سے اپنی طرف کھینچا نہیں تھا۔ یک

دم اس کے کانوں میں ایک بہت خطرناک دھماکے کی آواز آئی۔

"عالی!" اس کے لبوں سے اس کا نام نکلا۔ عالی کی گاڑی اڑان بھر رہی تھی' وہ کسی چیز سے ٹکرائی پتا نہیں کہاں جا گری تھی۔

"عالی! کیا ہوا عالی۔ مجھ سے بات کرو عالی!" اس نے روتے ہوئے اسے پکارا۔

"اس روز جب میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا' میں پورے کا پورا کانپ گیا تھا۔ میں نے اللہ سے اس لمحے دعا کی تھی۔ میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا' اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ!"

اس نے اپنے دائیں بائیں ہر طرف نگاہیں دوڑائیں' اس کی آواز تھی' مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ دبئی میں تھا' اس کا سیل فون خاموش تھا۔ وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

"عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ بہت زور سے چلائی۔ "جھوٹ بولتے ہو' بکواس کرتے ہو' میرے عالی کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ سے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہہ کر گیا تھا وہ واپس آئے گا۔"

"ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اسپتال لے جانے سے پہلے وہ موقع ہی پر دم توڑ گیا۔"

"نہیں۔" اس نے اس سڑک پر سے اٹھ کر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ اس سفاک آواز سے پیچھا چھڑا کر اندھا دھند نجانے کس سمت بھاگے چلی جا رہی تھی۔ اس کے کانوں میں پھر ایک خطرناک اور خوفناک دھماکے کی آوازیں آ رہی تھیں' مسلسل اور متواتر آ رہی تھیں۔ اس کے عالی کی گاڑی کسی چیز سے ٹکرا رہی تھی' بہت زور سے کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔ وہ کہیں گر رہی تھی' وہ زار و قطار رو رہی تھی' اس نے بھاگتے ہوئے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"میرے عالی کو بچالو۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ خدا کے لیے کوئی تو اسے بچالو۔ میں یہاں نیویارک میں اس سے اتنی دور ہوں' میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا خون بہہ رہا ہے' اسے درد ہو رہا ہے' کوئی تو آ کر اسے بچائے۔"

روتے ہوئے اندھا دھند بھاگتی کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر نیچے گری تھی۔ اس کے پاؤں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کے ماتھے پر سے خون بہنے لگا تھا۔ یہ خون کچھ بھی نہیں۔ عالی کا اس سے زیادہ خون بہہ رہا ہے۔

"عالی! بہت درد ہو رہا ہے؟ عالی! تمہارا خون بہہ رہا ہے۔ ابھی ایمبولینس آ جائے گی' ابھی۔ ہمیں افسوس ہے عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

اس کے ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔ وہ سڑک پر جس جگہ گری ہوئی تھی' وہیں پڑی تھی' وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتی تھی۔ وہ اس کا عالی۔ وہ بلیو شرٹ میں کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ ابھی ابھی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے وہ بلیو شرٹ خود پہنائی تھی' ابھی ابھی وہ یہیں تھا اس کا عالی! وہ اسے رخصت کر رہی تھی' وہ بھاگ کر واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔

"ہنی! میں تم سے بہت' بہت محبت کرتا ہوں۔" وہ اس کے چہرے کو والہانہ چوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کو' اس کی پلکوں کو' اس کے رخساروں کو' اس کے لبوں کو' وہ لمس اب بھی اس کے قریب ہے' وہ اس لمس کو محسوس کر سکتی ہے' وہ اس کی خوشبو کو سونگھ سکتی ہے۔ ہاں ابھی ابھی تو وہ اسے بھینچ کر اپنے گلے سے لگائے ہوئے تھا۔

"بہت محبت کرتے ہو مجھ سے' تو واپس آؤ' میرے پاس آؤ۔" وہ بہت زور سے چلائی۔ "بہت وعدے کر رکھے ہیں تم نے مجھ سے۔ تم تو کسی کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتے عالی! کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے' تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہیے پھر میرے ساتھ' اپنی ہنی کے ساتھ تم کوئی وعدہ خلافی کیسے کر سکتے ہو۔"

خدا کے لیے کوئی آ کر مجھ سے کہے وہ دھماکا جھوٹ تھا' میری سماعتوں کا دھوکا تھا' وہ سفاک مردانہ آواز جھوٹ تھی' کوئی آ کر ایک بار مجھ سے یہ کہہ دے۔" اسے سانس لینے میں دقت ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اس حادثے کو ہوتا دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کا عالی خون میں نہا رہا تھا' اس کے ہاتھوں سے پہنے اس کی بلیو شرٹ پوری کی پوری خون سے بھر گئی تھی۔ عالی درد سے کراہ رہا تھا۔

"ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا۔"

"ہمیں افسوس ہے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا۔"

اپنے بالوں کو نوچتی وہ ہسٹریک ہو کر چلائی۔ اس کے قریب سے گزرتا ایک شخص اس کے پاس رک گیا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ اس سے ہمدردانہ انداز میں جھکا پوچھ رہا تھا۔
"آج کیا تاریخ ہے؟" بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اس نے روتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"30 جولائی۔" اسے جواب دے کر اسے پاگل سمجھتا وہ شخص آگے بڑھ گیا تھا۔ 30 جولائی؟ 22 مارچ کو اس کی عالی سے شادی ہوئی تھی۔ 30 مارچ کو اس نے اسے ایئرپورٹ پر رخصت کیا تھا۔ 30 جولائی؟ عالی اتنے دنوں سے کہاں تھا؟ وہ تو اپنے مما، پاپا کو منانے گیا تھا نا، اپنے اور ہنیہ کے مستقبل کی خوشیاں تلاشنے گیا تھا نا، وہ کہاں تھا؟ وہ کہاں تھا؟ وہ اس کا عالی کہیں مٹی اوڑھے سو رہا تھا۔ نہیں۔
نہیں یہ خواب ہے، نہیں یہ خواب ہے۔ یہ حقیقت ہو نہیں سکتی۔ وہ بہت اچھی نہیں ہے مگر وہ بہت بری بھی تو نہیں ہے، پھر اس کی ایسی آزمائش تقدیر نہیں لے سکتی۔ تقدیر اس سے اس کی زندگی نہیں چھین سکتی۔

✲ ✲ ✲

اور ہنیہ سجاد کے لیے زندگی ختم ہو گئی تھی، دنیا ختم ہو گئی تھی، کائنات ختم ہو گئی تھی۔ وہ سانس لے رہی تھی مگر وہ زندہ نہ تھی۔ اسے زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ جو اس کے ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، آج اس کی حالت دیکھ کر ان کے کلیجے پھٹنے لگتے تھے۔ اس کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ وہ اس طرح زندہ تھی جیسے اسے اس دنیا سے، اس زندگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں زندہ کس طرح رہ سکتی ہے جس میں عالی سانس نہیں لے رہا۔ وہ اس زندگی کا کیا کرے جس میں عالی نہیں۔ اسے کسی کل، کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ سکون ڈھونڈنے نماز پڑھنے کھڑی ہوئی۔
"ہنی۔" اسے لگتا اس نے اسے آواز دی ہے، کبھی لگتا فون کی گھنٹی بجی ہے وہ نیت توڑ کر دیوانہ وار بھاگتی فون کی طرف دوڑتی۔
"عالی مجھ سے بات کرو۔"
وہ ریسیور کان سے لگائے چلاتی، روتی۔ اس کے ہوش و حواس لوٹ آئے تھے، اب اسے کسی نرس، کسی ڈاکٹر، کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے میری کو فارغ کر دیا تھا۔ وہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔ وہ گھر سے باہر نہیں جاتی تھی۔ وہ کچھ کھاتی نہیں تھی۔ یہ تکلیف جو اسے لاحق تھی اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھی۔
وہ ہوش و حواس سے پھر بیگانہ ہو جانا چاہتی تھی، وہ گہری نیند سو جانا چاہتی تھی۔ وہ اپارٹمنٹ میں خود کو لاک کر کے نیند کی دوا لے کر گہری نیند سو جاتی تھی۔ جب تک یہ غنودگی رہتی اسے قرار رہتا، بیدار ہوتی تو پھر وہی درد وہی رگوں کو چیرتا درد جو نہ زندہ رہنے دیتا تھا نہ مارتا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ کچن میں آئی تھی، اسے نیند کی دوا لینے کے لیے پانی چاہیے تھا۔ مسلسل کچھ نہ کھانے پینے سے اسے نقاہت رہنے لگی تھی۔ اس لیے گلاس جیسی ہلکی اور معمولی چیز بھی وہ اٹھا نہ سکی تھی، گلاس اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گرا تھا۔ وہ کرچی کرچی ہوا فرش پر پڑا تھا۔ رات اس سے ملنے آئی تھی، وہ اس سے آکر بہت لڑی تھی اور خود کو مار ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے، جو وہ کر رہی ہے اسے خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس سے یہ کہتی وہ اس پر چلائی تھی۔
اور اس نے سکون سے اس سے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ اس سے ملنے نہ آیا کرے، وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ جھک کر گلاس کی کرچیاں اٹھانے لگی۔ وہ لاپروائی سے کانچ سمیٹ رہی تھی اس کے ہاتھ میں کئی کرچیاں چبھی تھیں۔
"تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا ہے؟" اس نے اپنی ہتھیلی سے بہتے خون کو دیکھا۔
"تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیہ سجاد؟" وہ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ پر آئنمنٹ لگا رہا تھا۔
"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟"
"بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی ہتھیلیوں سے خون اور اس کی آنکھوں سے آنسو فرش پر گر رہے تھے۔
"مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے محبت ہوتی ہے میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"
وہ اپنے بال نوچتی چلا چلا کر رونے لگی تھی۔
وہ ہنیہ سجاد اپنے ہاتھوں سے سجا سنوار کر اسے اس کے آخری سفر پر بھیج رہی تھی۔ وہ عالی اتنا چپ کیوں تھا، اتنا اداس اور خاموش کیوں تھا۔ اس نے ایئرپورٹ پر اسے اتنے والہانہ انداز میں پیار کیوں کیا تھا۔ اتنے لوگوں کے درمیان اس طرح جو اس کی شخصیت کا حصہ نہ تھا۔ کیا اس کا وجدان اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہا تھا، کیا اس کے دل میں کوئی خوف کوئی خدشہ تھا، کیا اسے ایسا لگا تھا کہ وہ آج ہنیہ سجاد کو زندگی میں آخری بار دیکھ رہا ہے۔ آخری بار کیسے لگ رہا ہے اس لیے اس نے اتنا تڑپ کر، اتنا والہانہ اس طرح بھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگایا تھا؟
"تم نے مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا تھا عالی؟ میں نے اپنے سب ڈراؤنے خواب تم سے شیئر کیے تھے، تمہیں کوئی ڈر تھا کوئی وہم دل میں آ رہا تھا تو مجھے بتاتے تو سہی۔ میں تمہیں اپنے پاس سے کبھی جانے نہ دیتی۔"
وہ اس کی تصویر کو سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔
" I Love you Honey"
اس نے دراز میں حفاظت سے رکھا وہ کارڈ نکالا جو اس نے اسے پھولوں کے ساتھ لگا کر دیا تھا۔ اس حسین شب کی یادگار تھے وہ پھول، جو مرجھا چکے تھے اور وہ کارڈ "ہنی! کیا ایسا ہو سکتا ہے ان چھ دنوں میں ہم ہر ٹینشن بھلا دیں۔ ان کو صرف ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں؟"
عباد عذیر اپنی زندگی کے وہ آخری چھ دن اسے دے رہا تھا۔ کیا اس کا وجدان اسے کچھ بتا رہا تھا۔
کیا اس کے اندر کوئی اسے پہلے سے خبر دے رہا تھا کہ اس کی زندگی کے لمحات گنے جا چکے ہیں۔ وہ اس سے جتنی محبت کرتا ہے اس کا واضح اظہار آج ہی کر دے کہ اب کوئی کل ان کی زندگی میں آنے والی نہیں۔
اپنے اپارٹمنٹ میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ ہتھیلیوں پر بہتے خون کو پانی سے دھو کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ کہاں جانے کے لیے نکلی تھی اسے پتا نہیں تھا۔ وہ کیمپس آ گئی تھی۔ وہ بہت سارے دنوں بعد کیمپس آئی تھی۔ کیمپس بھی ویسا ہی تھا اس کے اندر کی دنیا بھی ویسی ہی تھی۔
"میں عباد عذیر ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کیمپس کے در و دیوار کو دیکھا۔ محبت کا یہ سفر یہیں شروع ہوا تھا، اسی کیمپس سے۔
"آج کل تو مجھے ہنیہ سجاد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔"
"یہاں ہمارے کیمپس کے پاس ایک نیا اٹالین ریسٹورنٹ کھلا ہے۔"
وہ کیمپس سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ اٹالین ریسٹورنٹ ویسا کا ویسا وہیں موجود تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کے اندر آ گئی۔ وہاں مختلف میزوں پر اسی کی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے۔ وہ میز آج خالی نہیں تھی وہاں ایک اور کپل بیٹھا تھا۔ انہیں دونوں کی طرح خوش باش، زندگی سے بھرپور ایک نوجوان لڑکی اور لڑکا۔ وہ ایک دوسری میز پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لیے کیپو چینو، اٹالین کوکیز اور پیسٹری آرڈر کی۔
"یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔"
"کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔ لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔"
"کتنی حجت کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل ہونا چاہیے تھا۔"
میز پر اپنے سامنے رکھی کھانے پینے کی کسی چیز کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ ان سب چیزوں کو میز پر ویسا ہی ان چھوا چھوڑ کر کئی نوٹ میز پر پھینکتی وہاں سے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ روتے ہوئے کیمپس اور اس ریسٹورنٹ سے دور بھاگے چلی جا رہی تھی۔ وہ کتنی دیر تک اور کتنا بھاگی تھی جو سینٹرل پارک کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔ وہ سینٹرل پارک کے قریب و جوار کی جگہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آواز اس کے قریب تھی، اس کے بالکل قریب۔ "مس ہنیہ سجاد! میں عباد عذیر آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں موجود بریسلٹ کو دیکھا۔ کیمپس بھی ہے، اٹالین ریسٹورنٹ بھی ہے، سینٹرل پارک بھی ہے، اس کا بریسلٹ بھی ہے، سب کچھ ہے پھر وہ کیوں نہیں ہے۔ بس صرف وہی کیوں نہیں ہے؟ وہ رو رہی تھی۔ اس کے شہر میں، اس کے نیویارک میں ہر قدم پر اس کی یادیں تھیں، اس کی باتیں تھیں، اس کی آوازیں تھیں۔ ہر منظر وہی تھا، بس وہی نہیں تھا۔ سب کچھ تھا بس عباد عذیر نہیں تھا۔ وہ کس آس، کس امید کے سہارے زندہ رہے؟ کس کی خاطر کس کے لیے؟ کس کے انتظار میں؟ ہر آس دم توڑ گئی تھی۔ انتظار شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

برف باری کا ابھی موسم نہیں آیا تھا۔ پر اب کہ نیویارک میں سردیاں بھی جلدی شروع ہوگئی تھیں اور موسم کی پہلی برف بھی جلدی پڑ گئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھا۔ رات کا وقت تھا، باہر برف پڑ رہی تھی۔ نہ یہ کرسمس ایو تھا نہ نیو ایئر نائٹ۔ یہ اوائل اکتوبر کی ایک عام سی بے حد سرد رات تھی۔ رات میں اس وقت پیدل باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا، مگر وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ اس برف کو دیکھ کر اس سے گھر کے اندر رکا ہی نہیں جا سکا تھا۔

جینز اور شرٹ کے اوپر اس نے ایک ہلکا سوئٹر جو اسے کل کیتھی پہنا کر گئی تھی، پہنا ہوا تھا اور وہ اس کو پہنے باہر نکل آئی تھی۔ نہ گرم جیکٹ، نہ اوورکوٹ، نہ ہیٹ نہ گلوز کچھ بھی نہیں۔ وہ مخصوص اور جانے پہچانے راستوں پر چل رہی تھی۔

اسے وہ اسٹور نظر آیا تھا، وہ اسٹور جہاں سے اس نے وہ شرٹ خریدی تھی جو اس کے عالی کا آخری لباس ہی تھی۔ اس نے باہر سے کھڑے کھڑے اس اطالوی کیشیئر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جس نے ان کی تصویر کھینچی تھی، جس نے انہیں نائس کپل کہا تھا۔

اسے وہ اطالوی کیشیئر نظر آیا تھا مگر وہ اسٹور کے اندر نہیں گئی، اگر اس نے اسے پہچان لیا اور اس سے یہ پوچھ لیا کہ گزشتہ سال 24 دسمبر کی رات جو بے حد ہینڈسم لڑکا اس کے ساتھ تھا وہ آج اس کے ساتھ کیوں نہیں ہے پھر وہ کیا کہے گی۔

وہ اس اسٹور سے آگے بڑھ گئی۔ وہ اسی طویل سڑک پر پھر چلنے لگی تھی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ سے کیتھی کے پرانے اپارٹمنٹ تک کا وہی جانا پہچانا راستہ طے کر رہی تھی۔ آج اس برف باری میں تنہا چل رہی تھی، آج کوئی اس کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تنہا تھی۔

"جب تک تمہارے ایگزیم نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔"

"ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔"

"نہیں مانو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔" وہ فٹ پاتھ پر ہی ایک طرف جو بالکل سنسان اور ویران سی جگہ تھی وہاں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟" اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کی آواز تھی، وہ کہیں نہیں تھا۔

"ہنہ، سجاد! صرف تم نہیں میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ برف مسلسل اس پر گر رہی تھی۔

وہ اپنے چہرے پر سے نہ آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی نہ برف کو، اس کی پلکوں تک پر برف چپک گئی تھی۔ اس کے پاس سے ایک ہنستی مسکراتی فیملی گزری تھی۔ کسی اسٹور سے شاپنگ کر کے نکلتے وہ میاں بیوی اور ان کے بچے بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ یہ لوگ آخر کس بات پر اتنا خوش ہیں، کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟

اس کا دل چاہا وہ اپنے سامنے آتے ہنستے مسکراتے چہروں پر سے مسکراہٹ نوچ کر پھینک ڈالے۔ اگر خوشی اس کے لیے نہیں، اس کے عالی کے لیے نہیں تو پھر ان لوگوں کے لیے بھی کیوں؟ اس کے قریب سے ایک گاڑی گزری تھی، جسے چلانے والا بہت بوڑھا شخص تھا۔

"یہ کیوں نہیں؟ میرا عالی ہی کیوں؟" اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر شکوہ کیا۔

"اور دنیا میں اتنے لوگ ہیں جو اپنی پوری عمر گزار کے جن کی کسی کو ضرورت نہیں، پھر میرا عالی ہی کیوں؟ میرا عالی ہی کیوں؟"

وہ روتے ہوئے چلائی۔ وہ پھر ہسٹیریک ہو کر رونے لگی تھی۔ اسے اس لمحے دنیا سے نفرت ہو رہی تھی، شدید ترین نفرت۔

عباد عذیر کے بغیر اسے یہ دنیا نہیں چاہیے، عباد علی کے بغیر اسے یہ زندگی نہیں چاہیے۔ یہ دنیا جس میں اس کا عالی سانس نہیں لے رہا، اسے بھی یہاں سانس لینا گوارا نہیں۔ یہ زندگی جسے وہ نہیں جی رہا، اسے بھی نہیں [illegible]۔ وہ اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی۔ اس سرد ترین رات میں فٹ پاتھ پہ بیٹھ کر اپنے وجود کو برف سے ڈھکتے ہوئے [illegible] فیصلہ کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لیا تھا۔ آج اس کی زندگی کا آخری دن تھا اور مرنے والے کو زندگی سے کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں اپنی ضرورت کے مطابق پیسے، عالی کی ایک تصویر، وہ بلیک ٹراؤزر، گرے ٹی شرٹ جو اس کے ساتھ گزاری پہلی شب میں اس نے سلیپنگ ڈریس کے طور پر پہنا تھا، وہ اور ایک گولیوں سے بھری ہوئی شیشی رکھی تھی۔ کل اثاثہ ساتھ لیے وہ صبح سویرے ابھی جب صبح کی روشنی پھیلنی بھی شروع نہیں ہوئی تھی، عباد کے اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ اپنا موبائل آف کر کے اس نے اپارٹمنٹ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کی گاڑی اور عباد کی گاڑی دونوں نیچے پارکنگ میں کھڑی تھیں۔ وہ ان دونوں گاڑیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ کر ایئرپورٹ کیب کے ذریعے جانا چاہتی تھی۔ وہ اپنا کوئی بھی سراغ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خودکشی کی ناکام کوشش نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس دنیا میں ایسے بہت سے گوشے تھے، جہاں وہ مرنے کا ارادہ لے کر چلی جاتی تو کوئی اسے وہاں ڈھونڈ نہ پاتا، پر اس نے ایک جانی پہچانی جگہ اپنے لیے منتخب کی تھی۔ اس نے آخری رات عالی سے ملنے کے لیے carmel کو چنا تھا۔ وہ مرنا تو کسی ایسی جگہ مرے جہاں عالی کی خوشبو ہو، اس کی یادیں، اس کے قہقہے ہوں۔

carmel آ کر اس نے ایک ہوٹل میں کمرہ لیا۔ اپنا واحد سامان اپنا ہینڈ بیگ رکھا اور پھر ساحل پر آ گئی۔ وہ آج کا سارا دن یہاں اس ساحل پر گزار دینا چاہتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا، آخری رات وہ کل گزار چکی تھی۔ وہ گھر سے لباس تبدیل کر کے آئی تھی۔ اپنی جیکٹ اور سوئٹر کے نیچے وہی I m crazy about u والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ساحل پر اکا دکا ہی لوگ تھے۔ وہ ساحل پر آہستہ آہستہ چلنے لگی تھی۔

وہ ساحل پر اس جگہ کو تلاش کرنے لگی تھی جہاں کھڑے ہو کر وہ بہت زور سے چلا کر بولا تھا۔

"[illegible] تو ہے سویٹ ہارٹ! تم بول کر دکھا دو اتنے لوگوں کے بیچ یہ بات۔"

دوپہر سے پھر پوری شام ساحل پر ننگے پاؤں چلتی رہی۔ اس کے پاؤں تھکے، نہ وہ نڈھال ہو کر کہیں بیٹھی۔ جب شام ڈھلنی شروع ہوئی، تب وہ اس طرف چلنا شروع ہوئی جہاں درختوں کے جھنڈ، پتھروں کی سیڑھیوں اور ڈھلوانی راستے سے ادھر وہ چھوٹا سا گھر تھا۔ راستے میں بغیر کسی تلاش کے اسے ایک درخت نظر آیا تھا۔ چونکہ اندھیرا ہونا شروع ہو چکا تھا، اس لیے اس رخصت پر لکھا کچھ بھی دور سے نظر نہیں آ رہا تھا، وہ اس درخت کے قریب آ گئی تھی۔

ABAD 30 MARCH SUNDAY"

" HANIYA

"یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے نہ رکھے مگر carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔"

پتا نہیں اس درخت کو بھی کچھ یاد تھا کہ نہیں۔ اس نے درخت پر کھدے ان حروف پر اپنی انگلیاں آہستہ آہستہ پھیریں۔ کچھ دیر اس درخت کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھی تھی۔ پتھروں کی سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی اب اس کاٹیج کے سامنے تھی۔ وہ گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا' ویران تھا۔

"عالی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟" اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونجی۔

"جب تم کہوگی۔"

وہ اس اندھیرے میں ڈوبے گھر کے باہر کھڑی اندر خود کو اور اسے دیکھ رہی تھی۔ چلتا پھرتا' مسکراتا۔ "اور عالی! تمہارے ساتھ یہاں پھر آنا میرے نصیب میں نہ تھا کہ میرے نصیب میں تو ہجر کا تپتا صحرا اور جدائی کی جھلستی آگ لکھی گئی تھی۔"

وہ انسانوں کے ہجوم کو' دنیا کو' زندگی کو آخری بار دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے اپنا روم لاک کیا' ہر طرف سے تمام کھڑکیاں' پردے سب کچھ بند کردیا۔ ٹیلی فون کا تار نکال دیا۔ اس نے کمرے کی بتیاں بجھادی تھیں۔

وہ کل رات سڑک پر برف باری میں بیٹھ کر آخری بار روئی تھی' وہ آج سارے دن میں ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔ نہ ساحل پر چلتے' نہ سیاحوں چلتے لوگوں کو دیکھتے' نہ اس درخت کو دیکھتے' نہ اس کاٹیج کو' اپنی محبت کی اس یادگار کو دیکھتے۔ وہ اب بھی نہیں رو رہی تھی۔

وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں مرنے کی تیاری کررہی تھی۔ اس نے بیگ سے عباد کی نئی شرٹ اور ٹراوزر نکالا۔ وہ اسے لے کر باتھ روم میں آگئی۔ وہ اس کے کپڑے پہن کر مرنا چاہتی تھی۔ اس نے بالکل ٹھنڈے یخ پانی سے غسل کیا۔ چادر بچھائی اور اسکارف سر پر باندھ کر قبلہ رو کھڑی ہوگئی اور نماز کی نیت باندھتے ہی' ابھی صرف الحمد شریف پڑھنا شروع کی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ حرام موت مرنے جارہی تھی۔ وہ روتے ہوئے قیام' رکوع و سجود کررہی تھی۔ نماز پوری پڑھنے کے بعد اس نے دو رکعت صلوۃ التوبہ کی نیت باندھی تھی۔ گناہ کرنے سے پہلے توبہ قبول ہوتی ہے کہ نہیں' گناہ معاف ہوتا ہے کہ نہیں' اسے نہیں پتا تھا۔ سلام پھیرتے ہی وہ سجدے میں گرگئی تھی۔

"مجھے معاف کردے میرے اللہ! میں حرام موت مرنے جارہی ہوں۔ میں ایک گناہ کرنے جارہی ہوں۔ زندگی تمہاری دی ہوئی امانت ہے' مجھے اسے خود اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں' مگر میں کیا کروں' مجھ سے اس کے بغیر جیا نہیں جاتا۔ میرے دل میں اس کی یہ محبت تو نے ہی پیدا کی ہے۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں' نہیں رہا جاتا مجھ سے' یہاں تیری اس دنیا میں اس کے بغیر۔"

سجدے میں گری وہ بلک بلک کر روتی' اپنی بے بسی' بے چارگی کا اظہار کرتی' اللہ سے اس گناہ کی معافی مانگ رہی تھی جو ابھی کیا نہیں تھا' مگر جو وہ ابھی کرنے......

"ہنی!" اسے اپنے بالکل قریب' بالکل نزدیک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ اس نے روتے روتے سجدے سے سر اٹھایا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔

"عالی!" اس کے لبوں سے چیخ کی صورت اس کا نام نکلا۔ "عالی! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟" روتے ہوئے بولی۔

"میں کہیں بھی نہیں گیا۔ یہیں ہوں تمہارے پاس' ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھو۔" وہ ہمیشہ کی طرح اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"اب مجھے چھوڑ کر کبھی مت جانا عالی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ اس کی پشت آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا' ہولے ہولے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"میں جانا نہیں چاہتا تھا ہنی! مگر زندگی میں سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتا نا؟"

"نہیں..... نہیں..... میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ مچل مچل کر بچوں کی طرح ضدی لہجے میں بولی۔

"ہنی! میری بات سنو۔" وہ اس کا سر اپنے سینے پر سے اٹھانے لگا۔

"نہیں۔ پہلے تم کہو' اب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے' پھر سنوں گی تمہاری بات۔" وہ ضدی لہجے میں بولتے روتی رہی۔

"ہنی! پلیز میری بات سنو۔ اگر مجھ سے واقعی محبت کرتی ہو تو میری بات سنو۔" وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اس کے سینے پر سے سر اٹھایا' اس کی طرف اٹھی آنکھیں جن میں آنسو تھے۔

"نہیں کیا لگتا ہے' تمہیں چھوڑ جانا مجھے اچھا لگا تھا؟ میں نے اس دکھ کو جھیلا نا؟ تم بھی ہمت کرکے اسے قبول کرو' تم نے مجھ سے کیا کہا تھا یاد ہے؟ عالی! تمہاری ہنی اتنی کمزور اور بزدل نہیں۔" پھر آج میری ہنی اتنی کمزور اور بزدل کیسے ہوگئی۔

"میں کمزور اور بزدل نہیں تھی عالی! مگر تمہارے بغیر میں بہت کمزور' بہت بزدل ہوں۔ میری طاقت تم ہو عالی۔" وہ روتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"ہنی! میری بات سنو۔" اس نے اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے' وہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔

"میں تب تک زندہ ہوں ہنی! جب تک تمہارے دل میں موجود ہوں۔ جس روز تمہارے دل سے نکل جاؤں' اس روز سمجھنا کہ عالی مرگیا۔ محض اس لیے کہ اب میں تمہیں نظر نہیں آتا' چلتا' پھرتا' بولتا۔ تم اب مجھے دیکھ نہیں سکتیں' مگر کیا اب تم مجھے محسوس بھی نہیں کرسکتیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ میں بہت جلدی چلا گیا' لیکن اگر دیر سے بھی جاتا تب بھی ہمیں' مجھے اور تمہیں کبھی نہ کبھی تو اس دنیا سے جانا ہی تھا۔ ہمیں اس دنیا میں کبھی نہ کبھی بچھڑنا تو تھا۔ ہم بیس سال' تیس سال' چالیس سال یا ساٹھ سال ایک ساتھ زندگی گزار لیتے۔ ساتھ رہ کر بھی ایک نہ ایک' ہم دونوں میں سے کوئی ایک پہلے دنیا چھوڑ جاتا' دوسرا تنہا رہ جاتا۔ اپنے پیاروں سے اس دنیا میں ایک نہ ایک دن تو سب کو جدا ہونا پڑتا ہے۔ دنیا کی قسمت میں فنا جو لکھی گئی ہے۔"

وہ آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم آج اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کررہی تھیں' تم نے ایک پل کے لیے بھی میرے بارے میں نہ سوچا' تم نے ممّا' پاپا کے بارے میں نہ سوچا۔" وہ آنکھوں میں دکھ لیے اس سے شکوہ کررہا تھا۔

"ممّا' پاپا؟" بے آواز اس کے لبوں سے یہ نام نکلے۔

"ہاں' ممّا' پاپا' ممّا' پاپا ہنی! میرے ممّا' پاپا' میری روح ان کے لیے بے چین رہتی ہے' میرے ممّا' پاپا اکیلے رہ گئے ہنی!" وہ رو پڑا تھا۔

"میں پاپا سے معافی بھی نہ مانگ سکا' انہیں منا بھی نہ سکا۔ ان کا بیٹا اتنا خود غرض تھا۔ اسے ان کی ناراضی کی کوئی پروا ہی نہ تھی۔ انہیں تو آج تک یہ بھی پتا نہ چل سکا ہوگا کہ میں ان کے پاس جارہا تھا۔ اگر زندگی تھوڑی سی مہلت اور دے دیتی تو میں ان کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔"

اس نے عباد کا سر اپنے سینے سے لگایا' وہ اسے پہلی بار اس طرح روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس سے عالی کے آنسو دیکھے نہیں جارہے تھے۔

"پاپا مجھ سے خفا ہیں ہنی! ان کی مجھ سے ناراضی دور کروا دو۔ پلیز ہنی! پاپا کو جاکر یہ بتادو کہ عالی ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مرتے وقت بھی ان ہی کو پکار رہا تھا۔ میرا یہ ایک کام کردو ہنی!" وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے روتا رہا۔

"میرا یہ کام کروگی ہنی؟" عباد نے روتے روتے سر اوپر اٹھا کر اسے آس بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے رخساروں پر سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے سر اقرار میں ہلایا۔

"ممّا' پاپا کے پاس چلی جاؤ ہنی! وہ بہت اکیلے ہیں۔ میرے ممّا' پاپا بہت اکیلے ہوگئے ہیں ہنی!"

"میں جاؤں گی عالی! وعدہ کررہی ہوں' جاؤں گی۔" وہ اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وعدہ کرو پھر تو ایسا کچھ نہیں کروگی جیسا آج کررہی تھیں؟"

"نہیں کروں گی۔" وہ اس کے رخسار پر اپنا چہرہ ٹکا کر بولی۔

"یہ سچا وعدہ ہے' یا ویسا ہی جھوٹا جیسا اپنی پروا کروں گی اور خیال رکھوں گی والے وعدے تم نے مجھ سے کیے تھے؟"

اس نے نظریں اٹھا کر عالی کو دیکھا' وہ شکوہ کناں اور ناراض نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے کیا اپنا ہر وعدہ توڑ دیا ہنی! تم نے کہا تھا اپنا خیال رکھوں گی' یہ خیال رکھا تم نے اپنا؟ میری ہنی آج مجھے اس اجڑے حال میں نظر آرہی ہے؟ مت رویا کرو ہنی! تم روتی ہو تو میں بے چین رہتا ہوں' میری روح بے چین رہتی ہے۔"

وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہہ رہا تھا' وہ اس کی پلکوں کو چوم رہا تھا۔

"ممّا' پاپا کا دھیان رکھو گی نا ہنی؟"

"تم فکر مت کرو عالی! میں ممّا' پاپا کا بالکل اسی طرح خیال رکھوں گی جیسے تم رکھتے تھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"جب یہ دنیا یہ زندگی فانی ہے' اسے ختم ہونا ہے' جہاں آج میں ہوں وہاں کل تمہیں بھی آجانا ہے' پھر فکر کس

بات کی؟ میں مطمئن ہوں یہ سوچ کر ہنی! کہ تم 'مما' پاپا سب مجھے پھر ملو گے' یہاں میری اس ہمیشہ رہنے والی 'کبھی نہ فنا ہونے والی دنیا میں۔ جس میں ابھی تم ہو۔

ہنی! تمہیں یاد ہے ہنی! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟"

اس نے سوالیہ نگاہوں سے عالی کو دیکھا۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی' اب اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں گر رہے تھے۔

"جب اس صبح ہم جنت کی باتیں کر رہے تھے' تم کہہ رہی تھیں کہ میں جنت میں تمہارا ساتھ کیوں مانگ رہا ہوں' کسی اور حسین لڑکی کا کیوں نہیں اور میں تم سے کہہ رہا تھا کہ مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہیے۔ ہم وہ باتیں مذاق میں کر رہے تھے' مگر میں تمہیں ایک بات بالکل سچ سچ بتاؤں' میں نے ان دنوں میں بے شمار مرتبہ اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ جو رشتے 'مما' پاپا اور تم اور تم لوگوں کی یہ محبتیں دی ہیں ایسے ہی مجھے اس ہمیشہ رہنے والی دنیا میں' اپنی اس بہت پیاری جنت میں بھی مما' پاپا اور ہنی کا ساتھ دینا۔ مجھے یقین ہے ہنی! اللہ نے میری وہ دعا سنی تھی' اسے قبول کیا تھا۔ میں' تم' مما' پاپا' ہم سب پھر ملیں گے۔ کبھی نہ جدا ہونے کے لیے۔"

وہ اس کی طرف جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"مجھ سے ملنے کا یقین ہے؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"جب مجھ سے ملنے کا یقین ہے تو بس پھر اس فانی زندگی کو اسی امید کے ساتھ زندہ لوگوں کی طرح گزار لو۔"

وہ مبہوت سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر اب سکون اور قرار پھیلا تھا۔

"پھر اب رونا ہے یا میری بات ماننی ہے؟" اس نے مسکرا کر اپنا کبھی بہت پہلے کا کہا جملہ دہرایا۔

"تمہاری بات ماننی ہے عالی!" اس نے اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھ دی۔

"عالی! تمہارا ڈمپل....."

"تمہیں بہت اچھا لگتا ہے' یہی نا؟" اس نے اس کا جملہ اس کے کہنے سے قبل خود مکمل کر دیا۔

"تم اگر چاہتی ہو' میں مسکراتا رہوں' میں خوش رہوں' تو اب کبھی رونا مت ہنی!" عباد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"کبھی بھی نہیں روؤں گی عالی!" عباد نے اس کی آنکھوں کو چوما تھا اور پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"سو جاؤ ہنی! تم بہت دنوں سے سوئی نہیں ہو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتا آہستہ سے بولا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سو جانا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی۔ وہ اسی طرح سجدے کی حالت میں تھی۔

اس نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا۔ ہوٹل کا وہ کمرہ ویسا ہی اندھیرے میں ڈوبا تھا' جیسا تاریک اس نے اسے دیکھا تھا۔ وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ مگر اس کمرے میں ایک خوشبو تھی' ایک خوشبو جسے وہ بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ خواب میں اس کے پاس آیا تھا یا حقیقت میں؟ وہ سوتے میں اسے نظر آیا تھا یا جاگتے میں؟ وہ اپنے گرد پھیلی اس کی خوشبو محسوس کر رہی تھی' اس کا لمس اپنے چہرے کے ایک ایک نقش پہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اگر خواب تھا تو حقیقت سے زیادہ حقیقی اور سچا تھا۔ وہ اپنے عالی کی خوشبو ہر سمت پا رہی تھی۔

وہ اپنے گرد سکون پھیلا محسوس کر رہی تھی۔ وہ بلک بلک کر زار و قطار روتی سجدے میں گئی تھی' اسی حالت میں روتے روتے اس کی آنکھ لگی تھی۔ اور اب جب اٹھی تھی بے پناہ سکون اور قرار اپنے دل میں اترتا پا رہی تھی۔

اس نے اس سجدے کی جگہ کو دیکھا جو ابھی بھی اس کے آنسوؤں سے گیلی تھی' شاید وہ سوتے میں بھی روئی تھی۔

"تم زندہ ہو عالی! تم میرے لیے آج بھی زندہ ہو۔ اور میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔"

پہلی بار ایسا ہوا تھا جب اس کا نام لیتے اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے تھے وہ اس چادر کو اسی طرح بچھا چھوڑ کر وہاں سے کھڑی ہوئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے' عالی پوری رات اس کے ساتھ تھا۔ وہ خواب تھا' حقیقت تھی یا روح کو روح سے ملانے کے لیے کھلنے والا کوئی دریچہ' مگر وہ پوری رات اس کے ساتھ رہا تھا۔

وہ گولیوں سے بھری شیشی جو اس نے اپنے بیگ میں رکھ رکھی تھی' اسے نکال کر اس نے ڈسٹ بن میں پھینک کر وضو کرنے چلی گئی... اب وضو کرنے کے بعد باتھ روم میں جا رہی تھی۔ اس کے دل میں قرار' یہ سکون اس کے اللہ نے عطا کیا تھا۔ اسے اپنے رب کا صدق دل سے شکر ادا کرنا تھا۔ عالی کے لیے یہ محبت اس کے اللہ نے اس کے دل میں ڈالی تھی اور اب اللہ ہی اس لمبی جدائی کو ہمت کے ساتھ گزارنے کی طاقت اسے عطا کرنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر
تمہارے قدموں میں آگرے تو
یہ جان لینا' وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
نئے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا!!

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے کمرے کی بالکونی میں آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے دل میں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔

"ہاں عالی! محبت کے لیے ظاہری آنکھ سے نظر آنا' چھونا' پانا ضروری نہیں۔ محبت سچی ہو تو دل کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے' محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جو میرے دل میں رہتا ہے' میں اسے باہر تلاشتی پھر رہی تھی۔ عالی! تم میرے دل میں زندہ ہو اور میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔" وہ بالکل بھی نہیں رو رہی تھی۔ وہ استقامت کے ساتھ کھڑی تھی۔

اسے اپنا خیال رکھنا تھا' اسے عالی کے مما اور پاپا کا خیال رکھنا تھا۔ مما' پاپا' وہ ہوٹل میں نیچے آگئی تھی۔ وہ ناشتہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک میز پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لیے ناشتہ آرڈر کر دیا۔

"دیکھ لو' میں اپنا خیال رکھ رہی ہوں۔ اب تمہاری ہنی تمہیں اجڑے حالوں میں نظر نہیں آئے گی عالی! اور مما' پاپا جنہیں وہ بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اب انہیں کبھی نہیں بھولے گی۔"

وہ کتنی بری طرح رو رہا تھا۔ وہ مما' پاپا کے لیے کتنا بے چین تھا۔ وہ اپنے دکھوں میں' اپنے غم میں اتنی کھو گئی کہ اسے ایک بار بھی ان بوڑھے والدین کا خیال نہیں آیا جن سے ان کی دنیا' ان کی حیات' ان کی زندگی' ان کا اکلوتا' بہت لاڈلا' بہت پیارا بیٹا چھن گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اپنے لیے نہیں' عالی کے لیے نہیں۔ ان بوڑھے ماں' باپ کے لیے۔ کیسی آزمائش لکھی گئی تھی ان ماں' باپ کی۔ اولاد کا غم' اکلوتے بیٹے کی جدائی کا غم۔ وہ اس کے عالی کے والدین تھے۔ عالی سے وابستہ بے جان اشیاء بھی اسے جان سے بڑھ کر پیاری تھیں' پھر اس کے والدین کیسے نہ ہوتے۔

"عالی! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنے غم میں اتنی خود غرضی سے ڈوب گئی تھی کہ مما' پاپا کے بارے میں بھی سوچا تک نہیں۔ مگر اب تم سے وعدہ کر رہی ہوں عالی! کہ انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ وہ تمہارے ماں' باپ ہیں تو مجھے بھی میرے ماں' باپ ہی کی طرح عزیز ہیں۔ چاہے وہ مجھ سے کتنی بھی نفرت کرتے ہوں' مگر اب میں انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ میں تمہارے پاکستان جاؤں گی عالی! اور اب سے مجھے زندگی سے اس لیے بھی پیار کرنا ہے' صحت مند اور تندرست رہوں گی' تب تو مما' پاپا کا دھیان رکھ پاؤں گی' انہیں سنبھال پاؤں گی۔"

اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس ناشتے کی طرف دیکھا جو اس کے آگے سرو ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے آملیٹ کی پلیٹ اپنے آگے کر لی تھی۔ ایک بہت طویل عرصے بعد وہ اپنے دل کی پوری آمادگی اور رضامندی کے ساتھ کچھ کھا رہی تھی۔ ابھی زندگی کو اس کی ضرورت تھی۔ ابھی عالی کو اس کی ضرورت تھی' ابھی عالی کے مما' پاپا کو اس کی ضرورت تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ موت سے ملنے اس شہر میں آئی تھی' وہ زندگی ساتھ لے کر یہاں سے واپس دنیا میں جا رہی تھی۔

وہ دنیا میں واپس آئی' اس نے زندگی کو پھر قبول کیا تو اسے ان لوگوں کا خیال آیا جو اس سے پیار کرتے تھے' جو اس کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے۔ اسے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اپنی پیاری دوست کیتھی کا خیال آیا' گزرے تمام مہینوں میں اس نے اس کا کتنا خیال رکھا تھا' دوستی کا کیسا حق نبھایا تھا' اس کے بہن بھائیوں سے بڑھ کر وہ اس کی اپنی ثابت ہوئی تھی' اپنے جنون میں وہ اس پر کتنی مرتبہ چیخی چلائی تھی' اسے کتنا برا بھلا کہتی رہی تھی مگر اس نے اس کے پاس آنا کبھی بھی نہ چھوڑا تھا۔ جس خود غرض معاشرے میں وہ رہتی تھی' وہاں ایسا دوست اللہ کا انعام ہی تو تھا۔

وہ نیویارک واپس آنے کے بعد اس روز کیتھی کے گھر آگئی۔ اس کے بیل کرنے پر مائیک نے آکر دروازہ کھولا تھا۔

"ہنیہ؟ تم؟" وہ اسے دیکھ کر حیران بھی نظر آ رہا تھا اور بے انتہا خوش بھی۔ اس نے وہیں سے چلا کر کیتھی کو آواز دی۔

"دیکھو کون آیا ہے۔" وہ مائیک کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آگئی تھی۔ کیتھی مائیک کی ایکسائٹمنٹ بھری آواز سن کر تیزی سے اس طرف آ رہی تھی۔ ہنیہ کو دیکھ کر اس کے قدم اپنی جگہ رک گئے تھے۔ اس نے بہت اچھا سا خوبصورت اسٹائل کا حامل پاکستانی لباس پہن رکھا تھا' بال سلیقے سے باندھ رکھے تھے' جیولری اور میک اپ کا استعمال نہیں کیا تھا' مگر اس کی تیاری بتا رہی تھی' وہ اس کے گھر آنے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر ہنیہ کے گلے سے لگ گئی۔ اس کی دوست دنیا میں لوٹ آئی تھی' وہ زندگی کو پھر سے جینے کے لیے آمادہ تھی۔

کیتھی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"ہنیہ!"

"ہاں میں۔ میرا استقبال اس طرح رو کر کر رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر اسے ٹوکا۔ "بہت بری دوست ہوں۔ تمہاری شادی میں شریک نہیں ہوئی تو نہیں ہوئی' تمہیں تمہاری شادی کی مبارک باد اور تحفہ تک نہیں دیا۔ میں آج تمہیں اور مائیک کو تم لوگوں کی شادی کی مبارک باد دینے اور یہ چھوٹا سا تحفہ دینے آئی ہوں۔"

کیتھی نے بہت جتن کیے تھے' بہت اس کی منت سماجت کی تھی مگر ان دنوں جیسی اس کی کیفیت تھی' وہ اس کی شادی میں شریک ہی نہیں ہو سکی تھی۔ وہ دبئی سے اس کے لیے تحفہ خرید کر لائی تھی۔ اس نے سلیقے سے ریپ ہوا وہ گفٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم بہت اچھی دوست ہو۔ شادی میں شریک ہو یا نہیں' تحفہ دو یا نہیں' میرے لیے میری سب سے اچھی دوست تم ہو۔" کیتھی کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے' اس نے والہانہ انداز میں اسے پھر گلے سے لگا لیا تھا۔

"میں سب سے اچھی دوست ہو گئی اور بے چارہ مائیک کہاں گیا؟" وہ مسکرا کر بولی۔

کیتھی اسے مسکراتا دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ کیتھی یا مائیک کے روکنے سے پہلے اس نے خود ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ کھانا ان کے ساتھ کھائے گی۔ وہ کھانے پر ان کے گھر رک گئی تھی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس سے عباد کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ پتا نہیں کتنے جتن کر کے وہ خود کو دنیا میں واپس لا پائی تھی' وہ اس سے دکھ دینے والی کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیتھی جو اسے بہت قریب سے جانتی تھی' وہ دیکھ رہی تھی' دوبارہ پہلے جیسی ہو جانے کے باوجود ہنیہ میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوا تھا۔ وہ اس تبدیلی کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ بظاہر ہنس رہی تھی' مسکرا بھی رہی تھی' مگر اس کی آنکھوں میں حد درجہ سنجیدگی تھی' ایسی سنجیدگی جو کسی ایسے شخص کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے' اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے' جو دنیا کے ہر دکھ' ہر آزمائش اور ہر امتحان کا مقابلہ کر چکا ہوتا ہے' جو دنیا کے دکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کر چکا ہوتا ہے' جو دنیا کی ساری سچائی' ساری حقیقت پہچان چکا ہوتا ہے۔ ہنیہ کے پورے وجود پر ایک سنجیدگی' ایک ٹھہراؤ اور ایک سمجھوتہ کر لینے والا سکون چھایا نظر آ رہا تھا۔

وہ پھر سے جاب کرنے کی بات کر رہی تھی۔ جہاں وہ جاب کر رہی تھی وہاں اگر اب بھی اس کے لیے کوئی جگہ ہے تو وہاں' نہیں تو وہ کہیں اور ملازمت کرے گی۔ کیتھی اور مائیک اس کے لیے بہت خوش تھے۔ جیسے بھی اور جو بھی تھا' وہ کم از کم ان کے پاس واپس آ تو گئی تھی۔ انہیں ان کی دوست پھر سے مل تو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
اک رات ستارہ کہکشاں
جو گواہ تھا
سر شام سے صبح دم تلک
کسی وصل رنگ سی بات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشک بار سی بات کا
میرے ساتھ تھا
میرے ساتھ ہے

وہ اب عالی عالی پکارتی گھر سے نکل نہیں جایا کرتی تھی' وہ اب اسے یاد کر کر کے دیوانگی کے عالم میں روتی نہیں تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھا' وہ اس کے پاس تھا' وہ اس کے دل میں تھا' اس نے اللہ سے بھی صدقِ دل سے معافی مانگی تھی' اپنے ان شکوؤں اور گلوں پر جو اس نے اللہ سے کیے تھے۔ اس رات برف باری میں جب اس نے اللہ سے شکوہ کرنے کی اتنی بڑی جسارت کی تھی کہ میرا عالی ہی کیوں؟

کیا جب اللہ نے اسے عباد عذیر جیسے بے مثال شخص کی محبت' والہانہ محبت عطا کی' اس وقت بھی اس نے اللہ سے پوچھا تھا' میں ہی کیوں؟

کیا جب اس کی رفاقت' اس کا محبتوں کی شدتیں لیا ساتھ ملا تب بھی اللہ سے اسی طرح سوال کیا تھا' مجھے ہی کیوں؟ میں نے ایسی کون سی نیکی' کون سا اچھا کام کیا ہے جو مجھے محبت' اتنی بے شمار محبت مل رہی ہے اور ان لوگوں نے جنہیں تمام عمر ایک پل کے لیے بھی محبت نہیں ملتی' انہوں نے کیا گناہ کیا ہوتا ہے جو وہ تمام عمر محروم محبت رہ کر گزارتے ہیں؟ اللہ کی عطائیں اس کا حق ہیں۔ وہ عطائیں واپس لے لی جائیں تو وہ اللہ سے سوال کرنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ سے میں اور میرا عالی ہی کیوں؟ پوچھنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ کی عطا عباد عذیر کی والہانہ محبت' ہاں وہ تو اس کا حق ہے' یہ عطا چھنے گی تو اللہ سے شکوہ کرے گی۔

اسے خود پر بہت شرم آئی تھی' ندامت سے سجدے میں سر جھکا کر اس نے اللہ سے بہت معافی مانگی تھی۔ اگر عالی کو اللہ نے اس سے واپس لے لیا تھا تو اس کے دل کو یہ قرار' یہ سکون کہ عالی اس کے دل میں زندہ ہے' بھی تو اللہ ہی نے عطا کیا تھا۔

کیتھی کے گھر سے آنے کے اگلے روز سے ہی اس نے ملازمت کے لیے کوشش شروع کر دی تھی اور اسے ملازمت کے حصول میں بہت مشکل پیش بھی نہیں آئی تھی۔ ایک مہینے کے اندر اسے ملازمت مل گئی تھی۔

اس نے جاب جوائن بھی کر لی تھی۔ وہ اب بطور جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ایک اچھی فرم میں جاب کر رہی تھی۔ وہ اب اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں سب سے رابطے میں تھی۔ وہ اب دنیا میں زندہ لوگوں کی طرح زندہ تھی۔ وہ دنیا سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت نہیں بھاگ رہی تھی۔ وہ اپنا پورا دن دنیا کے ساتھ گزارتی تھی' وہ اپنی ہر رات عالی کی یادوں کے ساتھ گزارتی تھی۔

اس کے دن دنیا کے لیے تھے اور اس کی راتیں صرف عالی کے لیے تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام دن دنیا کو دے رہی تھی' وہ اپنی آنے والی تمام شبیں صرف عالی کو دینا چاہتی تھی۔ وہ ہر رات اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کی سوچوں میں' اس کی یادوں میں' اس کے دل میں' اس کی روح میں۔

رات کے وقت
میرے دل پہ
تیری یاد کا ہاتھ
اتنی نرمی سے اترتا ہے
کہ جیسے شبنم
اک چمکتی ہوئی
نورستہ کلی پہ اترے'

وہ کمرے کی کھڑکی کھول کر بستر پر لیٹ جاتی۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ ڈھونڈتی' اس پر نظریں جمائے جمائے وہ آنکھیں بند کر لیتی۔

"جب بھی میں بہت یاد آؤں' بس آسمان کی طرف دیکھنا' وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو' اسے دیکھنا۔ جب تم ایسا کرو گی نا تو مجھے پتا چل جائے گا۔ تم جس پل سچے دل سے مجھے پکارو گی' آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی' میں تمہارے پاس ہوں گا۔" اس کی آواز اس کے بالکل نزدیک سے ابھرتی۔ وہ بے ساختہ اس کا نام لیتی' اسے پکارتی۔

"عالی!" اور اس کی روح کا وہ دریچہ خود بخود کھل جاتا جو اسے آنکھیں بند کرنے پر عالی کو اپنے سامنے دکھاتا۔

پھر وہ ساری رات اپنے عالی سے جی بھر کے باتیں کرتی تھی' اسے اپنے دن بھر کی ہر ایک بات بتاتی تھی۔ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹے لیٹے۔ آنکھیں کھولتی نہیں تھی کہ

آنکھیں کھولنے پر پھر وہ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ رات میں بہت تھوڑی سی دیر کے لیے سوتی تھی اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے اس کی زندگی میں اس سے فون پر باتیں کرتے کرتے سو جاتی تھی۔ اگر اس کی آنکھ لگتی بھی تو اس سے باتیں کرتے کرتے۔

لوگ جس طرح سو کر تازہ دم ہوتے ہیں' وہ جاگ کر ہوتی تھی۔

اسے عالی کے مما' پاپا کے پاس جانا تھا وہ اس سے نفرت کرتے ہیں' وہ یقیناً "اس سے ملنا بھی پسند نہیں کریں گے' پھر وہ ان کے پاس جائے کس طرح' کیسے؟ وہ اسے اس کی اصلی پہچان' اصلی شناخت اور نام کے ساتھ تو شاید اپنے گیٹ ہی سے لوٹا دیں گے۔ اس سے ملنا بھی گوارا نہ کریں گے' پھر وہ کرے کیا؟

وہ عبداللہ سے ملتی تو اسے مما' پاپا کا اور بھی زیادہ خیال آتا' اس کا دل ان کے لیے اور بھی مضطرب ہو جاتا۔

carmel سے نیویارک واپس آجانے کے بعد اس پہلے اتوار کو وہ شام کے وقت بالکونی میں کھڑی تھی' جب اسے بالکونی سے بالکل واضح نظر آتا پارک دکھائی دیا' اور ساتھ ہی ایک بنچ پر بیٹھے عبداللہ۔ اس بنچ پر جس پر وہ انہیں پہلے بھی عباد کے ساتھ بیٹھا دیکھ چکی تھی۔

آج عبداللہ اکیلے بیٹھے تھے' وہ جو ہر اتوار کو اس بوڑھے کی تنہائی دور کرنے اس کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا' آج اس کے ساتھ نہ تھا۔ عبداللہ کو تنہا بنچ پر بیٹھا دیکھ کر اسے عالی کے مما' پپا کا سب سے پہلے خیال آیا۔ عباد' عبداللہ کے بچوں کی ان سے لاپروائی اور ان کی تنہائی پر کس قدر آزردہ ہوتا تھا۔ وہ کس طرح اپنی مصروفیات میں سے عبداللہ کو کمپنی دینے کے لیے وقت نکالتا تھا۔ وہ غیروں کی تکلیف پر اداس ہو جانے والا' وہ دوسرے بوڑھوں کی تنہائی کو دور کرنے کی کوشش کرنے والا' آج خود اس کے اپنے ماں' باپ کس قدر تنہا تھے۔ وہ محبتوں میں سر تا پاؤں ڈوبا جو غیروں کے لیے اتنا حساس تھا' آج اپنے ماں' باپ کی تنہائیوں اور آنسوؤں پر اس کی روح کیسے تڑپتی ہو گی۔

وہ بالکونی سے عبداللہ کو دیکھتا رہنے کے بجائے ان کے پاس پارک آگئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر اداسی سے مسکرائے تھے۔

"کیسی ہو پیاری لڑکی؟" وہ ان کے پاس اسی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں بہت بار آیا تمہارے پاس مگر...؟" ایک لمبا اداس بھرا تاثر ان کے چہرے پر آیا تھا۔ وہ اپنے آنے کے حوالے سے ذکر یقیناً "گزشتہ ان دنوں کا کر رہے تھے جب وہ صدمے سے نڈھال دیوانگی کی حالت میں تھی اور کسی سے بھی ملتی نہیں تھی۔

"تمہاری دوست کیتھی سے ملاقات ہوئی تھی میری' اسی نے دروازہ کھولا تھا۔ بتایا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں... آپ کیسے ہیں؟"

"بہت دکھی۔ میرے کسی سگے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہوتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جیسا اس کا ہو رہا ہے۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں تھا' مگر میرے لیے وہ میرا بیٹا تھا' میرے سگے بیٹوں سے زیادہ سگا' زیادہ اپنا۔" عبداللہ کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"یہ اس کے جانے کی عمر نہیں تھی۔ اسے ابھی بہت سال زندہ رہنا چاہیے تھا۔" وہ غیر شخص جوان کا کچھ نہیں لگتا تھا' اس کے لیے آنسو بہا رہے تھے۔ پارک کے دوسرے کونے میں فٹ بال کھیلتے بچوں نے اپنا کھیل روک دیا تھا' وہ ہنیہ کو بغور دیکھتے آپس میں کچھ بات کر رہے تھے۔ پھر جیسے آپس میں کچھ فیصلہ کرتے' وہ سب کے سب اس کے پاس چلے آئے۔

"آپ عالی کی گرل فرینڈ ہیں نا؟ وہ جو ایک دفعہ پہلے بھی پارک آئی تھیں۔"

ان میں سے ذرا زیادہ پر اعتماد قسم کے بچے نے اس سے آگے بڑھ کر معصومانہ انداز میں پوچھا۔ اس نے کھڑے کھڑے انداز میں "عالی" کہا تھا۔ وہ ان بچوں کو پہچان نہیں پائی تھی مگر وہ اسے پہچان گئے تھے۔

"ہم نے بعد میں عالی سے پوچھا تھا تو اس نے بتایا تھا آپ اس کی گرل فرینڈ ہیں' اور وہ آپ سے جلدی شادی کرنے والا ہے۔" آٹھ سال کے اس بچے کی معصومانہ بے ساختگی اور اعتماد اس کے لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں اشک لے آیا۔ وہ آٹھ دس سال کے سارے بچے اس کے عالی کے دوست تھے۔

"عالی بہت اچھا تھا۔ ہم اسے بہت مس کرتے ہیں۔"

"عالی! یہ معصوم پھول سے بچے تمہیں اپنا دوست کہہ رہے ہیں تو مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ اور عالی اب جب تک میں نیویارک میں ہوں' جس طرح تم عبداللہ کی تنہائی سے ان کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے ایسا ہی میں کیا کروں گی۔"

اور وہ واقعی اگلے اتوار عبداللہ کے پاس پارک میں موجود تھی۔ وہ آفس جاتے' آتے عبداللہ کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک کر ان کی خیریت بھی پوچھ لیا کرتی تھی۔ وہاں اس ملک میں جہاں بوڑھوں کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے اپارٹمنٹ یا گھر میں تنہا زندگی گزارتے کسی بوڑھے مرد یا عورت کو مرے کئی کئی دن ہو جاتے اور باہر کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ اندر ان کی لاشیں کئی کئی دن پڑی رہتیں۔ عبداللہ کو ایسی موت سے بہت خوف آتا تھا۔ انہوں نے عباد سے درخواست کی تھی کہ وہ روز ان کے اپارٹمنٹ کا ایک چکر لگا لیا کرے' عباد یہ کام پابندی سے کر رہا تھا اور اب وہ ایسا کر رہی تھی۔

جو کام کرتے کرتے عالی رخصت ہوا تھا' وہ اس کے بعد اس کام کو اب باقاعدگی سے انجام دے رہی تھی۔ وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اس معمول کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔

وہ عبداللہ سے اس پہلی اتوار پارک میں ملنے کے بعد واپس گھر میں آئی تو کمرے میں آتے ہی اس کے قدم خود بخود ہی اس My family (میرا خاندان) والی تصویر کے سامنے رک گئے۔ وہ اس تصویر میں عباد کو دیکھ رہی تھی۔

"آج میں عبداللہ سے ملی' جیسے تم ان سے ملتے تھے' بالکل اسی طرح۔ اب سے میں ان سے اسی طرح پابندی سے ملا کروں گی جیسے تم ملتے تھے۔ جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے' میں ان سب کو پورا کروں گی۔"

"عالی! تمہاری اس My family کے الفاظ سے جگمگاتی تصویر کو ایک روز تمہارے گھر میں ضرور لگاؤں گی۔ میں تمہاری فیملی کا حصہ بنوں گی۔ پاپا مجھے اپنی بہو مانیں گے۔ اپنی بیوہ بہو!" اس نے پہلی بار اپنے لیے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ مگر روتے ہوئے نہیں بلکہ خود اعتمادی کے ساتھ۔

☼ ☼ ☼

اس روز اتوار کا دن تھا۔ عبداللہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' وہ آج پارک نہ آسکے تھے۔ وہ ان سے ان کے اپارٹمنٹ جا کر مل کر اور کچھ وقت ان کے پاس بیٹھ کر گھر واپس آئی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ "ہیلو۔ ہنیہ! میں عدیل ہوں۔" اس کے ہیلو کے جواب میں عدیل سفیان بولا۔

"کیسے ہو عدیل؟"

"ٹھیک۔ تم کیسی ہو؟" عالی کے یونیورسٹی کے بہت دوست اس کے پاس تعزیت کے لیے آئے تھے۔ اس کے دوستوں' اساتذہ اور کولیگز کے بے شمار Condolence کارڈز' خطوط اور پیغامات اسے موصول ہوئے تھے' مگر عدیل سفیان اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ عالی کا عزیز ترین دوست اس کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں کی بھیڑ میں کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اس کا سب سے گہرا' سب سے خاص' سب سے قریبی دوست آج اتنے مہینوں بعد اپنے دوست کی بیوہ سے رابطہ کر رہا تھا۔

"میں نیویارک آیا ہوا ہوں ہنیہ! تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

"آج ہی آجاؤ۔ میں گھر پر ہی ہوں۔"

"نہیں گھر پر نہیں۔ کہیں باہر۔ پلیز۔ میں وہاں آنہ سکوں گا۔" عدیل بے بس سے لہجے میں بولا۔ اس بات کے بعد اس نے مزید اصرار نہ کیا۔ اس سے ایک گھنٹے بعد ملنے کا وقت طے کر کے فون بند کر دیا۔

وہ ریسٹورنٹ پہنچی تو عدیل وہاں پہلے سے موجود تھا۔

"سوری' مجھے تمہیں اس طرح یہاں بلانا پڑا۔ میں کل سے نیویارک آیا ہوا ہوں اور کئی بار اپنے ہوٹل سے نکل کر تمہارے گھر آنے کی کوشش کی' مگر میری ہمت نہیں ہوئی۔ میں وہاں کیسے جا پاؤں گا۔ عالی میرے لیے دروازہ نہیں کھولے گا۔ "آبے سالے تو پھر آگیا۔" کہہ کر مجھے دو' چار گالیاں نہیں دے گا' ساتھ ہی مجھے گلے نہیں لگائے گا' میں کیسے....."

وہ اپنے لب کاٹتا خاموش ہو گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے اپنی نظریں میز پر جما دی تھیں تاکہ ہنیہ اس کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو دیکھ نہ پائے۔ اس نے گلاس میں پانی ڈال کر عدیل کی طرف بڑھایا۔ پانی کے چند گھونٹ لے کر عدیل نے خود پر قابو پایا۔

"آئم سوری ہنیہ! مجھے پتا ہے' تم خود کو بہت مشکل سے سنبھال پائی ہو۔" عدیل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' اپنی جذباتی کیفیت پر اس سے معذرت کی۔

"اسے اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا' یہ اس کے

جانے کا وقت تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی ایسی وحشت سوار ہوتی ہے، دل چاہتا ہے کہیں سے کوئی آکر یہ کہہ دے عالی زندہ ہے۔

"وہ زندہ ہے عدیل! ہماری یادوں میں۔ ہمارے دل میں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ چند لمحے ان دونوں کے بیچ بالکل خاموشی میں گزر گئے تھے۔

"مجھے تم لوگوں کی شادی کا اس کے جانے کے بعد پتا چلا۔"

ان کی شادی اور عالی کا انتقال دونوں واقعات ہوئے ہی اتنے "آنا" "فانا" اور آگے پیچھے تھے کہ اس کے اور عباد کے بہت سے دوستوں کو ان کی شادی کی خبر اس کی موت کی خبر کے ساتھ ملی تھی۔

"عالی کو موقع نہیں ملا عدیل! ورنہ وہ تمہیں ہماری شادی کی اطلاع فوراً" خود دیتا۔" وہ اسے آہستہ آواز میں ان کی شادی کے آنا "فانا" ہونے کی وجوہات بتارہی تھی۔

"مجھے یہ اطلاع انکل سے ملی۔"

"تم پاپا سے ملے؟" اس نے فوراً" بے ساختہ پوچھا۔

عدیل نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں پاکستان گیا تھا۔ میں جو خود کو اس کا دوست کہتا تھا، تو پھر عالی کا یہ حق تھا کہ میں اسے آخری بار الوداع کہنے جاتا۔ میں نے اسے کندھا دیا تھا، میں نے اسے قبر میں اتارا تھا۔ میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔" عدیل کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو گر رہے تھے۔

"میں اس سے آخری بار تب ہی ملا تھا جب اس نے تمہیں بھی ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ مجھے سارا وقت کام چور اور پھوہڑ کہتا رہا تھا۔ میں اس کے گھر مفت خوروں کی طرح آکر پڑ جاتا ہوں اور پھر کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا، یہ طعنے دیتا رہا تھا، ایک بار بھی تو اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس بار وہ مجھ سے آخری بار مل رہا ہے۔ میں اب نیویارک آؤں گا تو اس گھر کی طرف جانے کے لیے میرے قدم نہ اٹھ سکیں گے۔ وہاں مجھے گالیاں دے کر گلے لگانے والا کوئی نہ ہوگا۔"

عالی کی آخری رسومات، اس کی تدفین، وہ کس جگہ سو رہا تھا، اسے کس طرح رخصت کیا گیا تھا، وہ سب وہ آج عدیل سے سن رہی تھی۔ حوصلے اور ہمت کے ساتھ۔ صرف کسی کسی وقت بے اختیاری کیفیت میں اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑتے، ورنہ وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"مما، پاپا؟ عدیل! عالی کے مما، پاپا کا کیا حال ہوا تھا؟ وہ اب کیسے ہیں؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ اس سوال کا جواب وہ جانتی تھی پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

"آنٹی، انکل کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی ہنیہ! میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ میں، تم، ہم سب عالی کے بغیر زندگی گزار لیں گے، مگر ان دونوں کے لیے تو زندگی حقیقت میں ختم ہو چکی ہے۔ وہ دونوں مردوں کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ عالی انہیں بے زار کر کے گیا۔ وہ دونوں نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ آنٹی کئی مہینے اسپتال میں ایڈمٹ رہیں، انہیں ہوش ہی نہیں آتا تھا۔ انکل کو دو مہینے پہلے بہت severe ہارٹ اٹیک ہوا۔ میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ انہیں فون کرکے ان کی خیریت ہی معلوم کرلوں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں دو مرے ہوئے لوگوں سے بات کر رہا ہوں۔ آنٹی میری آواز سن کر بری طرح رونے لگتی ہیں اور انکل بالکل چپ ہو جاتے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا کاش میں ان کے لیے کچھ کرپاتا۔ کاش ان کی کوئی ایک اولاد اور ہوتی۔ عالی کا بھائی، بہن ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی آس، کوئی امید کچھ تو بچا ہوتا۔"

"میں بنوں گی ان کی آس، میں بنوں گی ان کی امید، میں بنوں گی ان کی بیٹی، تم دیکھنا عدیل! میں انہیں کبھی تنہا نہیں رہنے دوں گی۔"

اس کے دل سے بے اختیار صدا نکلی۔ وہ دونوں چپ ہوگئے۔

"انکل کا میرے پاس فون آیا تھا ہنیہ!" عدیل کی آواز اسے اس کی سوچوں سے باہر کھینچ لائی۔ "وہ عدیل کا سامان پاکستان منگوانا چاہتے ہیں۔ ان میں خود اتنی سکت اور طاقت نہیں کہ اپنے مرحوم بیٹے کے گھر آکر اس کا سامان، اس کی یادیں اکٹھی کر سکیں۔" عدیل نے سنجیدگی سے اسے بتایا۔

"انہوں نے میرا پوچھا تھا؟ انہیں پتا ہے میں اب بھی عالی کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہوں؟" عباد دبئی روانہ ہونے سے پہلے اپنی لینڈ لیڈی کو اپنے اپارٹمنٹ کا اگلے ایک سال کا ایڈوانس کرایہ ادا کر گیا تھا۔ یہ ایک سال پورا ہو جاتا اس کا تب بھی اس اپارٹمنٹ کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اسی جگہ رہنا چاہتی تھی۔

"انہوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میرے ہی منہ سے یہ بات نکلی تھی کہ تم عالی کے اپارٹمنٹ میں اب بھی رہ رہی ہو۔ میں نے اس دوران ہمت کرکے ایک بار تمہیں فون کیا تھا۔ مگر میری نام کی کسی عورت سے میری بات ہوئی تھی، اس نے کہا تھا کہ تم کسی سے بھی بات نہیں کر رہیں، اسی سے مجھے یہ پتا چلا تھا کہ تم ابھی عالی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہو۔"

اس کی اور عالی کی شادی کی پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔

"میں عالی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہوں، پاپا اس بات پر کچھ بولے تھے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔" عدیل نے "نہیں" فوراً" کہا، پھر کچھ جھجکتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"انہوں نے میری بات پوری سنی بھی نہیں تھی۔ تمہارا ذکر آتے ہی انہوں نے میری بات کاٹ کر یہ کہا تھا کہ وہ عالی کا سامان پاکستان واپس منگوانا چاہتے ہیں اور یہ کام وہ میرے سپرد کر رہے ہیں۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتے ہنیہ! انہوں نے تمہاری اور عالی کی شادی کو accept نہیں کیا۔"

عدیل نے شرمندگی سے اس سے نظریں چرائی تھیں۔ وہ اس سے نگاہیں چراتا، شرمندہ سا ہوتا اسے اس کی اور عالی کی شادی کی عالی کے پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔ اسے اب عدیل کے نیویارک آنے اور ملنے کا مقصد سمجھ میں آیا تھا۔ عالی کے پاپا نے عالی کا سامان واپس پاکستان پہنچانے کی ذمہ داری اس کے سب سے گہرے دوست کو سونپی تھی، اگر یہ وجہ درمیان میں نہ ہوتی تو شاید اب بھی عدیل سفیان خود میں نیویارک آنے کی ہمت پیدا نہ کر پاتا۔ محبت بھی کسی توانا مرد کو کتنا کمزور بنا دیتی ہے، جیسے عدیل سفیان! اور کبھی کسی کمزور لڑکی کو اتنا مضبوط بنا دیتی ہے جیسے ہنیہ سجاد، وہ نیویارک گئے، دوست کے گھر جانے، اس کی بیوہ بیوی سے ملنے کی ہمت خود میں نہ پاتا تھا اور وہ دن، رات اسی گھر میں اس کی یادوں کو سینے سے لگائے پورے حوصلے اور ہمت سے رہ رہی تھی۔ عدیل اس سے شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر اس کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ عالی کی کوئی چیز، کوئی یاد خود سے جدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اس کی کتابیں، یہ اس کے کپڑے، یہ اس کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی اشیاء، ان سب میں اس کا لمس تھا، مگر اب وہ انہیں سب چیزوں کو اکٹھا کر رہی تھی۔ اس سے بھی زیادہ عالی کی ان یادوں پر، اس کی استعمال کردہ ان اشیاء پر اس کے والدین کا حق تھا۔ عالی نے فرنشڈ اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھا تھا، اس لیے فرنیچر تو سارا یہیں رہنا تھا۔ باقی وہ اس کی تمام اشیاء سمیٹ رہی تھی۔

اس نے اس کی الماری سے اس کے سارے کپڑے، جوتے ایک ایک چیز نکالی۔ باتھ روم سے اس کا شیونگ کا سامان، ڈریسنگ ٹیبل سے اس کے ہیئر برش اور دیگر اشیاء، اس کی کتابیں، فائلیں، لیپ ٹاپ، PC اس کی تصویریں، اس نے دیواروں پر سے بھی تمام تصویریں اتار کر کارٹن میں رکھ دی تھیں۔ اس نے صرف وہ چیزیں اپنے پاس روک لی تھیں جن میں وہ بھی کہیں آرہی تھی۔ اس نے اس کی تصویروں میں سے وہ تمام تصویریں نکال لی تھیں جن میں وہ بھی تھی۔

عباد کی I.m crazy adout u والی ٹی شرٹ، اس کے وہ دو، تین ٹراؤزرز اور ٹی شرٹس جو بطور سلیپنگ سوٹ اس نے carmel میں پہنے تھے وہ اور اپنے بیڈ روم میں لگی My family والی تصویر، ان چند اشیاء کی بے ایمانی کے سوا اس نے چن چن کر اس کی ہر یاد اس کے مما، پاپا کے لیے سمیٹ کر کارٹنز میں بند کر دی تھی۔

دنیا کے کسی بھی دوسرے فرد کے لیے وہ اشیاء بے کار اور فضول ہو سکتی تھیں، مگر اسے معلوم تھا، ان ماں، باپ کے لیے وہ استعمال شدہ اشیاء ان کی سب سے قیمتی متاع ہوں گی۔ اس نے پوری رات اور اگلا پورا دن لگ کر عباد کا سارا سامان سمیٹ دیا تھا۔ عدیل اگلی شام آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے اس جگہ رکا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس کے چائے، کافی، ڈنر کرکے جانا کی ہر دعوت اس نے رد کر دی تھی۔

"میں رک نہیں پاؤں گا ہنیہ! کچھ دنوں بعد شاید خود میں ہمت پیدا کرپاؤں، پھر آؤں گا تم سے ملنے۔" وہ اسے دروازے پر رخصت کرنے آئی تھی۔

"ضرور آنا۔ میں کچھ دنوں میں شاید واپس اپنے گھر شفٹ ہو جاؤں گی' وہاں آنا مجھ سے ملنے۔"

وہ آگے کیا کرنے والی تھی' ابھی اس کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا' مگر کل عدیل سے ملنے کے بعد اتنا اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ عباد کا اپارٹمنٹ چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلی جائے۔ وہ چاہتی تھی عدیل کے ذریعے یہ پیغام کسی نہ کسی انداز میں عباد کے پاپا تک پہنچ جائے کہ جس لڑکی سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی نئے سرے سے عباد کے بغیر پھر شروع کر دی ہے۔ بلکہ جس مٹی سے اس کا تعلق ہے اس کی تاثیر کو سامنے رکھتے تو وہ اب تک ان کے بیٹے کو بھول بھال کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہوگی' کسی اور کو ان کے بیٹے کی جگہ دے کر اب اس کے ساتھ اپنے روز و شب خوشیوں سے لبریز گزار رہی ہوگی۔ وہ جب بھی پاکستان جائے گی اور جس بھی طرح ان سے ملے گی اتنا تو طے تھا کہ وہ اپنی اصل حیثیت اور اصل پہچان کے ساتھ ان سے نہیں ملے گی۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ سمجھیں جس لڑکی سے عباد نے شادی کی تھی وہ عباد کو بھلا کر اپنی زندگی پھر شروع کر چکی ہے' شاید اپنے لیے کسی اور کو ڈھونڈ بھی چکی ہے' تاکہ جب وہ پاکستان جائے تو انہیں ہلکا سا بھی شک نہ ہو کہ بنیہ سجاد وہی لڑکی ہے۔ جس سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔

"بہت اچھا کرو گی بنیہ۔ میں خود تم سے یہی کہنا چاہتا تھا' مگر کہا نہیں' جانے تم کیا سوچو۔" عدیل نے اس کی شفٹنگ کی بات کے جواب میں کہا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو بنیہ! اپنا خیال رکھو۔ زندگی میں ابھی یقیناً" تمہارے لیے بہت سی خوشیاں ہوں گی' جو تمہیں ضرور ملیں گی۔" عدیل خلوص دل سے بولا تھا' اس نے مسکرا کر عدیل کی بات پر سر ہلایا۔ اس کا اور عدیل سفیان کا آپس میں رشتہ یہ تھا کہ وہ دونوں عباد عذیر سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ وہ دونوں آنکھوں میں نمی لیے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

وہ اپنے اور ماما جانی کے گھر واپس آگئی تھی۔ وہ اب وہیں رہ رہی تھی۔ مگر یہ بات اس نے سب سے چھپا کر رکھی تھی کہ عالی کا گھر بھی اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ پہلے عالی اس اپارٹمنٹ کا کرایہ دار تھا' اب وہ وہاں کا باقاعدہ کرایہ ادا کر رہی تھی۔ اس کا اپنا اور عالی کا جو سامان رہتا تھا' وہ سب وہاں اسی طرح موجود تھا۔ اس گھر کی سیٹنگ میں کوئی ردوبدل نہ ہوا تھا۔

وہ کسی کے بھی علم میں لائے بغیر روز آفس جاتے یا وہاں سے واپس آتے بالکل خاموشی سے کچھ وقت وہاں گزارا کرتی تھی۔ سوائے عبداللہ کے' جن سے وہاں جا کر وہ ضرور ملا کرتی تھی' کسی کو بھی اس کے اس معمول کا پتا نہیں تھا۔ عالی کو گئے ایک سال ہو رہا تھا اور وہ اب تک ممی' پاپا کے پاس نہیں گئی تھی۔ اسے کوئی راستہ ہی سجھائی نہ دیتا تھا۔ آخر وہ کرے تو کیا کرے؟

عباد کی برسی کے روز اس کے یونیورسٹی کے تمام دوستوں نے اسے فون کیے تھے' یا ای میلز بھیجی تھیں' یا یاد دلاتے کارڈز ارسال کیے تھے کہ عباد آج بھی ان کی یادوں میں زندہ ہے۔ اس کے سب دوست MS کر کے اپنے اپنے پروفیشنز اور کیریئرز میں مصروف ہو چکے تھے' اس امریکی معاشرے میں جہاں ہر ایک کو اپنی پڑی ہوتی ہے اور کسی کے پاس کسی کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا' عباد کے دوستوں کا اسے اس طرح یاد رکھنا بہت بڑی بات تھی۔

اس روز اس کی حالت عجیب تھی۔ دل کا درد جس پل حد سے بڑھنے لگتا اسے فوراً "ممی' پاپا کا دھیان آتا' آج ان دونوں کی کیا حالت ہوگی۔ وہ بے چین ہو اٹھتی۔

"مجھے پتا ہے تم ممی' پاپا کے لیے بے چین ہو۔ مگر میں کیا کروں عالی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پاپا کے پاس کس طرح جاؤں؟ کیا کہہ کر' کس حیثیت میں ان سے اپنا تعارف کرواؤں؟ جو میرا اصل تعارف ہے اسے جان کر تو وہ مجھ سے ملنے ہی سے انکار کر دیں گے۔ مجھے اپنے گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اپنے بستر پر لیٹی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں وہ پہلی ملاقات ہی میں بہت پسند کرنے لگیں گے۔ تم ان کے معیار کے مطابق ہو۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں تو وہ تمہیں دل و جان سے پسند کرتے اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کر ہی رہا تھا تو وہ لڑکی بنیہ جیسی ہوتی۔"

"انہیں ذہین' پر اعتماد' اعلا تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسہ رکھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی ڈگری کی وجہ سے کریں گے۔ یار! انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی خوب بنتی ہے۔"

اس کی سماعتوں میں اس کی ہنستی مسکراتی زندگی سے بھرپور آواز گونج رہی تھی۔ انجینئرنگ کی ڈگری۔ پروفیشن' [illegible] ایسوسی ایٹس' اس کے ذہن کی سب بند گرہیں ایک ایک کھل گئی تھیں۔ اسے راستہ سجھائی دے گیا تھا۔ عالی نے اسے راستہ دکھا دیا تھا۔

"ہمیشہ میرے ناز نخرے اٹھاتے رہے ہو تو آج میری مدد کیوں نہ آتے۔ تھینک یو عالی!"

[illegible] فاروق' اور ہاجرہ عزیز سے کس حیثیت میں اور کس طرح ملنے والی تھی' عباد نے اسے یک دم ہی سمجھا دیا۔ حیرت ہے اتنی آسان سی بات اب تک اس نے سوچی نہ تھی۔ وہ اپنی اصلیت ان کے سامنے چھپا کر جانا چاہتی تھی اور یہ کام تو بہت ہی آسان تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عباد کے پاپا اس کے متعلق کچھ اور تو کیا اس کا نام تک نہیں جانتے تھے۔

اس کے پاپا نے تو کبھی عباد کو بنیہ کے متعلق بات کرنے ہی نہیں دی تھی۔ اور اپنی ماما سے بھی عباد نے اگر کبھی اس کا نام لے کر کوئی بات کی ہوگی تو یقیناً" روانی میں [illegible] ہی بولا ہوگا۔ [illegible] ختم ہے۔ اور اگر بھی بنیہ نام اس کے لبوں سے نکلا بھی ہوگا تو اتنے بڑے سانحے اور صدمے سے گزرنے کے بعد اس کی ماما کے ذہن سے یہ نام مکمل طور پر محو ہو چکا ہوگا۔

اس کے ممی' پاپا کے علم میں تو یہ تک نہ تھا کہ وہ ایک انجینئر ہے' عباد سے اس کی یونیورسٹی میں ملی تھی' یا یہ کہ وہ نیویارک ہی میں رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق کبھی کچھ جاننا نہ چاہا تھا' عباد کو اس کے متعلق کبھی بتانے کا موقع نہ دیا تھا اور ان دونوں کی یہ لاعلمی اور [illegible] اب اس کے لیے بہت بڑی نعمت بننے والی تھی۔

اس ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"جو میں کرنے جا رہی ہوں' وہ ٹھیک ہے نا عالی؟" وہ آنکھیں بند کیے اس کے مسکراتے چہرے کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے دیکھتے غنودگی میں جا رہی تھی۔ "میں کامیاب ہو جاؤں گی نا عالی؟" عالی اس کی بند آنکھوں کے سامنے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

جس نے سنا' وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ بنیہ پاکستان جا رہی تھی' یہاں اپنی اتنی اچھی جاب' اتنا شان دار کیریئر چھوڑ کر؟ اور سب ہی نے اپنے اپنے طور پر اسے سمجھایا تھا۔ اس کے دوست' اس کے کولیگز' اس کے سینئرز' اس کے فرم کے CEO' اس کے بھائی' بہن۔ یمینہ تو باقاعدہ فون پر اس پر چلائی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو بنیہ؟ یہاں اپنی سیٹل لائف' اتنی شان دار جاب' اتنے نمایاں کیریئر سب کو لات مار کر وہاں جاؤ گی اس پسماندہ ملک میں؟ چار دن میں تمہاری عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ خدا کے لیے ایسی جذباتی حماقت مت کرو۔ جب عباد نہیں رہا تو اس کے ماں' باپ سے تمہارا کیا لینا دینا ہے؟"

اس کی بہن اس کی حماقتوں پر غصے سے کھول رہی تھی۔ وہ جواباً" بردباری سے مسکرائی اور آہستگی سے بولی۔

"تم نہیں سمجھو گی مائی ڈیئر سسٹر! یہ دل کی باتیں ہیں' یہ دل کے رشتے ہیں۔"

"اپنی انہیں جذباتی اور احمقانہ سوچوں کی وجہ سے آج اس حال میں ہو' تنہا ہو۔ کاش تمہارے پاس تھوڑی سی عقل ہوتی۔ یہ نیویارک کی جس شان دار فرم میں تمہیں خوش قسمتی سے جاب مل گئی ہے نا' اچھے اچھے وہاں جاب پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ تم سب چھوڑ چھاڑ کر وہاں اس ملک میں جاؤ گی جس سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ فار گاڈ سیک ہوش کے ناخن لو۔ زندگی میں آگے کی طرف دیکھو۔ دنیا سے چلے جانے والوں کا سوگ کب تک مناتی رہو گی' ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ لوگوں سے ملو جلو' باہر نکلو' کوئی کولیگ ڈنر وغیرہ پر لے جانا چاہے تو چلی جاؤ۔ تم میں کمی کس چیز کی ہے' تمہیں تو آج بھی عباد سے کہیں اچھا کوئی بھی لڑکا مل سکتا ہے۔"

یمینہ سے الجھنے یا بحث کرنے کے بجائے اس نے فون پر خاموشی سے اس کا طویل لیکچر سن لیا تھا۔ یمینہ کی طرح سخت الفاظ اور ڈانٹ پھٹکار کر نہیں مگر سمجھایا تو اسے ہر ایک نے تھا۔ سوائے کیتھی کی ایک واحد وہ تھی جس نے اس سے پہلی بار یہ سننے پر کہ وہ پاکستان جا رہی ہے ہمیشہ کے لیے' دوسرے لوگوں کی طرح حیرت سے منہ نہیں کھولا تھا' اسے پاگل اور احمق قرار نہیں دیا تھا۔ اس کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ بہت پہلے سے جانتی تھی کہ آج نہیں تو کل ہنیہ نے پاکستان جانے کا فیصلہ کرنا ہی تھا۔

اس کا استعفیٰ اس کے سی ای او نے قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا دعوا تھا کہ وہ چند مہینوں بعد واپس آجائے گی اور پھر اتنی اچھی جاب چھوڑ دینے پر یقیناً پچھتائے گی بھی۔ اس کے ساتھ خصوصی سلوک کرتے وہ اسے یہ رعایت دے رہے تھے کہ چند مہینوں بعد اپنے اس ایڈونچر سے فارغ ہو کر جب وہ نیویارک واپس آئے گی تو اپنی جاب پر واپس آسکتی ہے۔

اس نے کوئی جوابی دعوا نہیں کیا تھا۔ اس سے جو کوئی بھی یہ بات کہتا وہ جواباً خاموشی سے مسکرا دیتی تھی۔ وہ نیویارک میں اپنی جمی جمائی ساری زندگی ختم کرکے جا رہی تھی۔

اس نے اپنا سارا سامان فروخت کر دیا تھا۔ پینٹ ہاؤس سے چونکہ ماما جانی' ممی اور پاپا کی یادیں جڑی تھیں' اس لیے اسے فروخت کرنے کے بجائے کرائے پر دے دیا تھا۔

اپنے سارے معاملات' لین دین' حساب کتاب سب اس نے اس طرح نمٹائے تھے جیسے کسی جگہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے اور کہیں اور آباد ہونے کا ارادہ رکھنے والے کیا کرتے ہیں۔ اپنے بھائی' بہن' دوستوں' کولیگز' عباد کے دوست' خصوصاً" ڈاکٹر اینڈریو' عبداللہ اور پارک میں کھیلنے والے بچے اس نے فرداً" فرداً" ہر ایک کو الوداع کہہ دیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہا تھا۔ وہ عباد کے والدین کے پاس پاکستان جا رہی ہے' ان کی تنہائی مٹانے' ان کا درد بانٹنے' یہ جاننے کے بعد عبداللہ بولے تھے۔

"عباد نے زندگی میں اتنی نیکیاں کمائی تھیں' پھر اس کے والدین تنہا ہو بھی کیسے سکتے تھے؟"

عباد کا جو سامان اس نے اپنے پاس روک لیا تھا' اس سب کو اپنے ساتھ پیک کر کے وہ پاکستان لے جا رہی تھی۔ اپنے ماموں' ممانی کے پاس' جن سے ممی کے انتقال کے بعد سے اب پچھلے کئی سالوں سے کبھی کبھار کی فون کال یا ای میل بس اس حد تک رابطہ تھا' اس نے انہیں اپنے پاکستان آنے کی درست وجہ سے آگاہ بھی نہ کیا تھا۔ اس نے اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا ان سے ذکر کیا تھا' وہ ماما کے بعد نیویارک میں خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہے اور اپنا ماحول کچھ عرصے کے لیے بدلنا چاہتی ہے۔

"عالی! میں پاکستان آ رہی ہوں۔" وہ اس آخری عباد کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے بیڈ پر سونے لیٹی ہوئی وہ بھی کی بات تھی جب اسے پاکستان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اب پاکستان اس کے لیے دنیا کے کسی بھی کسی بھی ملک سے بڑھ کر اہم تھا۔ وہاں اس ملک کی مٹی میں اس کا عالی سو رہا تھا۔ عالی اسے وہاں بلا رہا تھا۔ وہ عالی کے مما' پاپا کے پاس جا رہی تھی۔

آپ کسی سے اتنی محبت کریں کہ آپ خود' خود نہ رہیں وہی بن جائیں۔ اسے ایسا لگتا تھا' وہ ہنیہ نہیں رہی' وہ عالی بن گئی ہے۔ وہ ہنیہ نہیں وہ عباد بن کر اس کے مما' پاپا کے پاس جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کیتھی اسے ایئرپورٹ چھوڑنے آئی تھی۔ اسے ایئرپورٹ پر خدا حافظ کہنے سے وحشت ہوتی تھی۔ آخری بار عباد کو ایئرپورٹ پر رخصت کرنے آئی تھی' اس کی کیفیات کو اس کے سے بہتر سمجھ رہی تھی۔ تھا جس ایک مقام کو وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہی تھی' اس جگہ کھڑے ہو کر اس نے آخری بار عباد کو دیکھا تھا۔ رخصت ہونے کا وقت آگیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔" اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کیتھی نے کہا۔

"میں واپس نہیں آؤں گی کیتھی! مما' پاپا ایکسیپٹ (قبول) کریں یا نہیں مگر میں اب ہمیشہ پاکستان میں رہوں گی۔ میں یہاں واپس نہیں آؤں گی۔" وہ بات اس نے کسی سے نہ کہی تھی' دوست کو بتائی۔

"مجھے پتا ہے۔ تم نہ بھی بتاتیں' میں تب بھی جانتی ہوں۔" کیتھی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"مجھے کوئی نصیحت نہیں کرو گی۔ میں غلطی کر رہی ہوں' میں پچھتاؤں گی یا کچھ اور؟" اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔ اس کے جانے کی بات پر اب تک ایک بار بھی کیتھی نے اچھے برے کوئی بھی کمنٹس نہیں دیے تھے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں گواہ ہوں تمہاری اور عالی کی محبت کی۔ اس محبت کی سچائی اور گہرائی میں نے دیکھی ہیں اور جہاں محبت اتنی شدید اور اتنی سچی ہوتی ہے تو پھر وہاں زندگی بھر کے فیصلے بھی اسی دل پر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔"

کیتھی اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو۔

"ہنیہ! بہت یاد آؤ گی۔" اس نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگایا تھا۔ وہ رو پڑی تھی۔

"کیا تم مجھ سے ملنے پاکستان نہیں آؤ گی؟" اس کے گلے سے لگے لگے اس نے رندھے لہجے میں پوچھا۔

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں تمہیں آنا ہوگا۔ تم اور مائیک دونوں۔" دونوں اسی طرح گلے لگی ہوئی تھیں۔

"ہنیہ! یہ جگہ' نہیں' درست موقع نہیں مگر پتا نہیں پھر بھی موقع ملے نہ ملے۔ میں آج تک تم سے بھی اس کے جانے کا افسوس نہیں کر سکی ہنیہ! میری ہمت نہیں ہوتی تھی کہ تم سے کچھ کہہ سکوں۔ میرا دل روتا ہے تمہارے اور عالی کے لیے۔ کاش میرے بس میں ہوتا' میں تمہارے لیے کہیں سے بھی اسے ڈھونڈ لاتی۔" اور وہ ہنیہ عباد بہادری سے مسکرا کر اپنی دوست کے آنسو صاف کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے جانے کے پورے ایک سال اور ایک مہینے بعد اس مٹی پر اپنے قدم رکھ رہی تھی جس نے اپنے اندر اس کے عالی کو سمیٹا ہوا تھا۔ "عالی! میں مما' پاپا کے پاس آگئی۔ وہ مجھے اپنائیں یا نہیں میں انہیں اپنا چکی ہوں اور یہ میرا وعدہ ہے' میں انہیں تنہا چھوڑ کر اب یہاں سے کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ اب میری زندگی مما' پاپا سے وابستہ ہے۔"

وہ کئی سال پہلے اپنے کزن کی شادی میں کراچی آئی تھی۔ وہ ابھی یہاں کی ہر چیز سے ناواقف تھی۔ اس نے انٹرنیٹ پر فاروق ایسوسی ایٹس کے متعلق معلومات' ان کے انجام دیے اور زیر تکمیل پروجیکٹس کی تفصیلات اور ساتھ ہی کراچی کے ماحول' رہن سہن کے طور طریقوں اور راستوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اپنے ماموں' ممانی جن سے اس کی پہلے کبھی بہت قربت نہ رہی تھی' انہیں اپنے آنے کا اصل مقصد اس نے نہ بتایا تھا مگر ان سے اس کی دوستی "فوراً" ہو گئی تھی۔

اس نے ہجرت کی تھی۔ وہ اپنا ملک اور اپنا رہن سہن چھوڑ کر ایک نئے ماحول اور نئی جگہ پر خود کو ایڈجسٹ کرلینے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔

وہ پوری تیاری اور بھرپور اعتماد کے ساتھ عذیر فاروق کے سامنے جانا چاہتی تھی۔ وہ صرف اپنی کامیابی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ ہارنے نہیں جیتنے آئی ہے' وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے دلوں کو جیتنے آئی ہے۔ وہ ہارے گی نہیں۔ وہ ہار گئی تو عباد ہار جائے گا' اور وہ عباد کو ہارنے نہیں دے گی۔

اپنی کراچی آمد کے بیس روز بعد وہ فاروق ایسوسی ایٹس جا رہی تھی۔ پچھلی پوری رات اس نے سوتے جاگتے عباد کے تصور سے باتیں کرتے گزاری تھی۔ تصور میں آتے عباد کی یقین بھری مسکراہٹ اسے اعتماد دلا رہی تھی کہ وہ ہارے گی نہیں' وہ جیت کر واپس آئے گی۔

اس نے عباد کا بوسٹن سے لایا گفٹ میں دیا گرین سوٹ اپنے پہننے کے لیے منتخب کیا تھا۔ ایمبرائڈری ہوا لائٹ گرین شرٹ ڈوپٹہ اور ڈارک گرین ٹراؤزر۔ ان کپڑوں کو پہننے سے اسے ایسا لگا تھا جیسے عالی اس کے ساتھ ہی ہے۔

وہ ان کے سامنے پہنچی تو اس کا دل چاہا وہ دوڑ کر جا کر ان کے گلے سے لگ جائے۔ وہ عالی کے پاپا تھے' اس کے عالی کے۔ وہ جن سے عالی اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا' وہ جن کی ناراضی دور کرنے وہ ان کے پاس آرہا تھا کہ فرشتہ اجل نے اس سے ایسا کرنے کی مہلت چھین لی۔

انہیں دیکھ کر اسے یوں لگا وہ عالی کو دیکھ رہی ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو آج سے پچیس تیس سال بعد عالی ایسا ہی لگتا۔ عالی ان کا عکس تھا۔ ہو بہو ان ہی جیسا۔ اتنی زیادہ مشابہت۔

عذیر فاروق کے بعد وہ ہاجرہ عذیر سے ملی۔ عالی کی مما' عالی ظاہر میں اگر اپنے پاپا جیسا تھا تو باطن میں مما جیسا۔ سوائے اس ایک ڈمپل کے اس کی اپنی مما سے کوئی ظاہری مشابہت نہ تھی۔ مگر ہاجرہ عذیر سے مل کر اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ عالی نے اتنی نرم خوئی' محبت' مروت اور خلوص کہاں سے لیا تھا۔

وہ اتنی کم عمری میں اتنا حساس' دوسروں کی اتنی پروا

کرنے والا تھا تو یہ عادتیں اس میں کس کی آگئی تھیں۔ وہ ان دونوں سے مل لی تھی اور ان دونوں سے پہلی بار مل کر ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ دونوں سانس لیتے تھے' زندہ انسانوں جیسے تمام کام کرتے تھے مگر وہ دونوں مر چکے تھے۔ جب والدین اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی اولاد کو قبر میں اترتا دیکھتے ہیں تو اس قبر میں صرف ان کے جگر گوشے ہی نہیں بلکہ ان کے دل اور ان کی روح بھی ان کے ساتھ اس قبر میں اتر جاتی ہے۔

وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان دونوں کو ہر لمحہ کمزور سے کمزور تر ہوتا دیکھ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد ان دونوں کے بالکل نزدیک ہو جانا چاہتی تھی' اس کی منزل یہ آفس نہیں وہ گھر تھا' جہاں آج وہ بوڑھے ماں' باپ تنہا زندگی گزار رہے تھے۔

وہ دیکھتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی خاطر زندہ تھے۔ عذیر فاروق' ہاجرہ کے لیے اور ہاجرہ ان کے لیے۔ اگر تنہا ہوتے تو شاید کب کے ہمت ہار چکے ہوتے' دنیا سے ناتا توڑ چکے ہوتے۔ وہ ان کے گھر آئی تو ان کے گھر میں موت کا سا سناٹا تھا۔ ان کی زندگیوں سے ہر آس' ہر امید' ہر خواہش ختم ہو چکی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اگر آج ہاجرہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے رو پڑتی ہیں اور پھر روتی ہی رہتی ہیں تو کیوں؟ وہ اب کس کے لیے دعا کریں؟ وہ اب کس کی لمبی عمر' صحت' تندرستی' کامیابی اور خوشیوں کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ دعاؤں کا محور' دعاؤں کا مرکز ختم ہو گیا۔ زندگی کا محور' زندگی کا مقصد ختم ہو گیا۔ ان کی حالت دیکھ کر اس کا دل کتنا تڑپتا' روتا تھا۔

کتنی بڑی آزمائش تھی یہ ان والدین کی۔ ان دونوں سے ملنے سے پہلے تک اپنا غم بہت بڑا لگا کرتا تھا' اس دکھی ماں اور کمزور باپ کی حالت دیکھ کر اپنا غم بھولنے لگا تھا۔ بہت چھوٹا لگنے لگا تھا' اس کا غم تو ان کے غم کے آگے کچھ بھی نہیں۔ وہ ان کا غم دور نہیں کر سکتی' وہ عالی کو واپس ان کے پاس نہیں لا سکتی۔ یہ اس کے بس میں نہیں۔ مگر اتنا تو اس کے بس میں ہے کہ اب خود ہمیشہ ان کے پاس رہے۔

وہ عالی کو یاد کر کے روئیں تو کم از کم ان کے آنسو پونچھنے کے لیے اس کے ہاتھ ان کے قریب ہوں' اس کے شانے حاضر ہوں کہ وہ اس پر سر رکھ کر رو لیں۔ وہ ان کا سہارا بنے گی' انہیں سنبھالے گی۔ انہیں ٹوٹنے نہیں دے گی۔

اسے پاکستان آئے ساڑھے گیارہ ماہ ہو رہے تھے اور گیارہ ماہ بعد آج وہ اس مقام تک تو پہنچ گئی تھی کہ عذیر فاروق کے گھر میں موجود تھی۔ اس کا پہلا قدم ان کا گھر تھا مگر اس کی منزل تو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کا دل تھا' ان کا گھر تھا۔ امریکہ سے اس کا واحد رابطہ کیتھی تھی' جس سے اس کی دن میں کئی کئی بار بات ہوتی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کہاں تک پہنچی' کیتھی اس سے ہر روز ساری تفصیل پوچھتی۔ وہ ہاجرہ کے سامنے جس کال کے آنے سے پریشان ہو گئی تھی۔ وہ کیتھی کی کال تھی۔ دل میں چونکہ اپنی سچائی چھپائے رکھنے کا خوف تھا' اس لیے وہ کیتھی سے بوکھلاہٹ میں' بات کر ہی نہیں پائی تھی۔ عالی کے گھر میں داخل ہوتے اپنی اس کامیابی کا میسج بھی اس نے کیتھی ہی کو کیا تھا۔ آج وہ فخر سے کیتھی سے کہتی کہ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے دل اور ان کے گھر میں رہتی ہے۔ وہ دونوں اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں' دل سے بیٹی مانتے ہیں۔

وہ ان دونوں کی محبتیں اور چاہتیں پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ محبت کو محبت سے جیتنے میں کامیاب ہو گئی تھی مگر سوال یہ تھا کہ جس روز وہ دونوں اس کی اصلیت جان لیں گے' کیا اس روز کے بعد بھی اس سے ایسی ہی محبت کریں گے؟

کیا وہ ہنیہ' عباد سے بھی ویسی ہی محبت کریں گے جیسی ہنیہ سجاد سے کرتے ہیں؟ یہ سوچ اس کے دل کو کھا رہی تھی۔ ان دونوں کی محبت تو اب اس کی زندگی کا کل سرمایہ تھی' اگر اس کی سچائی جان کر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ کیا کرے گی۔ وہ ان دو لوگوں کی نفرت سہہ نہیں پائے گی۔ شمسہ اور فیاض کی کینیڈا سے واپسی میں بیس بائیس روز رہ گئے تھے۔ شمسہ اور فیاض کی واپسی سے قبل وہ ہر حالت میں اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کو بتا دینا چاہتی تھی۔ وہ ہر روز ہمت کر رہی تھی' ہر روز ڈر اور خوف کے زیر اثر اس کی ہمت ٹوٹ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عدیل کو اچانک اپنے سامنے پانے اور اسی لمحہ عذیر فاروق کے وہاں آجانے سے وہ بہت بری طرح گھبرا گئی تھی۔ عدیل اس سے پہلے خود کو شاک سے باہر نکال چکا تھا۔ اس نے صورت حال کو فوراً سنبھال بھی لیا تھا۔ اس نے عذیر فاروق کو بھرپور اعتماد سے یہ تاثر دیا تھا جیسے وہ اپنے سامنے آنے والی ایک خاتون کے احترام میں کرسی سے کھڑا

ہوا۔

"میں عدیل سفیان ہوں۔ اور آپ.....؟" اس کی خوش اخلاقی سے مسکرا کر دیکھتے اس نے عذیر فاروق کی طرف دیکھا۔

"انکل! ان ہی سے آپ مجھے ملوانا چاہ رہے تھے نا؟"

"ہاں۔ یہ ہنیہ ہے۔ ویسے تو یہ یہاں اسٹرکچرل انجینئر ہے مگر اس کا اصل تعارف یہ ہے کہ یہ میری بیٹی ہے۔"

اس نے عذیر فاروق کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ اس کی کب سے اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ ان کا انداز دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ اگر سن لی ہوتی تو ان کے تاثرات ایسے نارمل نہیں ہو سکتے تھے۔ عدیل بہت کچھ سمجھا نہیں تھا' وہ ہنیہ کو یہاں دیکھ کر حیران بھی تھا مگر کچھ نہ سمجھنے کے باوجود وہ اس پوری ملاقات کے دوران یہی تاثر دیتا رہا کہ وہ آج ہنیہ سجاد سے زندگی میں پہلی بار ملا ہے۔ وہ اب امریکہ میں نہیں تھا۔ وہ تعلیم مکمل کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد پاکستان واپس آگیا تھا۔ آج کل وہ دوہا میں ہوتا تھا۔ اسے وہاں کافی اچھی جاب مل گئی تھی۔

وہ کراچی اپنے گھر والوں سے چاہے ایک یا دو دن کے لیے ملنے آتا عذیر فاروق اور ہاجرہ سے ضرور ملا کرتا تھا۔ عدیل نے پوزیشن سنبھالی تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

عذیر فاروق کے سامنے ہی دوران گفتگو بظاہر خوش اخلاقی اور گرم جوشی کا تاثر دیتے عدیل نے اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی' وہ اسے اپنا کارڈ اس لیے دے رہا تھا کیونکہ وہ ہنیہ سے ساری بات جاننا چاہتا تھا۔ عذیر فاروق کے سامنے وہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی اور اسے تھوڑی اوقات کے دوران ہی کچھ موقع ملا تو اس نے عدیل کے دیے کارڈ میں سے اس کا فون نمبر ملایا۔

عدیل اسے یہاں دیکھ کر حیران تھا اور یہ جاننے کے بعد کہ وہ اب زندگی بھر یہیں رہنے کے لیے آگئی ہے' وہ اپنا ملک عالی کے لیے چھوڑ آئی ہے' وہ کئی منٹ بالکل خاموش رہا۔ پھر جب بولا تو آہستگی سے فقط اتنا۔

"مجھے آج عالی کی پسند پر جتنا فخر ہو رہا ہے' اب سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ سچ کہتا ہوں ہنیہ! عالی خوش قسمت تھا' اللہ نے اسے دنیا کی سب سے پیاری لڑکی کی محبت عطا کی تھی۔"

آج عدیل ملا ہے' کل اس کا اور عباد کا کوئی اور مشترکہ جاننے والا اچانک مل سکتا ہے' اس سے پہلے اسے خود عذیر فاروق اور ہاجرہ کو اپنی سچائی بتا دینی چاہیے۔ گھر واپس آنے کے بعد بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ مگر آج اس کی ہمت اتنی ٹوٹی ہوئی تھی کہ کم از کم آج وہ انہیں سب کچھ سچ سچ بتانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی تھی۔

پچھلے چند دنوں سے ایک پژمردگی اور اداسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ سال کے یہ دن اور یہ تاریخیں جب لوٹ کر آنے لگتیں۔ اس کے دل کی عجیب سی حالت ہو جاتی پھر جدائی کا یہ عرصہ جس کی مدت نامعلوم تھی۔ ناقابل برداشت اور بہت تکلیف دہ لگنے لگتا تھا۔ کل وہ دن وہ تاریخ تھی دو سال پہلے جس روز وہ عباد کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھی تھی۔ نو دن بعد اس کی برسی تھی۔ دنوں کی یہ ترتیب تو دل پر لکھی گئی تھی۔

ہفتے کے روز ان کا نکاح ہوا تھا۔ اتوار کے روز ماما جانی رخصت ہوئی تھیں۔ پیر کی رات ان کی شب عروسی تھی۔ منگل کی صبح وہ Carmel گئے تھے۔ اتوار کی شام وہ نیویارک واپس آئے تھے۔ اتوار کی رات عالی دبئی جانے کے لیے اس سے رخصت ہوا تھا۔ پیر کے روز سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جبراً مسکرا رہی تھی۔

ہاجرہ اس کے لیے کچن میں کچھ بنانے گئی تھیں۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی بے مقصد اور مکمل بے توجہی کے ساتھ ریموٹ سے ٹی وی کے چینلز تبدیل کیے جا رہی تھی۔ فون کی بیل بجی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ مہینے سے اس گھر کے فرد کی طرح ہی یہاں قیام پذیر تھی۔ اب تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے تقریباً تمام ملنے والے' دوست احباب' رشتے دار اس سے واقف تھے۔

"ہیلو....." دوسری جانب سے آنے والی خوب صورت زنانہ آواز اس کے لیے بالکل انجانی تھی۔

"میں انوشہ بات کر رہی ہوں۔ آپ.....؟"

انوشہ..... انوشہ طارق۔ نہیں بلکہ انوشہ ذیشان۔ سوا سال ہوا انوشہ کی شادی ہو چکی تھی' اس کا دو' تین ماہ کا ایک بیٹا بھی تھا' اتنا ہاجرہ کے توسط سے اس کے علم میں تھا۔ انہوں

نے اپنے اور عذیر فاروق کے بھائی بہنوں کے متعلق ایک بار اسے تفصیل سے بتایا تو اس نے طارق فاروق اور ان کی فیملی کا ذکر خصوصی دلچسپی اور توجہ سے سنا تھا۔

اپنے والد کے ایک دوست کے بیٹے سے انوشہ کی شادی ہوئی تھی اور وہ شادی کے بعد دبئی ہی میں مقیم تھی۔ یہاں چونکہ اس کی سسرال تھی' اس لیے کراچی آنا جانا اس کا لگا رہتا تھا۔

"میں ہنیہ ہوں۔"

"ہنیہ۔ ہاں آپ کا ذکر سنا ہے میں نے چچی سے۔ کیسی ہیں آپ؟" اسے یقیناً اپنے چچا یا چچی سے بات کرنی تھی۔ مگر اخلاقاً اس نے اس سے رسمی گفتگو شروع کی۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"مزے میں ہوں۔ کراچی آئی ہوئی ہوں' میں نے سوچا 'ملنے تو شاید کل یا پرسوں آؤں۔ آج فون پر ہی ہائے ہیلو کرلوں چچا جان اور چچی سے۔ چچی ہیں؟"

"آپ... ہولڈ کریں' میں بلاتی ہوں۔" وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ "انوشہ! اگر آپ بھی اس بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہو تو پلیز اب میرے عباد کو معاف کردو۔ وہ تم سب کو منانے' تم سب سے معافی مانگنے تمہارے پاس آرہا تھا' جیسا اسے سمجھا گیا' وہ ویسا ہرگز نہیں تھا۔ مگر کیسی بدنصیبی ہے یہ۔ جن لوگوں کو وہ اپنی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا' وہ انہیں یہ بتانے کے لیے زندہ نہ رہ سکا کہ انہیں بہت پیار کرتا ہے۔" دل گرفتی اور اداسی سے ریسیور رکھتے وہ ہاجرہ کو بلانے کچن کی طرف آگئی تھی۔

عذیر فاروق نے رات کے کھانے کے لیے منع کردیا تھا۔ وہ آفس سے آکر کچھ دیر ان دونوں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد اسٹڈی میں چلے گئے تھے۔ وہ پہلے بھی خود کو رات گئے تک دفتری کاموں میں مصروف رکھتے تھے مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ دنوں کی یہ ترتیب جب سے لوٹنے لگی تھی' وہ تقریباً" ساری ساری رات اسٹڈی میں گزار رہے تھے۔

کھانے کی میز پر صرف وہ اور ہاجرہ تھیں۔ ہاجرہ اس کی خاطر میز پر بیٹھی تھیں اور وہ عباد والی کرسی پر بیٹھی زبردستی انہیں کھانا کھلوا رہی تھی۔

"بس بیٹا! اور خواہش نہیں۔" اس کے بضد ہونے پر آدھی روٹی کھا کر انہوں نے مزید کھانے سے انکار کردیا تھا' اس کے کہنے سے وہ اتنا تو کھا لیتی تھیں ورنہ عذیر فاروق تو نجانے کیا کیا جتن کرتے تب وہ چند لقمے لیتی تھیں۔

"پاپا نے کھانا نہیں کھایا' ان کے لیے دودھ لے جاؤں؟" اس نے ہاجرہ سے پوچھا۔ پہلے وہ منع کرنے کے لیے لب کھولنے لگیں۔ ان دنوں وہ جن کیفیات کا شکار تھے وہ جانتی تھیں۔ مگر کیا پتا وہ ہنیہ کے کہنے پر دودھ لے ہی لیں۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ایک کپ میں گرم دودھ میں ہارلیکس ملا کر ان کے لیے فوراً" لے آئی۔ وہ اپنے گرد میز پر بہت ساری ڈرائنگز بکھرائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پوائنٹر تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے گلاسز اتارے۔

"میں آپ کے لیے دودھ لے کر آئی ہوں پاپا! منع مت کیجیے گا۔ یہ بھی مت کہیے گا کہ میرا موڈ نہیں۔ اگر آپ نے یہ دودھ نہیں پیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔"

"اتنی لمبی اور جذباتی تقریر؟ جبکہ ابھی میں نے ہاں یا نہ کچھ بھی نہیں کہا ہے؟" وہ مبتسم لہجے میں بولے۔

"اس لیے کہ مجھے ایسا لگا تھا آپ منع کردیں گے۔"

"اور میں منع کروں گا تو آپ کو دکھ ہوگا؟"

اس نے سر اقرار میں ہلایا۔

"اتنی معمولی معمولی باتوں پر دکھی مت ہوا کرو پیاری لڑکی!" انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"آپ اسے پی لیں گے تو میں بالکل بھی دکھی نہیں رہوں گی۔" وہ جواباً" مسکرائے۔

"رکھ دو بیٹا! میں ابھی تھوڑی دیر میں پی لوں گا۔" وہ انکار کرکے اس کا دل نہیں توڑنا چاہ رہے تھے۔

"جی نہیں۔ آپ اسے میرے سامنے پئیں گے' ابھی اور اسی وقت۔" وہ کپ ہاتھ میں لیے ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے ضدی انداز پر وہ بے ساختہ کھل کر ہنسے۔

"کبھی اتنی سنجیدہ اور سوبر لگتی ہو اور کبھی بالکل چھوٹی سی بچی!"

"آپ کو کیسی اچھی لگتی ہوں۔"

"ہر طرح۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا' قطعیت بھرے لہجے میں۔ "ہنیہ سجاد آپ مجھے ہر طرح اچھی لگتی ہیں اور یہ آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میری کوئی بیٹی ہوتی تو آپ کے جیسی ہی ہوتی۔"

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے انہوں نے دودھ کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ دودھ پینے لگے تھے' رغبت سے پی رہے تھے یا بے رغبتی سے مگر انہوں

[illegible] کا مان رکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

آج عدیل سے ہوئی ملاقات کا انہوں نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ تک نہیں کہا تھا کہ آج جسے اپنا بیٹا کہہ کر انہوں نے اسے متعارف کروایا تھا' وہ ان کے بیٹے کا سب سے جگری اور سب سے عزیز دوست تھا۔

☼ ☼ ☼

رات گہری تھی۔ بہت سناٹا' بہت خاموشی تھی' آج کیا تاریخ تھی۔ اس نے بے چینی سے بستر پر کروٹ بدلی تھی۔ یہ ان کے شادی کے بعد کی وہ پہلی رات تھی' وہ پہلی رات جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

دو سال پہلے کی اس رات کو دہراتی' یاد کرتی وہ اس کے کمرے میں جانا چاہتی تھی۔ دو سال پہلے آج کی رات ڈر رہی تھی اور وہ اس کا ڈر دور کرنے کے لیے پوری رات اس کی خاطر جاگا تھا۔ "میں کہیں نہیں جارہا' میں یہیں ہوں' تمہارے بالکل پاس۔"

"ہنی!" اس کے کانوں میں ایک پیار بھری آواز گونجی۔ وہ ایک دم ہی بیڈ پر سے اٹھی تھی۔ وہ عباد کے کمرے میں جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اسٹڈی سے نکل آئے تھے۔ کوئی انہیں "پاپا" کہہ کر صدائیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے اندھیرے میں ڈوبے گھر میں اس صدائیں دینے والے کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اسی گھپ اندھیرے میں انہوں نے ایک سایا دیکھا۔ وہ ہنیہ تھی۔ وہ ننگے پاؤں تھی' اس نے دوپٹہ' شال' چادر کچھ بھی نہیں لیا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ناپ سے بھی کافی بڑا' بہت ڈھیلا ڈھالا اور لمبائی شرٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ اس کے بال اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ سوتے سوتے اٹھی ہے۔ وہ ادھر ادھر کسی بھی سمت دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا ہوا؟ وہ اسے آواز دینا چاہتے تھے' مگر کچھ سوچ کر وہ اسے آواز دیتے دیتے رک گئے۔ وہ چند قدم آگے بڑھے۔ وہ عباد کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔

اس نے دروازہ آہستگی سے کھولا تھا اور کمرے کے اندر چلی گئی تھی۔

وہ اس کمرے کی ہر چیز کو بے خودی و دیوانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار پر لگی عباد کی تصویروں کو تک رہی تھی۔ اس نے بے خودی کے عالم میں اس کی دیوار پر لگی ایک تصویر پہ اپنا سر ٹکا دیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز اپنی بے خودی میں وہ سن نہ سکی تھی مگر دروازہ بند ہونے اور کسی کے اندر آنے کی آواز اس نے سن لی تھی۔ اس نے فوراً" سر اوپر اٹھایا۔ اور خوف کے مارے سن سی رہ گئی۔

عذیر فاروق اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ اس گہری رات میں' اتنی رات گئے اپنی اس کمرے میں موجودگی کا انہیں کیا جواز دے گی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں' وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اب صرف سچ بولا جاسکتا تھا۔ صرف اور صرف سچ۔

رات کے تین بجے ایک لڑکی ان کے بیٹے کے کمرے میں اس کی تصویر پر سر ٹکا کر کھڑی ہے؟ کیوں؟ جس لمحے کے آنے سے وہ بہت ڈرتی تھی وہ آچکا تھا۔

"پاپا! میں نے آپ سے اپنے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ پلیز پاپا! مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا۔ پاپا! میں..." اس نے ان کے ہاتھ کے اوپر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"پاپا! میں عباد کی۔ پاپا! میں... پاپا میں ہی وہ لڑکی ہوں جس سے عباد نے شادی کی تھی۔" اٹک اٹک کر بات شروع کرتے اس نے آنکھیں بند کرکے ایک دم ہی اپنا جملہ پورا کردیا۔ اس نے اپنی آنکھیں خوف کے مارے ابھی تک بند کر رکھی تھیں' سر جھکا رکھا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھنے کی جرأت پیدا نہیں کرپا رہی تھی۔ ان کی نظروں کی محبت کو نفرت میں بدلتا وہ کس طرح دیکھ پائے گی' وہ اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو چھڑائیں گے' اسے جھٹک کر نفرت سے خود سے دور ہٹائیں گے' وہ ان کی یہ نفرت کیسے دیکھ پائے گی' کیسے سہہ پائے گی؟ مگر نہ انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے نہ اسے نفرت سے خود سے دور ہٹایا تھا' اس نے ڈرتے ڈرتے سر اوپر اٹھایا' ان کی طرف دیکھا۔ اسے ان کی آنکھوں میں نمی نظر آئی' ان کی آنکھوں میں درد تھا' غم تھا' آنسو تھے مگر نہ نفرت تھی نہ حیرانی۔ وہ اتنی بڑی بات سن کر' اتنا بڑا انکشاف سن کر ذرا بھی حیران نہیں ہوئے تھے۔ "پاپا؟" اس نے کانپتی آواز میں سوالیہ

نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"پاپا پر اعتبار کرنے میں اتنی دیر؟ کیا لگتا تھا پاپا اتنے ظالم ہیں جیسے عالی سے رشتہ توڑنے کی بات کی تھی تم سے بھی سب ناتے توڑ لیں گے؟" ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میں جانتا ہوں مجھے پتا ہے تم ہنیہ عباد ہو۔ میرے عالی کی ہنی ہو۔ میری بہو ہو۔"

انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ وہ ان پر ایک بہت بڑا انکشاف کرنے کھڑی ہوئی تھی، مگر اب خود ایک اس سے بھی بڑے انکشاف کی زد میں تھی۔

"پاپا کو کیا بہت بے وقوف سمجھ رکھا ہے ہنیہ عباد؟" وہ آنکھوں میں نمی لیے مبہم سا مسکرائے۔ "کیا لگتا تھا پاپا کو کچھ پتا ہی نہیں چلے گا؟"

"پاپا! آپ کو کیسے۔ کیا عدیل نے آپ کو۔۔۔"

"اونہوں۔" انہوں نے اس کے ادھورے سوال کا نفی میں سرہلا کر جواب دیا۔

"آپ جانتے تھے پاپا! پھر آپ نے یہ بات کبھی۔۔۔" وہ اٹک کر اپنا جملہ مکمل نہ کرپائی۔

"کبھی ظاہر کیوں نہیں کی آپ کو بتایا کیوں نہیں یہی پوچھنا چاہتی ہیں نا، آپ اسمارٹ گرل؟" ان کی آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا بیٹا! جب پاپا کی محبت پر اتنا بھروسہ تو کرنے لگو گی کہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے آکر انہیں ان کے ساتھ اپنا حقیقی رشتہ بتا سکو۔" انہوں نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"پاپا کو یہ بات بتانے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہنی؟ کیا واقعی میں بہت ظالم اور سنگ دل انسان لگتا ہوں؟"

"پاپا!" بے اختیار اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیے تھے۔ ان کے لبوں سے ہنی، کم سنتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"آپ بہت اچھے ہیں پاپا! میں ڈرتی تھی، پتا نہیں کیوں۔ مگر آپ کو کسی بھی طرح برا میں نے کبھی نہیں سمجھا۔"

وہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی، اسے یہ نہیں پتا تھا کہ وہ بھی رو رہے ہیں۔

"اس کمرے کو باہر سے کھڑے ہو کر دیکھتی تھیں، کبھی کہا کیوں نہیں کہ میں یہاں گیسٹ نہیں، آپ لوگ مجھے گیسٹ روم میں نہ ٹھہرائیں، یہ میرا گھر ہے۔ میں اس گھر کی بہو ہوں، بیٹی ہوں اور یہ میرا کمرہ ہے۔ میں یہاں اس کمرے میں ٹھہروں گی؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا تھا پاپا؟ اور کب سے؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے کی طرف لے آئے۔ اسے وہاں بٹھایا اور خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔

"میں تمہیں بالکل بھی نہیں جانتا تھا ہنی! عالی نے جس لڑکی سے شادی کی وہ کون ہے، اس کا کیا نام ہے، میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتانے کا بھی موقع ہی نہیں دیا تھا۔" وہ دل گرفتی سے بول رہے تھے۔ بہت اداس، بہت نڈھال اور خود اپنے آپ سے بہت ناراض۔

"تمہارے بارے میں کچھ بھی میرے علم میں نہ تھا مگر اس روز جب تم نے پہلی بار میرے آفس میں قدم رکھا۔ تم نے سلام ایک سیکنڈ بعد کیا تھا، پہلے بغور مجھے دیکھا تھا۔ ایسے جیسے پہلے سے جانتی ہو، جیسے پہلے مجھ سے مل چکی ہو لمحہ بھر کے لیے تھی تمہاری وہ کیفیت، وہ نگاہیں مگر تمہاری وہ نگاہیں مجھ سے چھپی نہ رہ سکی تھیں۔ ویسے مجھے اپنی تعریفیں کرنا پسند نہیں مگر جو لڑکی مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں خود کو بہت ٹیلنٹڈ اور ذہین کہہ سکتی ہے، اس کے سامنے اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں، کسر نفسی کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہ میں بھی خاصا ذہین آدمی ہوں۔ اور وہ انٹرویو جس کے دوران بظاہر بڑی معمول کی اور عام سی باتیں ہوئی تھیں مجھے میری حسیات نے یہ بتا دیا تھا کہ جو لڑکی کہہ رہی ہے وہ سوچ ہرگز نہیں رہی۔ اس کے دل میں کچھ اور ہے اور لبوں پر کچھ اور۔" وہ اسے اس کے انٹرویو کے دن کی بات یاد دلاتے شرارتی انداز میں مسکرائے۔

"تمہارے انداز میں Determination تھی۔ ایک فیصلہ کن سی کیفیت کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی اٹھوں گی۔ مجھے کسی نئے انجینئر کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس سچائی کو جاننے کے لیے، جو تمہارے جاب کے حصول کا اصل مقصد تھی میں نے تمہیں جاب آفر کر دی۔ تم جو بھی تھیں اور جو کچھ بھی چاہتی تھیں۔ کم از کم فاروق ایسوسی ایٹس میں جاب کا حصول تمہارا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ تم نے اپنی سی وی میں اپنی نیویارک کی فرم کے متعلق تفصیلات دی تھیں، میں نے تمہارے جانے

کے بعد وہاں سے پتا کروایا تھا۔ جو لڑکی نیویارک میں اتنی شاندار فرم میں اتنی اچھی پوسٹ پر جاب کر رہی ہو، ایک عالیشان پینٹ ہاؤس میں رہتی ہو، اس کے لیے نیویارک چھوڑ کر کراچی آنے میں کیا کشش تھی۔ میں نے اس پہلی ملاقات ہی میں تمہارے "میں نیویارک میں تنہا تھی، اکیلے پن سے گھبرا گئی تھی، وہاں کی مشینی زندگی سے اکتا کر یہاں ماموں ممانی کے پاس آگئی تھی۔" والے جھوٹ کا بالکل بھی یقین نہیں کیا تھا۔ جو نیویارک جیسی جگہ پر اتنی شان دار زندگی جی رہی ہو، تنہائی ایسی کامیاب اور خوب صورت لڑکی کا مسئلہ نہیں ہو سکتی، اس کی تنہائی دور کرنے کو تو ایک سے ایک اچھا شخص اسے مل سکتا ہے، اس کے پاس دوستوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بات یقیناً کچھ اور تھی، مجھے لگا تھا، ہنیہ سجاد میرے پاس، میری فرم میں کسی خاص مقصد، کسی خاص ارادے سے آئی ہے۔ تم نے بہت جوش اور عزم کے ساتھ جاب جوائن کر لی تھی۔ تمہارا انداز مجھے بتاتا تھا کہ تم مجھے اپنی کارکردگی سے متاثر کرنا چاہتی ہو۔ تم آگے بڑھ کر ہر مشکل سے مشکل پروجیکٹ میں شامل ہونا چاہتی تھیں، تم اپنے کام، اپنی کارکردگی کے ذریعے میری نگاہوں میں اہمیت اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ میں سوچتا تھا، یہ لڑکی درحقیقت چاہتی کیا ہے؟ اس کا مقصد، اس کا مشن کیا ہے؟ یہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ تم میرے قریب ہونا چاہتی تھیں، میرے قریب رہنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہیں اپنے ساتھ مختلف پروجیکٹس میں شامل ہونے کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سچائی جو بھی تھی، زیادہ دیر تک مجھ سے چھپی تو نہیں رہ سکتی تھی۔ تب تک تمہارے لیے میرے دل میں کچھ خاص فیلنگز پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ میں تمہیں شکوک و شبہات والی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مگر اس روز جب تم پہلی بار میرے ساتھ سائٹ پر گئیں اور وہاں سے واپس آکر شام میں میرے آفس آئیں "میں نے ابھی تک لنچ کیوں نہیں کیا؟" یہ پوچھنے کے لیے، تب میں نے تمہیں شک اور شبہ سے آگے بڑھ کر دیکھا۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنی تشویش اور فکر کا اظہار کر رہی تھی، میرے کھانے پینے کے متعلق۔

"سر! آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔" بہت عمر گزاری ہے میں نے، اب اس عمر میں آکر میں سچ اور جھوٹ، محبت اور بناوٹ میں فرق کر سکتا ہوں۔ اور اس لمحہ میں نے جانا تھا کہ یہ لڑکی بناوٹ نہیں محبت کر رہی ہے مجھ سے۔ مگر کیوں؟ کون ہے یہ میری؟ کیا رشتہ ہے اس کا میرے ساتھ؟ مجھے بغیر گلاسز لگائے پڑھنے میں دقت ہو رہی ہے، تو مجھ سے پہلے اٹھ کر وہ میرے گلاسز لا رہی ہے، بڑے احترام سے وہ مجھے دے رہی ہے۔ مجھے کھانے میں سلاد بہت پسند ہے، اسے پتا ہے، جبکہ ابھی وہ مہینہ بھر پہلے مجھ سے ملی ہے۔ آج زندگی میں پہلی بار میرے ساتھ کھانا کھا رہی ہے، بے ساختگی میں یہ بات اس کے منہ سے نکلی ہے اور وہ ایک لمحہ کے لیے منہ سے نکلی اس بات پر گھبرا بھی گئی ہے۔

"کیا یہ لڑکی "وہ" ہے؟"

اس روز پہلی بار میں نے یہ بات سوچی تھی۔ نہیں یہ "وہ" کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی کا اب یہاں کیا کام۔ وہ تو کب کا عالی کو بھول بھال کر اپنی دنیا میں مگن ہو بھی گئی۔ اور "اس" لڑکی اور اس لڑکی میں تو بے انتہا فرق ہے۔ وہ تو بہت کم عمر لڑکی تھی، بننے سنورنے کی بہت شوقین جبکہ یہ تو بہت سنجیدہ اور بہت میچیور ہے۔ بے انتہا سادہ رہتی ہے۔ اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ، ایک بردباری ہے جو اس عمر کی لڑکیوں میں عموماً ہوتی نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں کبھی بغور دیکھو تو ان آنکھوں میں ہر پل ایک اداسی، ایک درد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جبکہ وہ لڑکی تو ایک جھلک ہی میں زندگی سے بھرپور، بہت خوش باش اور زندگی سے بہت خوش لگی تھی۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ سوبر، میچیور ہنیہ ہے، وہ شوخ و چنچل ہنی تھی یہ وہ ہو نہیں سکتی۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہوئے۔ انہوں نے اس کی حیرت بھری نگاہوں کو دیکھا۔

"عالی نے جو آخری ای میل مجھے بھیجی، اس میں ہنی کے نام سے اس لڑکی کا تذکرہ تھا جس سے اس نے شادی کی تھی، اس کے سیل فون میں ہنی کے نام سے کئی نمبرز سیو ہوئے ہوئے تھے۔ جو شرٹ اس نے پہن رکھی تھی، جو خون آلود تھی، جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس پر "To Aabi Love Honey" کے الفاظ خون میں بھیگے ہونے کے باوجود پڑھے جا رہے تھے۔ اس کے والٹ میں میری اور ہاجرہ کی تصویروں کے ساتھ ایک تیسری تصویر بھی تھی۔ وہ اپنے والٹ میں اسی طرح میری اور ہاجرہ کی تصویریں اپنے ساتھ، اپنے پاس رکھتا تھا، میں تو اس والٹ اور ان تصویروں ہی کو دیکھ کر روتا رہا تھا،

اس تیسری تصویر پر میری آنسوؤں سے بھری نگاہیں صرف ایک بار ہی اٹھی تھیں۔ ایک سرسری نظر، بالکل لمحہ بھر کے لیے۔ بہت سجی سنوری، ایک انتہائی کم عمر لڑکی۔ جو بہت تیار تھی، بہت سجی سنوری، بے انتہا حسین اور بے تحاشا ہنستی ہوئی۔

اس لمحہ بھر کی جھلک کے بعد میں نے اس تصویر کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ مگر اس روز آفس میں تمہارا اس لڑکی کے ساتھ موازنہ کرتے میرا پہلی بار دل چاہا تھا کہ میں ہمت کرکے آج پھر عالی کے سامان کو کھولوں۔ اس کے سامان میں سے وہ تصویر نکالوں، اسے غور سے دیکھوں۔ مگر ایک خوف سا تھا۔ میں اس تصویر کو پھر نکالنے کی ہمت کر نہیں پا رہا تھا۔ میرے اندر کوئی تھا جو مجھے بتا رہا تھا۔ تمام تر فرق کے باوجود یہ لڑکی وہی لڑکی ہے۔ ہنی نہیں سجاد ہے، بنیہ سجاد ہنی ہے۔ میں چند دن اس سچائی کو جھٹلاتا رہا تھا۔ یہ لڑکی جو میرا اتنا احترام کرتی ہے، مجھ سے محبت کرتی لگتی ہے، میں اچانک اندر آجاؤں تو میرے احترام میں فوراً اٹھ کھڑی ہوتی ہے، اپنے باپ کی طرح نہیں بلکہ کسی بزرگ کی طرح میری عزت کرتی ہے، یہ وہ امریکن لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو پتا نہیں کون سی کس خاندان سے تھی، یہ تو کسی بہت اچھے خاندان کی بہت سلجھی ہوئی اور باوقار لڑکی ہے۔

ایک تلخ مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی، وہ کسی اور پر نہیں خود اپنے آپ پر تلخی سے ہنس رہے تھے۔

"تم ہاجرہ سے پہلی بار ملیں تو ان سے ملنے کا تمہارا محبت سے بھرپور انداز دیکھ کر مجھے ذرا سی بھی حیرت نہیں ہوئی۔ میں تم سے جیسے اس والہانہ پن اور گرم جوشی کی توقع کر رہا تھا، مجھے جیسے پہلے سے پتا تھا کہ یہ لڑکی ہاجرہ سے اسی انداز میں ملے گی۔ اپنے دل کے بہت اندر میں یہ جان چکا تھا کہ تم کون ہو۔ اس بات کی تصدیق ہونے سے ڈرتا تھا، اس لیے اس تصویر کو نکال نہ پاتا تھا۔ مگر جب ہاجرہ بیمار ہوئیں اور ان کی بیماری پر میں نے تمہیں مضطرب دیکھا، میں نے تمہیں اسپتال میں ان کے پاس بیٹھ کر آنسو بہاتے دیکھا، اس رات سچائی کا سامنا کرنے سے خود کو روک نہ پایا تھا۔ میں نے اپنی الماری میں رکھا عالی کا سامان نکالا۔ وہ سب چیزیں جو اس روز اس کے تن پر تھیں اس کے ساتھ تھیں۔ اس کی بلیو شرٹ، بلیک پینٹ، بلیک کوٹ، بلیک شوز، موزے، گھڑی، موبائل، اس کا والٹ۔ میں نے اس والٹ کو کھولا۔ وہ جس میں سب چیزیں میں نے ان ویسی ہی رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اس میں سے وہ تصویر نکال کر اپنی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔ اگر اس لڑکی اتنا میک اپ نہ کیا ہو تو یہ کیسی لگے گی؟ یہ اس میک اپ کے بغیر، اس تیاری کے بغیر کیسی لگے گی؟ یہ ان زیورات کے بغیر کیسی لگے گی؟ جب یہ اتنی خوش نہیں ہوگی، اس طرح کھلکھلا کر ہنس نہیں رہی ہوگی، جب یہ بہت سادہ ہوگی، بہت سنجیدہ اور حساس ہوگی تب کیسی ہوگی؟ ہنی سجاد، بنیہ عباد، ہنی، بنیہ سجاد ہی وہ لڑکی ہے، بنیہ عباد ہی ہنی ہے، اس حقیقت کو میں نے تسلیم اس روز کیا تھا۔"

وہ سانس لینے کو ایک پل کے لیے رکے، انہوں نے اپنی آواز کی بھراہٹ پر قابو پایا۔

"تم سوچ رہی ہوگی کہ جب میں اس پہچان کی تصدیق بھی کرچکا تھا تو تم پر کبھی اس بات کو ظاہر کیوں نہ کیا؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں پہچان چکا تھا مگر میں یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا تمہارا یہاں ہمارے پاس آنے کا مقصد کیا تھا۔ نیویارک میں تمہاری گزری لائف اور لائف اسٹائل کو مدنظر رکھتے میں نے بالکل آغاز میں بھی ایک لمحے کے لیے یہ نہیں سوچا تھا کہ تم دولت کے لیے، کسی مالی فائدے، کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔ جس ملک کی تم شہری ہو، وہاں کی خواتین سے متعلق میری رائے کچھ بہت اچھی نہیں تھی۔ میرا مشاہدہ غلط تھا۔ یہ تم سے ملنے کے بعد ثابت ہوچکا ہے۔ مگر تم سے ملنے سے قبل نسلاً اور اصلاً مغربی و امریکی خواتین کے ساتھ پاکستانی و انڈین نژاد والدین کی پیدا کی امریکی بیٹیوں کے متعلق بھی میری رائے کچھ خاص اچھی نہ تھی۔ اس سب کے باوجود میں کبھی ایک پل کے لیے بھی تمہارے متعلق کوئی ایسی بات نہ سوچ سکا کہ تم کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔

نہ یہاں آنے کا مقصد عالی کے والدین کی دولت، ان کا پیسہ تھا، نہ نیویارک میں تنہائی اور اکیلا پن یہاں آنے کا مقصد تھا، پھر اصل مقصد تھا کیا؟

میں خاموش رہ کر تمہارا تجزیہ کرنا چاہتا تھا، اس دوران تم بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مسلسل مجھ سے اور ہاجرہ سے قریب ہونے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ تم ایسا کوئی موقع گنوانا نہ چاہتی تھیں جو تمہیں ہمارے قریب لا سکتا ہو۔ تم کسی بھی طرح، کسی بھی بہانے سے ہم دونوں کے قریب رہنا چاہتی تھیں۔ تم اچھی لگتی تھیں، تمہارا خلوص تمہاری محبت بڑی شدت سے ظاہر ہوتی تھی مگر اس سب کے باوجود میں تمہارے ہم لوگوں کے پاس آنے کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا۔

جب عباد نہیں رہا تو اس کے والدین جنہوں نے تمہیں قبول ہی نہیں کیا تھا، تم ان کے پاس کیا کرنے اور کیوں آئی تھیں؟

پھر اس روز سائٹ پر جب میری طبیعت خراب ہوئی، میں چکرا کر گرنے لگا، تب اندھا دھند بھاگتی تم میرے قریب آئی تھیں، دیوانہ وار اور بری طرح بھاگتی ہوئی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں پاپا؟" بوکھلائی آواز اور شدید گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتی ہوئی۔ تمہاری وہ حالت، وہ کیفیت کیسی تھی؟

میں نے اس پل تم میں عالی دیکھا تھا بنیہ! تمہارا لہجہ، تمہاری گھبراہٹ، تمہاری آنکھوں میں پھیلی تشویش، مجھے سنبھالتے تمہارے ہاتھ، وہ آگہی کا وہ لمحہ تھا جس لمحہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ بنیہ سجاد نیویارک میں تنہا تھی۔ اس لیے کراچی نہیں آئی تھی بلکہ کراچی میں عباد کے ممّا پاپا تھے اس لیے نیویارک کو چھوڑ آئی تھی۔ وہ اپنے شاندار کیریئر، کامیاب پروفیشن اور روشن مستقبل کو چھوڑ کر ہمارے پاس ہماری خاطر، ہماری تنہائی دور کرنے آئی تھی۔ ہم جو اسے اپنانے سے ہمیشہ انکاری رہے تھے۔ وہ ہمیں اپنانے آئی تھی۔

یہ لڑکی میرے عالی سے اتنی محبت کرتی تھی، اتنی کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں اس پردیس، اس انجان جگہ، اجنبی لوگوں میں چلی آئی؟

یہ تھی وہ لڑکی جسے میرے عالی نے چنا تھا، اتنی اعلا ظرف کہ جو اسے نفرت سے رد کرے، وہ اسے محبت سے اپنالے؟ وہ لڑکی جسے مادر پدر آزاد امریکی معاشرے کی پروردہ قرار دے کر اس کے متعلق کچھ جاننے سے پہلے ہی میں رد کرچکا تھا، ایسے کسی آزاد معاشرے کی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی، مجھے اپنی نسل خراب نہیں کرنی، اس معاشرے کی تو خصوصیات ہی بے شرمی، بے حیائی، خود غرضی اور مادہ پرستی ہیں، میں اس معاشرے کی کسی لڑکی کو اپنے خاندان کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ وہ در حقیقت یہ تھی؟

اتنا خلوص، اتنی اعلا ظرفی، اور ایسی بے غرض اور بے لوث محبت رکھنے والی؟

جس سے اس نے محبت کی، وہ نہیں رہا مگر اس کے بوڑھے ماں، باپ کی اسے آج بھی فکر ہے۔ وہ ان کی فکر میں سات سمندر کا سفر طے کرکے ان کے پاس آئی ہے۔

الٰہی! تیری اس دنیا میں ابھی ایسے بے غرض، ایسی سچی محبت کرنے والے لوگ بستے ہیں۔

میں اس روز پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

عباد کی ماں نے عباد کی کرسی کے سامنے میز پر روز کی طرح بے دھیانی میں اس کی پلیٹ رکھی تھی، وہ ماں صبح، شام، رات ہر کھانے پر یونہی بے دھیانی میں بیٹے کی مخصوص کرسی کے آگے پلیٹ، چمچ رکھا کرتی تھی اور اگلے ہی پل دھیان آنے پر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اس خالی کرسی کو دیکھا کرتی تھی۔ اس ماں نے اس روز بھی یہی کیا تھا مگر اس نے اس ماں کا چہرہ ویران ہونے سے پہلے وہ کرسی سنبھال لی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اس پل کیا کہہ رہی تھیں۔

"عالی نہیں ہے تو کیا ہوا، میں تو ہوں ناں آپ کے پاس۔"

میں اس لڑکی کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یہ عالی کا عکس تھی، ہو بہو اسی جیسی تھی۔ یہ تھی ہی ایسی یا عالی کی محبت نے اسے ایسا بنادیا تھا؟ اگر تھی ہی ایسی تو اچھی بات تھی لیکن اگر عالی کی محبت نے اسے ایسا بنادیا تھا تو غیر معمولی بات تھی۔

میں اس روز جان گیا تھا کہ یہ لڑکی میرے عالی کو اتنا پیار کرتی ہے کہ سال دو سال کیا صدیاں بیت جائیں۔ یہ عالی کو بھلا نہیں سکتی، اس کی محبت اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔ میں ڈھونڈنے نکلتا تو ساری دنیا کی لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکی بھی اس جیسی اپنے عالی کے لیے تلاش نہیں کرسکتا تھا۔"

وہ بولتے بولتے ایک پل کے لیے خاموش ہوئے، انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، ان کی نگاہوں میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"اس روز سے پہلے یوں تھا کہ ہاجرہ تمہارے ساتھ وقت گزار کر، تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں اور میں انہیں ایسا کرنے دیتا تھا، روکتا نہیں تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھیں مگر ماں کا دل باپ کے دل سے زیادہ حساس اور گداز تو ہوتا ہی ہے شاید باخبر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ انہوں نے نہ تمہاری وہ تصویر دیکھ رکھی تھی نہ وہ کچھ اور جانتی تھیں نہ انہیں تم

پر میری طرح شکوک لاحق ہوئے تھے کہ تم کس مقصد سے ان سے مل رہی ہو مگر یوں لگتا جیسے ان کے دل نے تم سے پہلی ہی ملاقات میں انہیں بتادیا تھا کہ تم سے ان کا کوئی رشتہ کوئی ناتا ہے۔ وہ سب سے ملنساری سے ملتی ہیں مگر تم سے تو انہوں نے پہلی ملاقات میں دل کا رشتہ جوڑلیا تھا۔ تم سے مل کر کچھ پل کے لیے ہی سہی مگر ان کی آنکھوں میں زندگی نظر تو آتی تھی، میری چھٹی حس مجھے تمہارے متعلق جو کچھ بھی بتاتی ہو مگر میں ہاجرہ کو تم سے ملنے سے روکتا نہیں تھا۔ وہ تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں۔ کتنی عجیب بات ہے نا بنیہ! وہ کچھ نہیں جانتی تھیں، دور دور تک کبھی یہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھا کہ تم عالی کے حوالے سے ان کی کچھ ہو سکتی ہو۔ مگر پھر بھی وہ تم سے پیار کرتی تھیں۔ ساری دنیا میں تم وہ واحد ہستی ہو، جسے اپنے سامنے پاکر وہ مسکراتی تھیں۔ مسکراتی ہیں زندہ نظر آنے لگتی تھیں۔ زندہ نظر آتی ہیں۔ ماں کے دل کا عجیب رشتہ ہوتا ہے اولاد کے ساتھ۔ ہماری عقل و فہم سے بہت پرے، بہت مختلف۔

تمہیں پتا ہے، جس لمحہ، جس سیکنڈ، جس گھڑی عالی نے دنیا سے ناتا توڑا، عین اس لمحہ ہاجرہ عالی کا نام لیتی، اسے پکارتی چکرا کر گر پڑی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا ہوا تو بولیں "عالی نے مجھے آواز دی ہے۔" وہ، وہ لمحہ تھا جب عالی نے اس دنیا میں آخری سانس لی تھی۔ تب ہی تو تم سے مل کر بغیر کچھ جانے، کچھ سوچے سمجھے وہ تم سے محبت کرنے لگی تھیں جیسے ان کے کان میں عالی ہی نے چپکے سے آکر کہہ دیا ہو کہ "اس لڑکی سے آپ نے بہت محبت کرنی ہے۔" وہ آنکھیں بند کرکے ایک لمحے کے لیے بالکل چپ ہو گئے۔ پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھا۔

"اس روز سے پہلے تک ہاجرہ کا تمہارے ساتھ دل کا رشتہ جڑا ہوا تھا، اس روز میرا بھی تم سے دل کا رشتہ جڑ گیا تھا۔ وہ جو میرے عالی کا انتخاب، اس کی چاہت، اس کی محبت تھی، وہ جو سات سمندر پار اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس ہمارے لیے اتنی بے غرضی سے آئی تھی اگر اب بھی اس سے محبت نہ کرتا تو کب کرتا؟" ان کی آنکھوں سے آنسو پھر گرنے لگے تھے۔

"جب آپ اتنے پہلے سے سب جان گئے تھے پھر آپ نے مجھے کبھی کچھ بتایا کیوں نہیں، کچھ کہا کیوں نہیں؟"

"میں چاہتا تھا، تم مجھ پر اعتبار کرکے یہ بات مجھے خود بتاؤ۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا بنی! جب تم پورے یقین کے ساتھ بغیر کسی خوف اور ڈر کے مجھ سے اپنا اصل تعارف کراؤ۔ تم بڑی خوشی سے ہمارے گھر رہنے آئیں بلکہ خود اپنے یہاں رہنے کی راہ ہموار کی، مگر یہاں آکر اتنی سی جرأت نہ دکھا سکیں کہ میرے پاس آکر کہہ سکو (مجھے گیسٹ روم) میں نہیں رہنا؟ مجھے اس کمرے میں رہنا ہے جو میرا ہے۔" "اتنی بہادر لڑکی سے اس بزدلی کی مجھے توقع نہ تھی۔" بولتے بولتے ان کی گھڑی پر نظر پڑی۔

"اوہ! تہجد کا وقت نکل رہا ہے۔" اپنے چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگے۔ "دیکھو ذرا، تم سے باتیں کرتے وقت کا دھیان ہی نہیں رہا۔"

وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں جارہی ہو؟" انہوں نے اسے فوراً ٹوکا۔ "کیا ابھی بھی مجھے تم سے یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تمہارا کمرہ ہے، یہ تمہارا گھر ہے؟ بنی! عالی کی طرح یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے بیٹا!"

اس کے شانوں پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر انہوں نے گلوگیر لہجے میں اپنا جملہ مکمل کیا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

انکشافات کی اس رات میں اس پر اتنے ان ہونے انکشاف ہوئے تھے کہ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ عالی نے اس سے کہا تھا۔ وہ اس کی طرف سے اس کے پاپا سے معافی مانگے۔ وہ عالی کے پاپا سے عالی کی جانب سے معافی مانگنے آئی تھی۔ وہ تو انہیں اپنی اور عالی کی شادی۔ کن حالات میں اور مجبوری کے تحت کرنی پڑ گئی بتانے آئی تھی، عالی کی اچھائی نے ماما جانی کو ناں کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ یہ بتانے آئی تھی، عالی انہیں، اپنے پاپا کو ناراض کرکے بہت پریشان اور بے قرار تھا۔ انہیں یہ بتانے آئی تھی، عالی ان سے بہت پیار کرتا تھا شاید ساری دنیا میں سب سے زیادہ۔ یہ یقین دلانے آئی تھی۔ مگر اسے پتا ہی نہیں تھا، اسے یہ اندازہ ہی کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ عالی سے تو کبھی ناراض تھے ہی نہیں۔ وہ خود سے ناراض تھے۔ بیٹے کی جدائی کے غم سے بھی زیادہ ان کے دل کو یہ درد، یہ تکلیف چین نہیں لینے دیتی تھی کہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں، آخری گھنٹوں، آخری لمحوں کو اپنی ناراضی سے انہوں نے کیسا سزا جیسا بنا کر رکھ دیا تھا۔

✩ ✩ ✩

یہ شہرِ خموشاں تھا۔ یہاں ایک قبر تھی جو ابھی بہت سال پرانی نہ تھی۔

اس قبر پر ایک کتبہ لگا تھا۔ "عباد عذیر۔ مما' پاپا کا عابی۔ عابی! مما' پاپا تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔"

یہ قبر کبھی بھی ویران نہ رہتی تھی' یہاں کوئی بڑی پابندی سے آتا تھا۔ وہ یہاں اس وقت بھی آیا ہوا تھا۔ وہ باپ آیا ہوا تھا جس کی ابھی عمر بہت زیادہ نہیں ہوئی تھی مگر جوان بیٹے کی موت نے جسے بالکل بوڑھا کر دیا تھا۔

"یار! اب اٹھ بھی جا۔ میں نے تو یونہی بے سوچے سمجھے تجھ سے رشتہ توڑنے کی بات کی تھی اور تو تو سچ مچ سارے رشتے توڑ گیا۔ میں نے تو یونہی غصے میں آکر کہہ دیا تھا۔ مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا' تو نے میری بات دل پر لے لی' کیا پاپا کی بات کو سچ سمجھ لیا تھا؟"

ان کے آنسو مسلسل اس قبر پر گر رہے تھے۔

"مجھے نہیں پتا تھا۔ میں تجھ سے آخری بار بات کر رہا ہوں' اگر پتا ہوتا تو کیا وہ سب تجھ سے کہتا؟ پھر تجھے تیرے لہجے میں "پاپا! میری بات سنیں۔" کہنا پڑتا؟ پھر میں تجھ سے کہتا "جان عذیر! تم بولتے رہو' پاپا تمہیں سنتے رہیں گے۔" محبت کے اظہار میں تیرے پاپا کمزور ہیں' تجھے پتا ہے نا۔ مگر اس روز تجھ سے' اپنے بیٹے سے محبت کا اس طرح اظہار کرتے جو تجھے حیران کر دیتا۔ عابی تو تو پاپا کی جان ہے' عابی! پاپا نے اس روز جو کچھ کہا۔ وہ سب جھوٹ تھا' تیرا دل دکھا تھا نا' ان باتوں سے تیرے پاس نیویارک نہیں آئے تھے' تجھ سے ناراض ہو کر دبئی سے واپس کراچی لوٹ گئے تھے' تیرا دل بہت دکھا تھا نا عابی؟ تو مایوس پاپا اور مما کا انتظار کرتا رہ گیا اور پاپا نہ خود آئے نہ تیری ماں کو تجھ سے ملنے دیا۔ تیرا ضدی پاپا اس وقت جانتا نہ تھا' جس کے انتظار اور آس کو مایوسی میں بدل رہا ہے۔ اب عمر بھر اس کا انتظار کرے گا' دیکھ تو آکر' کتنی سخت سزا ملی ہے تیرے پاپا کو اس ضد کی۔ تو اگر دیکھے تو تیرا بھی دل ہل جائے۔ عابی! پاپا سے بات کر بیٹا! جو کہنا چاہ رہا تھا' آج بول۔ آج پاپا سنیں گے بیٹا!"

وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ موسم کیسا ہی ہو' دن کوئی بھی ہو' اس معمول میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔ اس وقت ان کا عابی ان کا انتظار کیا کرتا تھا' شدید ترین سردی یا طوفانی بارش بھی' انہیں اس وقت اس کے پاس آنے سے روک نہ سکتی تھی۔ جب تک ان کی سانس چل رہی تھی' ان کے دم میں دم تھا' یہ معمول یونہی رہنا تھا' عابی کے پہلو میں ایک دوسری قبر کی جگہ تھی۔ یہ جگہ انہوں نے اپنے لیے خرید رکھی تھی۔ وہ اپنے عابی کے پہلو میں اس کے ساتھ' اس کے بالکل قریب دفن ہونا چاہتے ہیں' انہوں نے وصیت کر رکھی تھی۔ وہ ایک روز اپنے عابی کے پاس سو جائیں گے' اسے اپنے سینے سے لگا کر' اپنی بانہوں میں چھپا کر' اسی خاک تلے۔ وہ اس خاک تلے اپنے عابی کے پاس کب کے سو بھی گئے ہوتے مگر ابھی ان کے عابی کی ماں زندہ تھی' انہیں اس ماں کے لیے زندہ رہنا تھا' وہ ماں جس کے ساتھ اپنی ضد میں آکر وہ بہت بڑی زیادتی کر گئے تھے۔ خود دبئی سے واپس لوٹے تو لوٹے اس ماں کو بھی اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ وہ شوہر کے حکم پر خاموشی سے اس کے ساتھ واپس چلی آئی' کچھ کہے بنا۔ مگر کیا اس ماں کا چہرہ دیکھ کر انہیں یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ دبئی' کراچی' دنیا کے اور کسی بھی خطے' کسی بھی جگہ۔ جانا نہیں چاہتی' وہ صرف اپنے بیٹے سے ملنے نیویارک جانا چاہتی ہے۔ اگر نیویارک چلے جاتے تو وہ ماں آخری بار جی بھر کے اپنے بیٹے کو دیکھ تو لیتی۔

وہ جس طرح روز بلا ناغہ عابی کی قبر پر آتے تھے۔ اسی طرح بلا ناغہ ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے۔ عابی کے جانے کا اگر وہی وقت' وہی لمحہ طے تھا تو کم از کم اس وقت کے آنے سے پہلے وہ دونوں ایک بار اپنے بیٹے سے مل تو لیے ہوتے۔ وہ ان کا سر فخر سے بلند کروانے کے لیے ہی جان سے [illegible] رہا تھا۔ اس لیے پاکستان نہ آسکا تھا اور انہوں نے اس کے پاس جاتے جاتے اچانک جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ بڑی ضد' بڑے گھمنڈ میں آکر' پتا نہیں تھا کہ اب عباد جب ان کے سامنے آئے گا تو آنکھیں موندے ہوئے گہری نیند سوتا ہوا' اتنی گہری نیند کہ ان کی چیخوں پر بھی نہ اٹھے گا' اس کی وہ آخری ای میل تک ضد میں آکر پڑھی نہیں تھی۔ کیا تب سوچا تھا اس ای میل کو جس روز پڑھیں گے تب وہ لفظ لکھنے والا ایک اور جہاں کے سفر پر روانہ ہو چکا ہو گا۔

"پاپا! پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں۔"

"نہیں ہوں تم سے ناراض۔ تم تو میرے' بہت پیارے' بہت اچھے بیٹے ہو' آجاؤ میرے پاس۔"

"میں بڑا نہیں ہوں پاپا! میں آپ کا وہی عابی ہوں۔ کاش آپ فون پر مجھ سے بات کر لیتے' کاش آپ فون پر میری بات سن لیتے۔"

"میں سنوں گا' میں تمہاری ایک ایک بات سنوں گا۔ تم فون کرو۔ پاپا کو فون کرو۔"

"میں آپ کے پاس جلدی آؤں گا پاپا! آپ چاہے جتنے بھی ناراض ہوں' میں آپ کو منا لوں گا۔"

"آؤ عابی! آؤ۔ پاپا کے پاس آؤ۔ پاپا اپنے پیارے بیٹے سے بالکل ناراض نہیں۔"

وہ اپنے بالوں کو نوچ نوچ کر رو رہے تھے' مونیٹر کی اسکرین پر سر مار مار کر رو رہے تھے۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو پاپا! اپنے عابی سے بدگمان اور خفا ہوں ہی نہ۔"

"پاپا تم سے خفا نہیں' بدگمان نہیں۔ تم تو اتنے پیارے بیٹے ہو' عابی! تم تو ایسے بیٹے ہو' جس پر پاپا فخر کرتے ہیں' مان کرتے ہیں' پاپا کے پاس لوٹ آؤ۔"

وہ روتے روتے دیوانگی کے عالم میں اس روز اتنے دنوں بعد ای میل کا Reply (جواب) کریں گے۔

"I Love You Aabi". وہ زار و قطار روتے اور بیٹے کو دیوانگی کے عالم میں پکارتے روز اس ای میل کا Reply (جواب) بھیجا کریں گے' مگر اس ای میل ایڈریس پر اب ان کی ای میل کھولنے اور پڑھنے والا وہاں نہ ہو گا۔ وہ پچھلے دو سال سے اس ای میل کا جواب بھیج رہے تھے مگر اس ای میل کو پڑھنے والا اب کوئی نہ تھا۔

✩ ✩ ✩

وہ فجر کی نماز پڑھ چکی تھی۔ عذیر فاروق روز فجر کی نماز کے بعد کہاں جاتے ہیں۔ اسے بہت پہلے سے ہاجرہ سے معلوم تھا' بارہا اس کا دل چاہا تھا جہاں وہ گئے ہیں وہاں وہ بھی جائے۔ وہاں گہری نیند سوتے عابی کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی طرف سے پاپا سے معافی مانگے۔ آج وہ اپنے اٹھتے قدموں کو عابی کی آخری آرام گاہ کی جانب جانے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ آج وہ وہاں سوتے ہوئے عابی کے سامنے اس کی جانب سے اس کے پاپا سے معافی نہیں مانگنے والی تھی بلکہ بیٹے سے نادم' شرمسار اور خود سے بہت خفا اس باپ کے دل کا درد' اس کی روح سے ناراضی ختم کرانے جانا چاہتی تھی۔

✩ ✩ ✩

زار و قطار روتے اب وہ اس قبر کے بالکل نزدیک بیٹھ گئے تھے۔ وہ پورا دن ہاجرہ کی خاطر خود کو مضبوط رکھا کرتے تھے' مگر صبح کے ان گھنٹوں میں اپنے عابی کے پاس بیٹھ کر وہ سارا حوصلہ ہار دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا اشک باری کا وقت ہوتا تھا۔

"عابی! اس روز میں نے تمہیں بہت غلط باتیں بول دی تھیں۔ مجھے وہ باتیں نہیں کہنا چاہیے تھیں۔ وہ۔ غلط لہجے میں بغیر سوچے سمجھے جو میں نے تم سے کہا تھا کہ تم جیسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا ہے اور یہ کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں' اللہ کو بری لگی تھی میری وہ بات۔ اس نے مجھے تم جیسے پیارے بیٹے کی صورت اولاد کی ایسی عظیم نعمت اور دولت دی اور میں نے بجائے شکر گزاری کے ایسی ناشکری کی بات بولی۔ اللہ کو میری یہ ناشکری پسند نہ آئی۔ عابی! وہ لفظ بول کر میں سکون سے تو نہ تھا۔ جیسے تمہیں بچپن میں ڈانٹ کر بے چین ہو جاتا تھا' ایسے ہی تب بھی تمہیں وہ سب کہہ کر پھر میں ایک لمحہ بھی سکون سے نہ رہ سکا تھا عابی!"

وہ روتے ہوئے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

یہی سفاک لفظ تھے جو ان کے اپنے بیٹے سے آخری لفظ ٹھہرے تھے۔

"عابی! آئم سوری بیٹا! پاپا کو تمہیں اس طرح ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا۔" اس کی قبر کی طرف دیکھتے انہوں نے بالکل اسی طرح اس سے اپنے لفظوں کی معذرت چاہی' جیسے اپنے اس نو سال کے بیٹے سے معذرت کی تھی۔ وہ روز یہی بات کہتے تھے اور روز وہ نو سال کا بچہ روتا ہوا ان کے گلے لگ جاتا تھا۔

وہ بچہ رو رہا ہوتا تھا' اس بات پر نہیں کہ پاپا نے اسے ڈانٹا ہے' بلکہ اس بات پر کہ اس نے ایسا کوئی کام کیا' کیونکہ پاپا اس سے ناراض ہوئے۔

اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری روز و شب کو انہوں نے اپنی ناراضی سے اس کے لیے کتنا مشکل' کتنا تکلیف دہ

بنادیا تھا۔ وہ دنیا سے جاتے جاتے بھی کتنا بے قرار رہا ہوگا کہ پاپا اس سے ناراض ہیں اور وہ دنیا سے جا رہا ہے' انہیں منائے بنا۔

"عالی! پاپا تم سے ناراض نہیں۔ تم تو اتنے اچھے ہو' اتنے پیارے ہو' اپنے اتنے پیارے بیٹے سے بھی بھلا کوئی ناراض ہو سکتا ہے۔ پاپا بہت برے ہیں عالی! عالی تمہارے پاپا بہت برے' بہت ظالم اور سنگ دل ہیں۔"

"نہیں پاپا بہت اچھے ہیں' بہت پیارے ہیں' پاپا سے اچھا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

ان کی پشت سے آواز آئی تھی۔ انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل برابر میں زمین پر بیٹھ رہی تھی۔

"انسان جس سے بہت محبت کرتا ہے' جس پر اپنا حق سمجھتا ہے' اسی سے تو اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ پھر کیا ہوا اگر پاپا نے اپنے اکلوتے بیٹے پر' اپنے عالی پر اپنا حق سمجھ کر اس سے تھوڑی سی ناراضی ظاہر کر دی' عالی جانتا ہے۔ پاپا کی وہ ناراضی صرف اوپر اوپر سے تھی' اندر دل میں تو صرف عالی کی محبت تھی' پاپا کے دل میں تو کل بھی صرف عالی تھا' آج بھی صرف عالی ہے۔"

وہ ان کی طرف دیکھے بنا بہت دھیرے دھیرے' بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی' اس کی نظریں عالی کی قبر پر مرکوز تھیں۔ وہ آواز اس کی تھی مگر لہجہ ہو بہو عالی کا تھا' چہرہ اس کا تھا مگر چہرے پر پھیلا ہر تاثر وہی تھا جو ان سے مخاطب ہوتے عالی کے چہرے پر ہوا کرتا تھا۔

"اور پاپا جب اپنی کہی باتوں پر اس طرح روتے اور پشیمان ہوتے ہیں تو عالی کا دل بہت دکھتا ہے۔ اس کی جدائی کا صدمہ ہی کیا کچھ کم ہے ان کے لیے جو وہ مزید خود کو یوں اذیت دیتے ہیں' پاپا خود کو تکلیف دیتے ہیں تو عالی کو بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی' انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے عالی ان کے پاس بیٹھا بول رہا ہے۔

"عالی!" ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"ہنی' عالی!" ان کی آنکھیں پھر اشکوں سے بھر گئی تھیں۔ اس روز جب وہ سائٹ پر گرنے لگے تھے اور وہ انہیں بچانے آئی تھی' تب بھی ایسا ہی لگا تھا جیسے بنیہ نہیں عالی انہیں بچانے آ رہا ہے' آج پھر ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ان کے دل کا سب درد مٹانے بنیہ نہیں عالی ان کے پاس بیٹھا ہے۔

"ہنی! مجھے تم عالی جیسی کیوں لگتی ہو! ایسا کیوں لگا جیسے تمہیں عالی نے میرے پاس بھیجا ہے۔" وہ رو رہے تھے۔

"ہاں پاپا! مجھے عالی ہی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ماں کے جانے کے بعد میں بھی زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی' میں اپنی زندگی ختم کر لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ جس رات میں زندگی سے ناتا توڑ لینے والی تھی۔ اس رات اللہ نے عالی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اسے خواب میں بھیجا تھا یا حقیقت میں' مگر میں جانتی ہوں' اللہ نے میرے دل کو قرار دینے اس رات عالی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ کوئی مانے نہ مانے مگر میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس رات عالی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ میں گہری نیند سوتے میں اس کی آنکھیں پہچان سکتی ہوں۔ وہ میرا خواب تھا' نیند تھی' یا کچھ بھی۔ نیند میں' اس خواب میں عالی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ میں اپنی زندگی یوں ختم نہ کروں' میں ان لوگوں کے پاس اس کے مما' پاپا کے پاس پاکستان چلی جاؤں کہ اس کے مما' پاپا اس کے بنا بہت تنہا رہ گئے ہیں۔ اسے آپ لوگوں کی بہت فکر تھی پاپا! اور میں نے عالی کی بات مان لی تھی۔ آخر میں اس کی بات کیوں نہ مانتی؟ پھر اس رات کے بعد میری دوسری زندگی شروع ہوئی تھی۔ میری دوسری زندگی ہے پاپا! جو آپ لوگوں کے پاس آنے کے لیے' آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کے لیے اللہ نے مجھے عطا کی ہے۔ پہلی زندگی عالی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ یہ میری دوسری زندگی ہے جو اللہ نے مجھے آپ کے اور مما کے لیے عطا کی ہے۔"

اس نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا' وہ جو اس پل بے حد کمزور' بہت بوڑھے لگ رہے تھے۔

"خود کو یوں اذیت مت دیا کریں پاپا! عالی کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ عالی سے ناراض ہوئے تھے تو کوئی ہمیشہ کے لیے تو ناراض نہیں ہو گئے تھے۔ عالی یہ بات جانتا ہے۔ عالی کو کل بھی آپ کی محبت کا یقین تھا' اسے آج بھی آپ کی محبت کا یقین ہے' ہے نا عالی؟ تمہیں پاپا کی محبت کا یقین ہے نا؟"

اس نے نظریں عذیر فاروق سے ہٹا کر پھر اس سمت مرکوز کر دیں' جہاں عالی سو رہا تھا۔

"سنیں پاپا! عالی کیا کہہ رہا ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر [illegible] آواز سنیں' وہ یہی کہہ رہا ہے کہ اسے آپ خود کو یوں اذیت دیتے' خود کو ہر پل الزام دیتے' بالکل اچھے نہیں لگتے۔ وہ جانتا ہے' آپ نے ہمیشہ اس سے محبت کی ہے' اس پل سخت لہجے میں اس سے رشتہ توڑنے کی بات کر رہے تھے' تب بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے۔ عالی جانتا ہے یہ بات پاپا! عالی جانتا ہے۔"

اور عذیر فاروق یک دم ہی بکھر کر رو پڑے تھے۔ بیٹے کے ساتھ اس کی زندگی کے آخری دنوں میں جس زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے اپنی اس زیادتی کی وہ اذیت انہیں چین نہ لینے دیتی تھی۔ مگر اس پل جب اس پیاری لڑکی نے جسے عالی نے ان کے پاس بھیجا تھا' عالی ہی کے انداز میں انہیں اس اذیت اور درد سے باہر نکالا تو وہ پہلی بار بیٹے کی دائمی جدائی پر بلک بلک کر رو پڑے۔ عالی کو گئے دو سال ہو گئے تھے اور ان دو سالوں میں وہ آج پہلی مرتبہ اپنے عالی کے لیے رو رہے تھے۔ آج سے پہلے بیٹے کو دی اپنی اذیتیں انہیں رونے نہ دیتی تھیں' ہر پل اس درد کے لیے روتے تھے اپنی بے جا ضد اور ناراضی سے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری روز و شب میں پہنچایا تھا۔ اپنے لیے' اپنے نقصان' اپنے اکلوتے جوان بیٹے کی جدائی پر تو کبھی رو ہی نہ پائے تھے۔ تب ہی تو دل کے اندر اتنا کرب' اتنے اشک جمع تھے۔

وہ پہلی بار بیٹے کی جدائی پر زار و قطار رو رہے تھے اور وہ ان کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلا کر بیٹھی انہیں رونے دے رہی تھی۔ جانتی تھی ان آنسوؤں کا بہہ جانا بہت ضروری تھا۔

"عالی کی زندگی کے آخری دن بہت بھرپور' بہت شاندار تھے پاپا! آپ خود کو اس قدر تکلیف مت دیا کریں' خود کو ہر پل الزام مت دیا کریں۔ اس نے اپنی زندگی کے وہ آخری (سات) دن میرے ساتھ گزارے تھے۔ ہم carmel گھومنے گئے تھے' وہاں عالی ہر پل بہت خوش تھا۔ تب یہ بات آپ کو پتا چلتی تو شاید اس کی خودغرضی لگتی مگر آج میں جانتی ہوں' آپ اس بات کو جان کر بہت مطمئن ہوں گے کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ خوش تھا۔ وہ میرے ساتھ زندگی کی خوشیاں سمیٹ رہا تھا۔"

"اس نے زندگی میں کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ نہ ماں کے ساتھ' نہ باپ کے ساتھ' نہ دوستوں' عزیزوں کے ساتھ۔ اس نے ہر رشتہ خلوص دل سے پوری طرح نبھایا تھا' پھر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کیسے کر جاتا؟ ماں باپ کو وہ اپنی بھرپور محبت دے چکا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کے پاس وقت کم بچا ہے' اسی لیے تو جاتے جاتے اپنی زندگی کے وہ آخری روز و شب تمہیں دے گیا۔ اس کے پاس تمہارے اور اپنے رشتے کو دینے کے لیے بس وہ 7 دن ہی بچے تھے سو اس نے وہ پورے کے پورے تمہیں دے دیئے۔ اور میں ایسا سخت دل ہوں اس وقت سوچتا تھا اسے میری ناراضی کی کوئی پروا نہیں' مزے میں اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ میں ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں اور وہ سات دنوں سے امریکہ میں ہے۔ جانتا نہ تھا کہ میرا وہ بیٹا جس نے زندگی میں کبھی کسی رشتے کی حق تلفی نہیں کی تھی' کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہ کی تھی' اپنے پاس بچے بہت کم وقت میں اس آخری رشتے کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے' جس کا حق ادا کیے بنا دنیا سے چلا گیا تو بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہو جائے گا۔ وہ ایسا ہی فرض شناس تھا میرا بیٹا! اسے رشتوں کو نبھانے کی ایسی ہی فکر رہا کرتی تھی۔"

وہ روتے ہوئے اس سے مخاطب تھے۔ یہ پیاری لڑکی جسے ان کے عالی نے ان کے پاس بھیجا تھا' انہیں بڑے پیار سے اس اذیت سے باہر نکال لائی تھی کہ بیٹے سے تمام رشتے ناتے توڑنے کی بات کر کے انہوں نے اسے بے پناہ دکھ پہنچایا تھا' اللہ کو ناراض کیا تھا۔

"اور پاپا! عالی کہیں نہیں گیا ہے۔ وہ آپ کے' مما کے' میرے دلوں میں زندہ ہے۔ جو ہمارے دلوں میں زندہ ہے وہ مر کیسے سکتا ہے۔ اور عالی ہمیں ایک بار پھر ملے گا۔ یہاں ہماری اس دنیا میں تو بچھڑنے کا' جدا ہونے کا خوف ہر پل رہتا ہے' مگر وہاں جب ہم عالی سے ملیں گے تو پھر اس سے ہمیں کوئی بھی جدا نہ کرے گا۔"

وہ ان کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلائے انہیں تسلی دیتی رہی۔ عالی ہی کے لہجے میں وہ انہیں تسلی دے رہی تھی۔ وہ ان کا عالی تھا۔ عالی سو سامنے رہا تھا مگر وہ انہیں دکھ اس پیاری لڑکی کی آنکھوں میں رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ روتے روتے خود ہی چپ ہو گئے تھے۔ چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کرتے اب انہیں ہاجرہ کی فکر ہوئی تھی۔

انہیں یہاں بہت زیادہ دیر ہوگئی تھی۔ ہاجرہ یقیناً گھر پر ان کے لیے پریشان ہو رہی ہوں گی۔

"چلو نہیں! مما پریشان ہو رہی ہوں گی بیٹا!" وہ زمین پر سے اٹھنے لگے' اس نے ان کے شانوں کو پکڑ کر انہیں سہارا دے کر کھڑا کروایا۔ وہ ان کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی' جانے سے پہلے 'مڑنے سے قبل اس نے آنسو بھری نگاہوں سے اس طرف دیکھا جہاں اس مٹی تلے عالی سو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مدھم سی مسکان۔ اسے پتا تھا' اس لیے مٹی تلے سوتا اس کا عالی آج بہت مطمئن تھا۔ وہ دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی' اس پل عالی مسکرا رہا تھا۔ اس کی ڈمپل والی وہ مسکان جس پر وہ فدا رہا کرتی تھی۔ وہ عالی کے چہرے پر اس وقت موجود تھی۔

"عالی! تمہاری ہی جیت گئی۔ عالی! تمہاری ہی ہار رہی نہیں۔ تم خوش ہو نا عالی؟" وہ دل میں اس سے مخاطب تھی اور اسے پتا تھا وہ بھرپور انداز میں مسکراتا سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے انہیں ڈرائیو نہیں کرنے دیا تھا۔ ان کی گاڑی وہیں لاک کر کے وہ انہیں اپنی گاڑی میں خود ڈرائیو کر کے لائی تھی۔ متواتر اتنے گھنٹے رونے سے وہ تھک ضرور گئے تھے' مگر دل میں ایک عجب طرح کا سکون اترتا بھی پا رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی لڑکی جس نے ابھی ان کی طرح نہ دنیا دیکھی تھی نہ زندگی' کیا اثر تھا اس کے لفظوں میں۔ وہ راستے بھر اس سے پہلے ہاجرہ کے متعلق بات کرتے رہے تھے۔

وہ آج سے پہلے تک جس طرح ہر روز عالی کے پاس بیٹھ کر اس سے اپنی دو سال پہلے کہی باتوں کی معذرت کیا کرتے تھے' اسی طرح ہر صبح پابندی سے ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے۔ اس ماں سے جس سے انہوں نے بہت بڑی زیادتی کی تھی۔ اس ماں کی ممتا کو آزمانے پر وہ ان سے ہر روز معافی مانگتے تھے اور ہاجرہ ان کے معافی مانگنے پر شرمسار ہوتی تھیں' انہیں ایسا بولنے سے روکا کرتی تھیں۔ آج پہلی بار انہیں لگ رہا تھا وہ آنسو بھری نگاہوں سے ہاجرہ سے معافی نہیں مانگیں گے' بلکہ مسکراتے چہرے کے ساتھ انہیں ان کی بہو سے متعارف کروائیں گے۔

ہاجرہ' ہنیہ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھیں لیکن کچھ جانے بغیر انہوں نے اس کے ساتھ دل کا رشتہ جوڑ لیا تھا۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ ہاجرہ لاؤنج کے دروازے سے باہر پریشان کھڑی تھیں۔ وہ فرید کو آواز دیتے دیتے اس سے پوچھ کر بھی رہ گئیں۔

"کسی کو آواز مت دیں' ہم گھر واپس آگئے ہیں۔" انہوں نے ہنیہ کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ہاجرہ کے قریب آ رہے تھے۔

"پتا ہے ہنی! ہاجرہ سے میری اس آپ جناب والی گفتگو کا عالی بڑا ریکارڈ لگاتا تھا۔ کہتا تھا پاپا! آپ کا کیا مغلیہ خاندان سے تعلق ہے' اس قدر شہنشاہی انداز میں مما سے مخاطب ہوتے ہیں۔ مگر میری شروع سے ہی عادت رہی' انہیں آپ کہنے کی۔"

ہاجرہ اچنبھے سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ہنی! عالی؟ وہ عالی کی کوئی بات اس طرح مسکراتے ہوئے کر رہے تھے اور ہنی؟

"اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہیں' اولاد کے معاملے میں ماں کی حسیں باپ سے بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ آپ اسے پہچانتی نہیں' یہ آپ کے عالی کی ہنی ہے' ہماری بہو' ہماری بہو۔ چالاک لڑکی ہم بڈھے' بڈھیا کی ذہانت کا امتحان لے رہی تھی۔"

وہ عذیر فاروق کے پاس سے ہٹ کر دوڑتی ہوئی ہاجرہ کے قریب آگئی۔

"مما!" وہ والہانہ بے تابی سے ان کے گلے لگ گئی تھی۔ "مجھ سے خفا مت ہوئیے گا مما! میں نے آپ کو بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔ میں چاہتی تھی آپ اور پاپا خود پہچان لیں۔ اور مجھے فخر ہے مما کہ آپ نے تو پہلی نظر میں مجھے پہچان لیا تھا' مجھ سے دل کا رشتہ یونہی تو نہیں جوڑ لیا تھا آپ نے۔ آپ کے دل نے بتا دیا تھا نا آپ کو' ہے نا مما؟"

ہاجرہ حیرت میں گھری بالکل گم صم کھڑی تھیں۔ کئی پل' کئی منٹ بالکل ساکت کھڑی رہی تھیں وہ جیسے اس کی اور عذیر فاروق کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کئی منٹ بعد جب ان لفظوں کا مفہوم جذباتی طور پر سمجھنے کے قابل ہوئیں تو فوراً ہی اسے بھینچ کر اپنے مزید نزدیک کیا تھا۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تھا۔ ان کا والہانہ پن سے اسے لپٹانے کا انداز پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ

"میری عذرا نے پہلی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا' اس کے دل نے پہلی نظر میں بتا دیا تھا کہ تم سے دل کا کچھ ناتا ہے۔" وہ اسے اپنے سینے سے لگائے رو پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے بیٹے کو دولہا بنا نہ دیکھ سکی تھیں' اس کی شادی نہ دیکھ سکی تھیں' اپنی بہو سے بھی آج پہلی بار اس وقت متعارف ہو رہی تھیں جب وہ ان کے بیٹے کی بیوہ تھی۔ وہ دو سال پہلے بھی عذیر فاروق کی طرح عباد سے اس کی شادی پر راضی نہ تھیں۔ بے شک ان کا دل دکھا تھا' جس دن کا ملال اس کے پیدا ہونے کے دن سے ان کے دل میں تھا' وہ دن ان کی غیر موجودگی میں ان کے بیٹے کی زندگی میں آ گیا' انہیں دکھ ہوا تھا' ملال ہوا تھا' پر وہ بیٹے سے کبھی خفا نہ ہوئی تھیں۔ جوان کے عالی کی بیوی بنی تھی۔ انہیں اس لڑکی سے نفرت بھی نہ ہوئی تھی۔ جو ان کے عالی کی بیوی بنی تھی' جس سے عالی کو محبت ہو اس سے وہ نفرت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ اور آج دو سال بعد جب یہ سوچ رہی تھیں کہ چاہے ان کی غیر موجودگی ہی میں سہی کم از کم ان کے بیٹے کو اس کی محبت' اس پیاری لڑکی کا چند روزہ ساتھ ملا تھا۔ وہ اسے دولہا بنا نہ دیکھ سکیں تو کیا ہوا؟ آج ان کو یہ اطمینان' یہ سکون تو مل رہا ہے کہ جس لڑکی سے اس نے محبت کی تھی' چند روز ہی کے لیے سہی پر اس کا ساتھ اس کی رفاقت پا تو لی تھی۔ اگر عالی کی یہ خوشی پوری نہ ہو پاتی وہ تشنہ' اس پیاری لڑکی کی محبت اور رفاقت سے محروم ہی دنیا سے چلا جاتا تو آج کیسی کسک' کیسا ملال ہوتا ان کے دل میں۔ ہنیہ سجاد کی محبت' اس کی رفاقت' اس کے ساتھ کی' جو ان کے بیٹے کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو' سب سے بڑی خوشی تھی' وہ خوشی اس کی زندگی کے آخری دنوں میں پوری ہو گئی تھی۔

ہنیہ ان کی گود میں سر رکھے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی اور عباد کی carmel میں کھینچی تمام تصاویر انہیں لا کر دی تھیں۔ وہ تمام تصاویر اس وقت ان کی نظروں کے سامنے بکھری تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں کو اپنی نظروں کے سامنے بکھرا دیکھ رہی تھیں۔ وہ خوشی سے بھرپور قہقہے لگاتا ساحل پر ہنیہ کا ہاتھ تھامے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ اور ان کی گود میں سر رکھے ہنیہ ان کی ممتا بھری گود میں سکون پاتی کسی سہیلی کی طرح carmel میں عباد کے ساتھ گزارے روز و شب کی ہر بات انہیں بتا رہی تھی۔

وہ صبح صبح اس کے لیے پھول لاتا تھا' وہ اسے کھانا پکا کر کھلاتا تھا' وہ اس کے ناز اٹھاتا تھا' اسے اس کا ڈمپل اچھا لگتا تھا تو صرف اسے اپنا ڈمپل دکھانے کو بے وجہ مسکراتا تھا۔ ہاجرہ رو بھی رہی تھیں' ہنس بھی رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر ہنیہ کی باتیں سنتے مسکراہٹ آ رہی تھی۔

ان تصویروں میں ان کا بیٹا کتنا خوش لگ رہا تھا' وہ اپنی محبت پا کر کتنا سرشار لگ رہا تھا' ان کا بیٹا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تنہا نہیں تھا' یہ پیاری لڑکی اس کے ساتھ تھی۔

"ہنیہ! تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں؟ کیسے؟ تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنا پیار' اتنی بھرپور رفاقت اور اپنا اتنا سچا ساتھ دیا' اسے اس وقت تنہا اور اداس نہ چھوڑا جب اس کے والدین اس سے رشتے ناتے توڑنے کی بات کر کے اسے تنہا کر گئے تھے' میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں ہنیہ؟"

انہوں نے اس کا سر اپنی گود سے اٹھا کر اس کی پیشانی کو والہانہ پن سے چوما۔ یہ چہرہ ان کے بیٹے کو بہت پیارا تھا' یہ چہرہ' یہ وجود انہیں بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا۔

"تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنی خوشی دی' اس کے دل سے ہر درد مٹا کر اسے اپنی اتنی سچی محبت دی ہنیہ! میں آج کتنی مطمئن ہوں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ورنہ دل ہر پل یہی سوچ سوچ کر کٹتا تھا کہ آخری لمحوں میں میرا بچہ کتنا تنہا' کتنا اکیلا تھا۔"

وہ روتے ہوئے اس چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہی تھیں کہ جانتی تھیں اس چہرے کو محبت سے بہت بار ان کے بیٹے نے بھی چوما ہوگا۔

"صرف میں نے عالی کو خوشی نہیں دی تھی مما! اس نے بھی ان چھ دنوں میں مجھے زندگی بھر کی ہر خوشی دے دی تھی۔ میں نے عالی کے ساتھ ان چھ دنوں میں اپنی پوری زندگی جی لی۔ اس نے ان چھ دنوں میں مجھے اتنا پیار دیا جتنا کوئی کسی کو پوری عمر نہیں دے سکتا۔"

ہاجرہ روتے اور ہنستے اس کے چہرے کو چومے جا رہی

تھیں اور وہ ان سے پیار کرواتی ان کے ڈمپل کو مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"مما! آپ کا ڈمپل بالکل عالی جیسا ہے۔"

وہ عقل مند لڑکی الٹا جملہ بول رہی ہو یوں کہ عالی کا ڈمپل مما جیسا تھا۔" عذیر فاروق کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کی بات دروازے پر سے سن لی تھی اور وہ وہیں سے بولتے ان دونوں کے قریب آگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اور عباد عذیر کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کہ جیسی والہانہ محبت ہنیہ سے وہ کرتا ہے' ویسی ہی محبت اس کے ماں' باپ کو بھی ہنیہ سے ہو جائے' ہنیہ اس کے گھر' اس کی فیملی کا حصہ بن جائے' اس کے جانے کے دو سال بعد پوری ہو گئی تھی۔

عباد کی دوسری برسی کا وہ دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا' عباد کے کمرے میں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے' قرآن پاک کی تلاوت کرتے' وہ تینوں روئے بھی تھے اور ایک دوسرے کو سنبھالا بھی تھا۔ اس کی اسی برسی کے دن ہی اس نے وہ تصویر اپنے سامان سے نکالی تھی۔

"بابا! عالی چاہتا تھا۔"

"مجھے پتا ہے وہ کیا چاہتا تھا۔"

ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں' اس تصویر کو دیکھ کر اس کی بات پوری ہونے سے قبل انہوں نے وہ تصویر اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی اور خود اپنے ہاتھوں سے اسے لاؤنج میں سب سے نمایاں جگہ پر لگا دیا تھا۔ عذیر فاروق' ہاجرہ عذیر' ہنیہ' عباد' عباد عذیر کی فیملی my family عباد عذیر کی فیملی آج اکٹھی تھی۔ تصویر میں بھی اور اس کے گھر میں بھی۔ عباد کی برسی کا چوتھا دن ان کی سالگرہ کا تھا۔ پچھلے دو سالوں میں بھی یہ دن آیا تھا' بہت آنسو ساتھ لایا تھا۔ انہیں رلاتا ہوا آیا اور رلاتا ہوا ہی گیا تھا۔ مگر آج اس دن کی صبح آنسوؤں کے ساتھ نہ ہو سکی تھی۔

وہ ان کے فجر کی نماز کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے ان کے کمرے میں آگئی تھی۔ دستک پر وہ اور ہاجرہ دونوں چونکے تھے۔ ہاجرہ جائے نماز بچھائے تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں اور وہ وضو کر کے ابھی ابھی باتھ روم سے آئے تھے۔ ہاتھوں میں پھولوں کا بہت خوبصورت سا گلدستہ اور ایک کیک لیے' مسکراتی ہوئی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بالکل عالی کی طرح ان کے کمرے میں آئی تھی۔ ان کی سالگرہ کے دن صبح صبح۔ وہ جاتے جاتے اس لڑکی کو کیا کیا کچھ بتا گیا تھا۔ ان کے بیٹے کی سی بی ہیو والی یہ پیاری پیاری ادائیں اس میں پہلے سے تھیں یا اس کے ساتھ نے عطا کر دی تھیں' وہ جانتے نہ تھے۔ وہ کبھی اس سے ملے نہ تھے' جو جان پاتے۔

وہ تو اسے آج جانتے تھے اور وہ لڑکی ان کے عالی جیسی تھی' ہو بہو اس کی سی عادتیں' اس کا سا مزاج' اس کی طبیعت' ان پر جان چھڑکتا اس کا انداز۔ وہ انہیں اتنی عزیز بھی اسی لیے تھی کہ اس میں انہیں عالی دکھتا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کا دل محبت سے بھر جاتا تھا۔ وہ انہیں اتنی عزیز' اتنی پیاری تھی جیسے ان کی اپنی سگی بیٹی۔ رشتہ بہو کا تھا۔ مگر دل سے وہ ان کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ ان کا یہ رشتہ ان کے بیٹے نے جوڑا تھا' اس نے قائم کیا تھا۔

ہنیہ کا ان سے رشتہ ان کے عالی نے جوڑا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی اتنی فکر کرنے والا' ان سے اتنی محبت کرنے والا' اسے دنیا سے جاتے جاتے بھی ماں' باپ کی کتنی فکر ان کی تنہائی کا کیسا خیال تھا' تب ہی تو ہنیہ کے ساتھ ان کا یوں آنا "فانا" رشتہ جوڑ گیا تھا۔

انہیں ایسا لگتا تھا جیسے عالی کے اندر کسی نے اسے یہ خبر دے دی تھی کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اور اس کے جانے کے بعد اس کے والدین بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ ہنیہ کی دادی تو شاید ایک بہانہ ایک وسیلہ تھیں۔ اگر آج ہنیہ ان کی زندگی میں نہ ہوتی تو ان دونوں کے پاس اب زندہ رہنے کا مقصد کیا بچا تھا۔ ہنیہ ان کے عالی کی جانب سے انہیں دیا جانے والا سب سے قیمتی اور سب سے انمول تحفہ تھی۔ آج اپنی سالگرہ کے دن انہیں بیٹے کی جانب سے یہ تحفہ ملا تھا۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اپنے بابا کو تحفہ دینا ہوا تھا۔

وہ ان کے لیے "ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا" گا رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اس کے پاس آئے۔ انہوں نے فرط محبت اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ کو پتا ہے آپ بہت پیاری بیٹی ہیں۔"

اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"کیسے پتا چلا؟" انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

"ابھی ابھی تو آپ نے بتایا ہے پاپا!" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

جائے نماز پر بیٹھی ان دونوں کو دیکھتی ہاجرہ بھی بے ساختہ مسکرائی تھیں۔ اس نے پھول ان کے ہاتھ میں پکڑائے اور پھر کیک کی جانب اشارہ کیا۔

"کیک کاٹیں پاپا!" انہوں نے کیک کا ایک چھوٹا سا پیس کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"پہلے مما کو۔" وہ دونوں کیک پورا کا پورا اٹھا کر ہاجرہ کے پاس ہی آگئے تھے۔ اور ان کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے۔

"آج اپنی سالگرہ کی خوشی میں آپ مجھے اور مما کو ٹریٹ دے رہے ہیں' وہ بھی ہماری پسند کی جگہ پر۔"

"لیکن آج تو بہت اہم میٹنگ ہے اور پھر۔۔"

"جب ہنی نے کہہ دیا ٹریٹ تو پھر بس اب صرف ٹریٹ ہی ہوگی' باقی سب کام بعد میں۔" ان کی بات کاٹ کر ہاجرہ قطعیت سے بولی تھیں۔

"وہ غالباً" ان کا یہی قطعیت بھرا لہجہ سننا چاہ رہے تھے' تب ہی بے ساختہ کھل کر مسکرائے تھے' ورنہ ان کے لیے بھی کون سے میٹنگ تھی جو ہنیہ سے زیادہ اہم ہو سکتی ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے آفس میں تھے' بلگرامی صاحب کے ساتھ ایک نئے پروجیکٹ کے متعلق کچھ ڈسکشن چل رہی تھی۔ وہ گفتگو میں پوری طرح مگن تھے' جب ان کے آفس کا دروازہ کھلا تھا۔

"سر! میں اندر آسکتی ہوں؟" لبوں پر شرارتی مسکان لیے وہ دروازے پہ کھڑی تھی۔

لہجہ بھی عالی کا تھا اور جملہ بھی عالی کا۔ ان کے ساتھ ساتھ بلگرامی صاحب بھی اس جملے پر پہلے چونکے اور پھر بے اختیار مسکرائے تھے۔ وہ عباد عذیر کی بیوی ہے' وہ عذیر فاروق کی بہو ہے' دفتر میں اب کون تھا جو یہ بات نہ جانتا تھا۔ وہ عباد ہی کی طرح دفتر میں انہیں شرارتی انداز میں "سر" اور گھر پر پاپا کہا کرتی تھی۔

وہ اس کے "سر" کہنے پر مسکراتے خوشگوار انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ بات خود بھی ہرگز نہیں بھولے تھے مگر جانتے تھے اس وقت وہ انہیں یہ یاد دلانے آئی تھی کہ آج انہوں نے اسے اور ہاجرہ کو لنچ باہر کروانے کا وعدہ کر رکھا ہے' اپنی سالگرہ پر ٹریٹ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ انہوں نے بلگرامی صاحب کی طرف معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا کہ اب اس ڈسکشن کو کل تک مؤخر کرنا تھا' چونکہ ہنیہ نے یہی طے کیا تھا کہ آج وہ لنچ ٹائم تک ہی آفس میں رکیں گے۔ انہیں ہاجرہ کو گھر سے پک کرنا تھا۔ وہ دونوں گھر پہنچے تو ہاجرہ' ہنیہ کا منتخب کردہ لباس پہنے ان لوگوں کا انتظار کر رہی تھیں۔

انہیں گھر سے لے کر اب وہ لوگ ہنیہ کی پسند کے ریسٹورنٹ کھانا کھانے جا رہے تھے۔ ہاجرہ اس سے آفس میں اس کا دن کیسا گزرا اس بابت پوچھنے لگیں۔

"بس ٹھیک گزرا۔ میرے ظالم باس نے آج کل مجھ پر کاموں کا اتنا لوڈ ڈال رکھا ہے۔" اس نے شرارتی نگاہوں سے عذیر فاروق کو دیکھا۔ "سوچ رہی ہوں' ان کی جاب چھوڑ دوں۔ کوئی دوسری فرم جوائن کر لوں۔"

ہاجرہ اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

"بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ۔ جاب چھوڑیں گی تب ہی آپ کے ظالم باس کو پتا چلے گا کہ کیسا بے مثال ٹیلنٹ انہوں نے گنوایا ہے۔"

عذیر فاروق نے سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔ وہ پچھلی نشست پر قدرے آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی بچکانہ باتوں اور انداز پر وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ وہ جس طرح راستے میں شور مچاتی ہوئی آئی تھی' اسی طرح اس نے ریسٹورنٹ میں آکر بھی شور مچا رکھا تھا۔ بچکانہ انداز میں پتا نہیں اس نے کیا کیا آرڈر کر ڈالا تھا۔ وہ کھا کم رہی تھی' شور زیادہ کر رہی تھی۔

وہ تینوں آپس میں بڑے مگن تھے' جب ان کے قریب "السلام علیکم" کی آواز گونجی۔ گفتگو روک کر ان تینوں نے سر اٹھا کر عدیل کو دیکھا جو ان لوگوں کے پاس کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" ہاجرہ اور عذیر فاروق نے بیک وقت اسے جواب دیا تھا۔

"آجاؤ تم بھی ہم لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔" عذیر فاروق بولے۔

"ویسے تو میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا' لیکن اب آپ اصرار کر رہے ہیں انکل! تو تھوڑا بہت آپ لوگوں کے ساتھ بھی چکھ لیتا ہوں۔ ویسے بھی ہمارا لنچ سرو ہونے میں ابھی ٹائم لگے گا۔"

وہ جن کے ساتھ آیا تھا' انہیں ہاتھ کے اشارے سے کچھ دیر بعد آنے کا بولتے' بلا تکلف ان کی میز پر بیٹھ گیا۔

"یہ مٹن کڑاہی کیا تم اکیلی کھاؤ گی؟ تھوڑی سی مجھے بھی چکھا دو۔"

وہ ہنیہ سے مخاطب ہوا' جس کے سامنے مٹن کڑاہی رکھی تھی۔

دو روز پہلے اس کی عذیر فاروق سے فون پر بات ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ ہنیہ کی ساری سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کے سامنے ظاہر ہو چکی ہے۔ عباد کے ہاں دعوت میں ہنیہ دیکھ چکی تھی کہ عدیل کھانے پینے کا بہت شوقین ہے اور اسے چاول خاص طور پر بے حد مرغوب ہیں۔ سو اس نے چاولوں کی ڈش بھی اٹھا کر عدیل کے سامنے رکھ دی۔

"پچھلے دنوں میں دبئی ایک کام سے گیا' وہاں حبیب ملا تھا۔" اس نے ہنیہ کو بتایا۔

"کیسا ہے وہ؟"

"مزے میں ہے۔ شادی کرلی ہے اس نے' ایک بیٹی بھی ہے۔ وہیں دبئی میں جاب کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر عالی کی باتیں کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے محبت کرتا ہو' پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔"

عذیر فاروق نے نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کے اس دوست کو بہت پیار سے دیکھا' جس کی یادوں میں وہ آج بھی زندہ تھا۔

"کل صبح کی فلائٹ ہے میری۔ ایئرپورٹ جانے سے پہلے آپ لوگوں سے ملتا ہوا جاؤں گا۔"

وہ جس طرح دو چار دنوں کے لیے آنے پر ان لوگوں سے ملتا ضرور تھا' اسی طرح واپس جاتے وقت ہمیشہ گھر سے ایئرپورٹ کے لیے نکلنے کے بعد پہلے ان کے گھر آکر ان سے اور ہاجرہ سے ملتا' ان کی دعائیں لیتا۔ اور پھر ایئرپورٹ روانہ ہوتا تھا۔

عالی کی زندگی میں وہ بڑا لاابالی اور لاپروا لڑکا تھا' عالی کے بچپن کا اور سب سے خاص دوست' مگر اس کی عادات عالی سے بہت مختلف تھیں۔ عالی کی طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں کا دھیان رکھنا جیسے اسے آتا ہی نہ تھا' مگر اب اس کے جانے کے بعد اتنا ذمہ دار اور اتنی پروا کرنے والا ہو گیا تھا کہ پاکستان آنے پر پابندی سے ان سے ملنے کے ساتھ دوبارہ سے بھی گاہے بگاہے انہیں اور ہاجرہ کو فون کر کے ان لوگوں کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا۔

عید' تہوار یا کسی بھی اور موقع پر وہ ان دونوں کو ہرگز نہ بھولتا تھا۔ اس نے اپنی لاپروائی اور غیر ذمہ داری جیسے عالی کے ساتھ ہی رخصت کر دی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرنے والا بہت ذمہ دار میچور لڑکا بن گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پاپا!" ان کے بالکل نزدیک یہ آواز ابھری تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔

"عالی!" وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے لگے۔

"او نوں' اٹھیں نہیں۔ آپ کو ڈسٹرب کرنے تھوڑی آیا ہوں۔ آپ لیٹے رہیں۔ میں یہاں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھ کر انہیں اٹھنے سے روک دیا تھا' وہ ان کے بالکل پاس ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ والہانہ پن سے ان کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔

"ہنی کو تم نے بھیجا ہے نا عالی! ہمارے پاس؟"

سراثبات میں ہلاتا وہ ان کے ہاتھوں کو چومتا رہا۔

"پاپا! ہنیہ اچھی ہے نا؟"

"صرف اچھی نہیں' بہت اچھی ہے۔ میرے بیٹے کی پسند' اس کا انتخاب' اس کی محبت' ایسی ہی لڑکی ہو سکتی تھی۔" انہوں نے لیٹے لیٹے ہی اسے اپنے نزدیک کر لیا' انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے پتا تھا آپ جب اس سے ملیں گے تو وہ آپ کو بہت پسند آئے گی۔ اس کا خیال رکھیے گا پاپا! وہ پاگل لڑکی مجھ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے۔" وہ ان کے سینے پہ سر رکھے رکھے بولا۔

"میں اس کا بہت خیال رکھوں گا عالی! تم اس کی ذرا بھی فکر مت کرنا۔ سمجھو وہ اپنے گھر آگئی ہے' اپنے ماں باپ کے پاس آگئی ہے۔ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں نا عالی! اب اتنی ہی اس سے بھی کرتا ہوں۔ جس طرح دنیا کی ہر بہترین چیز تمہارے لیے چاہتا تھا' ایسے ہی اب اس کے لیے چاہتا ہوں۔"

وہ اس کے سر پہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے رہے۔

"عالی! آپ خوش ہو نا؟ ہنی اپنے گھر' اپنے سسرال آگئی' میرے اور تمہاری مما کے پاس آگئی ہے؟"

"بہت خوش ہوں پاپا! آپ تینوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔"

انہوں نے اسے بھینچ کر اپنے مزید قریب کر لیا تھا۔

"عالی! بہت یاد آتے ہو بیٹا!"

"مجھے بھی آپ بہت یاد آتے ہیں پاپا!"

"عالی! میں بہت جلد تم سے ملوں گا' جہاں تم ہو وہاں میں بھی آؤں گا۔ ابھی مجھے تمہاری ماں کا خیال رکھنا ہے' مجھے کچھ ہوا تو وہ تنہا ہو جائے گی اور ہنیہ...... سر نہیں باپ ہوں اس کا' اس کے لیے بھی تو اب خوشیاں مجھ ہی کو ڈھونڈنی ہیں نا بیٹا؟"

"ہاں پاپا! مما اور ہنی کے لیے خوشیاں ڈھونڈ لایئے' بہت ساری خوشیاں۔ میں آپ تینوں کو ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ مدھم آواز میں بولا۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھے ان سے باتیں کر رہا تھا' وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اسے پیار کرتے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

ان کی آنکھ کھلی تو عالی ان کے پاس نہ تھا۔ ان کے برابر میں ہاجرہ سو رہی تھیں۔ وہ بڑی آہستگی سے بستر سے اٹھے۔ وہ بے آواز دبے پاؤں چلتے بالکونی میں آگئے۔ عالی مدتوں بعد آج ان کے خواب میں آیا تھا۔ جس دن سے ہنیہ نے انہیں ان کی اذیتوں سے باہر نکالا تھا' وہ اس دن سے اب ہر روز رات کو خواب میں اپنے عالی سے ملا کرتے تھے۔ وہ عالی کی خواب میں کی باتوں کو آنسو بھری نگاہوں کے ساتھ اپنے ذہن اور دل میں دہرا رہے تھے۔ عالی کی پیاری آواز ان کی سماعتوں میں بالکل تازہ تھی۔ قطرہ قطرہ اشک ان کی آنکھوں سے گرتے ان کے رخساروں اور گریبان کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔

لاؤنج کے باہر سیڑھیوں پر انہیں کوئی بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ روشنی مدھم مگر وہ جانتے تھے وہ ہنیہ تھی۔

☼ ☼ ☼

تجھے کیا خبر ہے کہ رات بھر
تجھے دیکھ پانے کو اک نظر
رہا ساتھ چاند کے منتظر
تری کھڑکیوں سے ادھر کوئی
سرِ شاخِ جاں ترے نام کا
عجب ایک تازہ گلاب تھا
جسے آندھیوں سے خطرہ نہ تھا
جسے تھا خزاں سے نہ ڈر کوئی

وہ نماز پڑھ کے اٹھی تو بجائے اپنے کمرے میں جانے کے باہر آگئی۔ عجیب حیرت انگیز بات تھی' اب اسے رات گیارہ بجے کے ساتھ اپنے کمرے میں جانے کی جلدی نہ ہوتی تھی۔ جس روز سے اس نے اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ پر ظاہر کی تھی۔ تب سے اس کی یہ کیفیت تھی۔ دن دنیا کے لیے اور راتیں عالی کے لیے' یہ کیفیت اسی روز اچانک ختم ہو گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ واقعی اس کی دوسری زندگی تھی جو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے ساتھ اپنے عالی کے مما' پاپا کے ساتھ اس نے نئے سرے سے شروع کی تھی۔ اس کی نئی زندگی جو شروع ہی ان دو لوگوں کے لیے ہوئی تھی۔ بس صرف وہ ہنیہ عباد تھی' عباد عذیر کی محبت' اس کی بیوہ ورنہ باقی یہ زندگی اور یہ دنیا اس کی پچھلی زندگی اور دنیا سے بالکل الگ تھی' دوسری تھی۔ اپنی اس دوسری زندگی میں اسے مما' پاپا کے سوا کچھ سوجھتا نہ تھا' وہ صرف عالی کے نہیں اس کے بھی مما' پاپا تھے۔ انہیں خوشی دینے کے علاوہ اب اسے کسی بات کا دھیان نہ آتا تھا۔ اس کا دل اس بات پر ٹھہر چکا تھا' قرار پا چکا تھا کہ اپنی اس نئی زندگی میں اسے ابھی بہت سال اس دنیا میں گزارنے تھے' ابھی عالی سے ملنے کے لیے اسے بہت لمبا' بے حد طویل انتظار کرنا تھا۔

وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

اس نے عالی کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ کے اوپر سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ نرم نرم سی ٹھنڈی ہوا اسے سکون پہنچا رہی تھی۔ وہ آسمان کو تکتی' ستاروں کو دیکھتی اور لاؤنج کے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔ رات کے اس پہر' اس خاموشی' اس سناٹے میں آسمان کو دیکھنا' آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ تلاش کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے وہ ستارہ نظر آگیا تھا۔ اس نے ستون سے ٹیک لگائی اور اس ستارے پر اپنی نگاہیں جما دیں۔

"آج ہم نے پاپا کی سالگرہ منائی عالی! میں نے مما کو زبردستی اپنی پسند کا ڈریس پہنوایا' پاپا سے زبردست سی ٹریٹ لی۔ ہم نے پاپا کی سالگرہ بھرپور انداز میں سیلیبریٹ کی۔ اور عالی! میں نے صبح صبح پاپا کو ان کے

کمرے میں جا کر بالکل تمہاری طرح وش بھی کیا۔ تمہیں یاد کر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے' مما کی آنکھوں سے بھی آنسو گرے تھے' مگر وہ دونوں میری خاطر خوش بھی ہو رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔"

اس روشن ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ دل کی آنکھوں سے اسے اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔

"جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے تھے میں نے وہ سب پورے کر دیے' اب تو تم خوش ہو نا عالی؟" وہ سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

"تمہاری مائی فیملی والی تصویر پتا ہے سب کو کتنی اچھی لگتی ہے۔ مما' پاپا محویت سے اس تصویر کو گھنٹوں دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی مہمان آتا ہے تو وہ بھی اسے بڑے غور سے دیکھتا ہے۔ پاپا نے وہ لگائی ہی ایسی جگہ ہے کہ اسے نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔ عدیل آیا تو اس نے بھی اس تصویر کی تعریف کی تھی' آج انوشہ آئی تو اس نے بھی بے ساختہ اس تصویر کو سراہا تھا۔"

"کیا ہوا بیٹا! نیند نہیں آ رہی؟"

اس کے بالکل قریب آواز ابھری۔ اسے اپنی محویت میں ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

"تین بج رہے ہیں' نیند نہیں آ رہی کیا؟"

"یہاں اس وقت بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے پاپا!" اس نے مسکرا کر انہیں جواب دیا۔ وہ سیڑھی پر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"پاپا! آپ کو رات کی خاموشی میں ستاروں کو دیکھنا کیسا لگتا ہے؟"

"اچھا۔"

"پاپا! آپ کو کبھی کسی ستارے میں عالی نظر آتا ہے؟" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں ان سے پوچھا۔

"مجھے وہ ہر جگہ نظر آتا ہے بیٹا! چاند میں' ستاروں میں' ہواؤں میں' رات کی تاریکیوں میں' دن کے اجالوں میں' تمہاری آنکھوں میں' تم میں۔" اس کی طرف دیکھتے انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔

"اور جب وہ مجھے تم میں نظر آتا ہے تو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔" انہوں نے اس کے شانے کے گرد بازو پھیلا کر اس کے سر سے ہاتھ رکھا۔

"میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں نا بنی! تو وہاں عالی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے۔"

ان کی آواز بے حد مدھم تھی' اور لہجہ ریشم جیسا نرم۔ اس نے آسمان پر چمکتے اس روشن ستارے پر پھر اپنی نظریں جما دی تھیں۔ اس نے آہستگی سے پھر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ پھر اپنے سامنے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلائے وہ اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس میں اپنے عالی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کا بہت پیارا بیٹا انہیں جینے کا ایک مقصد دے گیا تھا۔ وہ بہو کی صورت انہیں ایک بنی' ایک خوبصورت رشتہ' زندگی گزارنے کا ایک مقصد' ایک وجہ دے گیا تھا۔ وہ دو سالوں سے صبح اٹھتے تھے' آفس جاتے تھے' رات میں سوتے تھے' مگر پتا نہیں تھا کہ یہ سب کس کے لیے اور کیوں کر رہے ہیں۔ وہ زندگی کیوں جی رہے ہیں۔ یہ آفس' یہ کام' یہ کاروبار' یہ گھر' یہ زندگی کس کے لیے تھی' ان سب کی ضرورت کیا تھی۔ مگر اب وہ رات میں سونے لیٹتے تو انہیں پتا ہوتا تھا انہیں صبح اپنی بنی کے لیے' بنیہ کے لیے اٹھنا ہے' وہ صبح زندگی کو نئے سرے سے شروع کرتے تو اسی کے لیے کرتے تھے۔ اب انہیں اور ہاجرہ کو زندہ رہنا تھا۔ کے لیے' وہ ان کے بیٹے کا ان کے لیے چھوڑا انمول' آخری' نایاب اور واحد رشتہ تھی۔ اب انہیں اس ایک رشتے کے لیے بنیہ' کے لیے زندگی جینی تھی' بنیہ کے لیے خوشیاں تلاش کرنی تھیں۔ اس کا مستقبل محفوظ کرنا تھا۔

نو دن کی اس کی شادی شدہ زندگی اور پھر یہ بیوگی۔ نصیب نہیں ہو سکتی تھی ان کی اس بہت پیاری اتنی کم عمر بہو کا۔

آج انہوں نے اسے انوشہ سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ انوشہ کا دل عباد کی طرف سے صاف کرنا چاہ رہی تھی۔ انوشہ جو اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش' مگن تھی' اس کی فکر تھی اس لڑکی کو۔

یہ جیسے وہ سوچ ہی نہیں رہی تھی کہ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں' خوش ہیں' نقصان اگر کسی کا ہوا ہے' زندگی کسی کی اجڑی ہے تو وہ' وہ خود ہے۔ اس کم عمری میں بیوگی کی یہ چادر اوڑھنے کی تھی اس کی اس بنی نے۔ مگر اس کی فکر کرنے کو وہ اور ہاجرہ موجود ہیں۔ عالی جاتے جاتے انہیں اس بہو' اس بنی کی یہ بہت بڑی ذمہ داری سونپ گیا ہے۔ اور وہ اس کی زندگی کو یوں اجاڑ اور ویران تو ہرگز نہ رہنے دیں گے۔ وہ ان کے عالی سے بہت پیار کرتی ہے' اس سے کوئی نہیں کہہ رہا کہ وہ عالی سے محبت کرنا چھوڑ دے' مگر عالی سے محبت کرتے وہ اپنے دل میں کسی اور کے لیے بھی تو تھوڑی سی جگہ بنا سکتی ہے۔

وہ اپنی اس بنی کے لیے ڈھونڈ کر لائیں گے کسی ایسے بہت اچھے شخص کو جو ان کے عالی ہی کی طرح اسے پیار کر سکے۔ بنیہ کے لیے عباد جیسا تو پوری دنیا میں دوسرا کوئی شخص نہیں ہو سکتا' مگر اس پوری کائنات میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہو گا نا' اللہ نے ضرور بنایا ہو گا جو اس کی زندگی میں پھر سے خوشیوں کو لائے گا' اس کے سر سے بیوگی کی یہ چادر اتار کر اسے سہاگ کا سرخ جوڑا پہنائے گا' محبتوں کا گھر اس کے دل میں پھر بسائے گا' جو اس کے دل سے عالی کو نکالنے کی کوشش نہیں کرے گا' بلکہ عباد کے ساتھ ہی اس کے دل میں اپنے لیے بھی جگہ بنا لے۔

عباد نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی ہے اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائیں گے۔

اب یہی ان کا مقصد حیات تھا۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی اور وہ پدرانہ شفقت سے اسے دیکھتے وہ اللہ سے دعا مانگ رہے تھے کہ جوان کے عالی کی طرح اس کی بنی کو پیار کر سکے' ایسے ایک شخص کو وہ جلد از جلد ان لوگوں سے ملا دے۔ دور کہیں سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہوئیں تو انہیں احساس ہوا کہ بنیہ کو ستاروں کو دیکھتے اور انہیں مسلسل ایک ہی دعا کا ورد کرتے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ان کے گیٹ پر کوئی گاڑی آ کر رکی تھی۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا تھا۔ انہوں نے اس اندر آنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ عدیل تھا۔ ایئرپورٹ جانے سے پہلے انہیں خدا حافظ کہنے کے لیے آیا عدیل سفیان۔

"کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے محبت کرتا ہو پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔"

عدیل کی آج ریسٹورنٹ میں کہی باتیں ان کی سماعتوں میں گونجیں۔ ان کا عالی' عدیل کے لیے اتنا ہی اہم تھا جتنا اہم وہ ان کے اور ہاجرہ کے لیے تھا' بنیہ کے لیے تھا۔ وہ ان کے عالی سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور وہ بنیہ کی بہت عزت کرتا ہے' اس کی بہت قدر کرتا ہے۔ انہیں یاد آیا دو روز قبل فون پر بات ہونے پر عدیل نے ان سے بنیہ کی کس قدر سچے لہجے میں تعریف کی تھی۔

"عالی خوش قسمت تھا انکل! یقین کریں وہ بہت خوش قسمت تھا' اسے بنیہ جیسی لڑکی کی محبت اللہ نے عطا کی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں آپ لوگوں کے پاس آ گئی' میں جتنا سوچتا ہوں مجھے عالی کی پسند پر اتنا ہی فخر ہوتا ہے۔"

ان کی قریب ترین مسجد میں اذان شروع ہو چکی تھی۔ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مؤذن کی پر تاثیر اور خوبصورت آواز سنتے وہ عدیل کو لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتے دیکھ رہے تھے۔

ان کے ذہن میں ایک نیا' ایک بے حد خوبصورت خیال ابھر رہا تھا۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی صادق دل سے مانگی دعا اللہ نے "فوراً" ہی قبول کر لی ہو۔